جنوری 2022
شعاع
سالِ نو مبارک
ماہنامہ شعاع MONTHLY SHUAA Regd. No. MC - 52 JANUARY 2022 قیمت -/100 روپے
k.s.k digest fans page

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.be

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

www.pklibrary.com

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 8

حمد، ریاض حسین قمر 9

نعت، زاہد قاسمی 9

نبیؐ کی باتیں، ادارہ 10

انٹرویو

بندھن، شاہین رشید 17

دستک، شاہین رشید 25

جب تجھ سے ناتا، ش۔ص 15

نئے خواب، نئی اُمیدیں، ادارہ 28

ناول

نور القلوب، تنزیلہ ریاض 210

والعصر، امت العزیز شہزاد 36

مکمل ناول

عسر یسرا، حسنہ حسین 150

راہ گزر کی مسافتیں، مریم عزیز 94

نصیب کی بارشیں، جبین چیمہ 180

ناولٹ

برادر یوسف، فریدہ سیفی 72

افسانے

ہیپی نیو ایئر، حمیرا شفیع 59

بہورانی، صائمہ نور 63

یک نہ شد، راشدہ رفعت 144

داغ، مریم انصاری 233

نظمیں و غزلیں

غزل، عباس تابش 36

نظم، پروین شاکر 37

غزل، فیضان سروری 36

نظم، سید مبارک شاہ 37

www.pklibrary.com

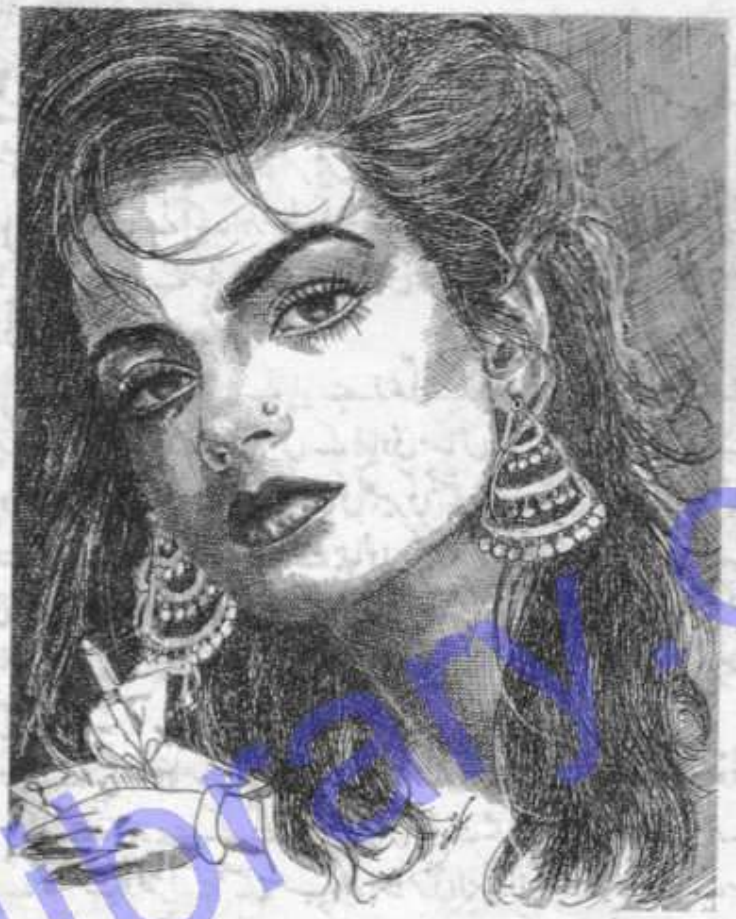

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	244
مسکراہٹیں	ادارہ	238
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	240
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	243
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	254
موسم کے پکوان	واصفہ سہیل	257
خوبصورت بنئے	ادارہ	258

جنوری 2022
صفحات 35 حجم 05
قیمت 100 روپے

www.pklibrary.com

رضیہ جمیل

پہلی شعاع

نئے سال کا پہلا شمارہ جنوری کا شعاع لیے حاضر ہیں۔

وقت بہتا چلا جا رہا ہے۔ زندگی نے ایک اور سال کی معیاد پوری کی، ہم نئے سال کی دہلیز پر کھڑے پرانے سال کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو نئے سال اور پرانے سال کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ وہی روز و شب کے چکر، وہی زندگی کے جھمیلے، وہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور غم۔

وقت ایک بحر بے پایاں ہے۔ اس کا پتا کس نے پایا ہے۔ زندگی نے لاکھوں سال کی مسافت طے کر لی۔ انسان غاروں سے نکل کر چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ لیکن اس کے بنیادی مسائل وہی ہیں۔ انسان ازل سے ایک ہی خواب دیکھتا آیا ہے۔ خوشی کے، امن اور خوش حالی کے خواب، اسی خواب کی تعبیر کی جستجو میں وہ ترقی کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ قدرت نے انسان کی سرشت میں حرکت رکھی ہے۔ مسابقت کا جذبہ، نئے جہانوں کی کھوج اسے پیہم رواں رکھتی ہے۔

یہ خواہش، یہ کھوج تعمیری ہو تو زندگی بارونق اور شاداب رہتی ہے لیکن یہ تخریبی سمت اختیار کر جائے تو زندگی کا عمل پھر بھی جاری رہتا ہے کہ جمود بہر حال کائنات کا مزاج ہی نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں زندگی مر مر کے جیتی ہے۔ اس کی تب و تاب اور رونق باقی نہیں رہتی۔

سال گزشتہ کئی حوالوں سے رنج و الم کا سال تھا۔ ہم مزید پیچھے دھکیل دیے گئے۔ جو کچھ ہوا، وہ توقعات کے برعکس ثابت ہوا۔ امیدوں کے جو محل تعمیر کیے تھے۔ وہ ریت کے نکلے۔ ناامیدی کی کیفیت میں گھرے روز و شب گزرتے رہے۔

اب نیا سال ہمارے سواگت کو کھڑا ہے ہمیں سب کچھ بھلا کر نئی امیدوں، نئے خوابوں کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ کوشش کرنی ہے کہ جو غلطیاں ہم سے ماضی میں سرزد ہوئیں۔ ان کا اعادہ نہ کریں۔ انہیں سدھارنے کی کوشش کریں۔ اجتماعی سطح پر کی جانے والی غلطیوں کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں اور ان کا خمیازہ تادیر بھگتنا پڑتا ہے۔

قارئین کو نیا سال مبارک

رب کریم آپ کو، ہم سب کو ارض و سما کی تمام آفات سے محفوظ رکھے۔ اور صحت و خوش حالی کے ساتھ زندگی کی تمام نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

اس شمارے میں

☆ مریم عزیز کا مکمل ناول..... راہ گزر کی مسافتیں
☆ حسنہ حسین کا مکمل ناول..... عسر یسرا
☆ جبیں چیمہ کا مکمل ناول..... نصیب کی بارشیں
☆ فریدہ سیفی کا ناولٹ ☆ تنزیلہ ریاض اور امتہ العزیز کے ناول
☆ حمیرا شفیع، راشدہ رفعت، صائمہ نور اور مریم انصاری کے افسانے
☆ نئے خواب، نئے امیدیں، سال نو پر قارئین سے خصوصی سروے
☆ ڈراما نگار اور مصنفہ ثمینہ طاہر بٹ اور طاہر محمود بٹ کا بندھن
☆ پیارے نبی کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں

نئے سال کا پہلا شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں ضرور بتائیں۔ آپ کی رائے ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

www.pklibrary.com

حمد باری تعالیٰ

طائرانِ خوش نوا ہیں گیت گانے کے لیے
پھول پیدا کر دیے ہیں مسکرانے کے لیے

ہر جگہ فرماں روائی ہے خدائے پاک کی
ہیں سلاطینِ زمانہ سر جھکانے کے لیے

روشنی کے واسطے پیدا کیے شمس و قمر
آسماں پر ہیں کواکب جھلملانے کے لیے

کر دیا احسان ہم پر ربِّ کائنات نے
انؐ کو بھیجا عاصیوں کو بخشوانے کے لیے

ہمسر و ہمتا نہیں ہے عالمِ امکان میں
ایک تو ہی تو خدا ہے سب زمانے کے لیے

مہربانی ہے تری ہم پر خدائے ذوالجلال
مل گیا ہم کو ترا در سر جھکانے کے لیے

بادلوں کو وہ سمندر سے اٹھاتا ہے قمرؔ
مینہ برساتا ہے پھر فصلیں اگانے کے لیے

ریاض حسین قمرؔ

نعت رسول مقبولؐ

ہر شکل میں اُن کے ہی انوار نظر آئے
ہم نے تو جدھر دیکھا سرکار نظر آئے

نیند آئے تصور میں اور جاگ اُٹھے قسمت
میں سب سے کہوں مجھ کو سرکار نظر آئے

کیا شان نرالی ہے دربارِ محمدؐ کی
اُس در کے سب ہی منگتے سردار نظر آئے

جس راہوں کو نسبت ہے سرکار کے قدموں سے
اُن راہوں کے سب ذرّے گلزار نظر آئے

ابوبکرؓ و عمرؓ پیارے، عثمانؓ و علیؓ پیارے
ہر اک سے جُدا گانہ یہ چار نظر آئے

جو کاسۂ دل لے کر پھرتے ہیں مدینے میں
اُن منگتوں میں یہ منگتا ہر بار نظر آئے

ہر سال ہی جاتے ہیں زوّارِ حرم جتنے
اُن لوگوں میں زاہدؔ بھی سرکار نظر آئے

زاہد قاسمی

www.pklibrary.com

ادارہ

دینِ اسلام کی تعلیمات

صدقہ دے کر واپس لینا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے صدقے سے رجوع نہ کرو۔'' یعنی کسی کو صدقہ دے کر واپس نہ لو۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص صدقہ دے کر اپنا صدقہ واپس لے لیتا ہے، اس کی مثال کتے کی سی ہے جو قے کرتا ہے، پھر پلٹ کر اپنی قے کھالیتا ہے۔''

فوائد و مسائل:

(1) صدقہ کرنا بہت بڑی نیکی ہے اور صدقہ کر کے واپس لینا اسے کالعدم کرنے کے مترادف ہے، اور اپنی نیکی ضائع کرنا بہت بری بات ہے۔

(2) کتے سے تشبیہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت برا کام ہے اس لیے اس سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔

اپنا صدقہ مت خریدو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک گھوڑا صدقہ کیا۔ پھر (بعد میں) انہوں نے دیکھا کہ اس کا مالک (جسے وہ گھوڑا صدقہ کے طور پر دیا گیا تھا) اسے کم قیمت پر بیچ رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنا صدقہ مت خریدو۔'' (بخاری)

فوائد و مسائل:

(1) خریدنا اگرچہ واپس لینا نہیں ہے لیکن اس سے ظاہری طور پر مشابہت ہے، اس لیے اس سے بھی منع کر دیا گیا تاکہ یہ صدقہ واپس لینے کا ایک حیلہ نہ بن جائے۔

(2) صدقہ کی ہوئی چیز واپس خریدنے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دل اس میں اٹکا ہوا ہے۔ یہ مناسب نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جو کچھ دے دیا، دے دیا، اب دوبارہ حصول کی خواہش کیوں کی جائے۔

(3) صدقہ کی ہوئی چیز جب سستی مل رہی ہو تو جتنی رقم کم خرچ کی، گویا اتنی رقم صدقہ دے کر اپنی چیز واپس لے لی، اس لیے یہ جائز نہیں۔

صدقہ میں دی ہوئی چیز وراثت میں مل جائے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''میں نے اپنی والدہ کو اپنا ایک باغ دے دیا تھا۔ (اب) وہ فوت ہوگئی ہیں، اور میرے علاوہ کوئی وارث چھوڑ کر نہیں گئیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا صدقہ درست ہوگیا، اور تیرا باغ تیری ملکیت میں واپس آ گیا۔''

فوائد و مسائل:

(1) ماں باپ کو صدقہ دیا جاسکتا ہے۔

(2) ماں باپ کو صدقے میں دی ہوئی چیز اگر ترکہ بن کر صدقہ کرنے والے کو مل جائے تو یہ صدقہ واپس لینے میں شامل نہیں کیونکہ وفات اور استحقاق میراث میں انسان کے ارادہ و کوشش کو دخل نہیں۔

(3) مندرجہ بالا صورت میں صدقے کا ثواب ختم نہیں ہوگا۔

وقف کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت

www.pklibrary.com

ہے، انہوں نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ طلب کرتے ہوئے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایسا مال ملا ہے کہ میری نظر میں اس سے عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا تو آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو اصل زمین اپنے پاس رکھو اور اس (کی پیداوار) کو صدقہ کردو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا اور یہ (شرط لگادی) کہ اصل زمین نہ بیچی جائے گی نہ (کسی کو) ہبہ کی جائے گی اور نہ (کسی کو) وراثت کے طور پر دی جائے گی۔

آپ نے وہ زمین غریبوں کے لیے، رشتہ داروں کے لیے، اللہ کی راہ میں، مسافروں اور مہمانوں کے لیے صدقہ کردی۔

جو اس کا انتظام کرے اس پر گناہ نہیں کہ اس میں سے مناسب حد تک کھائے یا دوست کو کھلائے لیکن اس سے مال نہ کمائے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل:

(1) وقف شرعاً درست ہے۔

(2) وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، البتہ وقف کرنے والا اس کا انتظام خود کرنے کا حق رکھتا ہے۔

(3) وقف سے حاصل ہونے والی آمدنی میں سے وقف قائم رکھنے کے ضروری اخراجات نکال کر باقی مال نیکی کے ان کاموں میں خرچ ہوگا جن کے لیے وقف کیا گیا ہے۔

(4) وقف کا منتظم اپنی خدمات کے عوض مناسب تنخواہ لے سکتا ہے لیکن یہ تنخواہ بہت زیادہ نہ ہو۔

(5) مال نہ کمانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے لیے ذریعہ آمدنی نہ بنالے اور جائز حد سے زیادہ مالی فوائد حاصل نہ کرے۔

وقتی طور پر (عاریتاً) چیز مانگ لینا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے۔ ''عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور دودھ کے لیے لیا ہوا جانور واپس کیا جائے۔'' (ترمذی)

فوائد و مسائل:

(1) ''عاریتاً'' سے مراد یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس غرض سے لی جائے کہ استعمال کے بعد بعینہ واپس کردی جائے گی۔

(2) منحہ سے مراد وہ دودھ والا جانور ہے جو کسی کو اس شرط پر دیا جائے کہ جب وہ دودھ دینا بند کردے تو اسے واپس کردیا جائے گا۔ اس دوران میں منحہ لینے والا اس کا دودھ استعمال کرتا رہے کیونکہ یہ بھی ایک لحاظ سے عاریتاً ہی ہے۔

(3) عاریتاً لینے والے کا فرض ہے کہ اس چیز کو اس انداز سے استعمال کرے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے تاکہ واپسی پر مالک اس سے اسی طرح فائدہ حاصل کرسکے جس طرح پہلے فائدہ حاصل کرتا تھا۔

امانت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے پاس امانت رکھی گئی ہو (اور وہ اتفاقاً ضائع ہوجائے) تو اس پر تاوان نہیں ہوگا۔''

فوائد و مسائل:

(1) کسی کو جو چیز حفاظت کے لیے دی جاتی ہے اسے ودیعہ کہتے ہیں۔

(2) کسی کی امانت کی حفاظت کرنا اور جان بوجھ کر اس میں خیانت نہ کرنا مومنوں کی صفت ہے۔

(3) اگر امانت سنبھالنے والے کی غفلت کی وجہ سے چیز ضائع ہوجائے تو اس کا بدل ادا کرنا چاہیے اور اگر اس کے ضائع ہونے میں اس کی غفلت

www.pklibrary.com

کا دخل نہ ہو تو وہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(4) مذکورہ روایت کو بعض محققین نے حسن قرار دیا ہے۔

امانت کی رقم سے تجارت کرنا

حضرت عروہ بن ابو جعد بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بکری خریدنے کے لیے ایک دینار دیا۔ اس نے دو بکریاں خرید لیں، پھر ایک بکری ایک دینار کی بیچ دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دینار بھی پیش کر دیا اور بکری بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔

راوی کہتے ہیں (اس کے بعد ان کی یہ حالت تھی کہ) اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی انہیں نفع مل جاتا۔

حضرت عروہ بن ابو جعد بارقی رضی اللہ عنہ سے ''دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں، انہوں نے فرمایا: باہر سے مال تجارت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دینار دیا۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان فرمایا۔''

فوائد و مسائل:

(1) کسی کی طرف سے کوئی چیز خریدنا یا بیچنا درست ہے۔ اسے ''وکالت'' کہتے ہیں۔ اور جو دوسرے کا نمائندہ بن کر کوئی چیز خریدتا یا بیچتا ہے اسے ''وکیل'' کہتے ہیں۔

(2) امانت کی رقم ذاتی استعمال میں لانا درست ہے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ مالک کے طلب کرنے پر رقم فوراً ادا کی جا سکے گی۔

(3) جب کوئی شخص کسی کام میں تعاون کرے تو اس کو دعا دینا اور اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(4) اگر امانت کی رقم سے تجارت میں نقصان ہو جائے تو وہ تجارت کرنے والے کا نقصان ہوگا، امانت پوری ادا کرنی پڑے گی، اسی طرح اگر نفع ہو تو وہ بھی تجارت کرنے والے کا ہے، وہ اپنی مرضی سے بطور ہدیہ رقم کے مالک کو کچھ رقم پیش کر دے تو اسے قبول کرنا جائز ہے۔

قرض خواہ کو کسی اور سے رقم وصول کرنے کا کہنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دولت والے کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور تم میں سے کسی کو جب مال دار آدمی کا حوالہ دیا جائے تو اسے چاہیے کہ حوالہ قبول کر لے۔'' (بخاری)

فوائد و مسائل:

(1) ''دولت والے'' سے مراد وہ مقروض ہے جس کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے رقم یا کوئی اور چیز موجود ہے اگرچہ عرف عام کے مطابق وہ غریب ہی شمار ہوتا ہو۔

(2) جب قرض ادا کرنے کی استطاعت ہو تو قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے، سوائے اس کے کہ پہلے سے قرض کی ادائیگی کے لیے ایک خاص مدت کا تعین ہوا ہو اور یہ مہلت ابھی باقی ہو، اس صورت میں بھی مقررہ وقت سے پہلے ادا کرنا افضل ہے۔ ٹال مٹول کا مطلب ادائیگی کی طاقت ہونے کے باوجود مزید مہلت طلب کرنا ہے اور یہ ظلم ہے۔

(3) حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ مقروض قرض خواہ سے کہے ''فلاں آدمی کے پاس جاؤ وہ تمہیں رقم ادا کر دے گا۔'' جس کے پاس جانے کو کہا گیا ہے اگر وہ صاحب استطاعت ہے اور امید ہے کہ ادا کر دے گا تو قرض خواہ کو اس سے رابطہ کرنا چاہیے، اگر وہ ادائیگی سے انکار کرے تو دوبارہ اصل مقروض سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

(4) جس کے پاس جانے کا کہا گیا ہے، اگر وہ ادائیگی سے انکار کرے تو دوبارہ اصل مقروض ادا کرنے کے قابل معلوم ہوتا ہو تو قرض خواہ مقروض کی بات ماننے سے انکار کر سکتا ہے، اور اس سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ تم خود اس سے یا کسی اور سے وصول کر کے

www.pklibrary.com

"تم لوگ اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو (میں نہیں پڑھوں گا) اس پر قرض ہے۔"

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اس کی ذمے داری اٹھاتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(ذمہ داری) پوری کرو گے؟"

انہوں نے کہا: "پوری کروں گا۔"

اور اس کا قرض اٹھارہ یا انیس درہم تھا۔ (ترمذی)

فوائد و مسائل:

(1) امام کے لیے جائز ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مرتکب کا جنازہ پڑھنے سے انکار کردے تاکہ دوسروں کو تنبیہ ہو لیکن موجودہ حالات میں یہ کام کسی بڑے عالم ہی کو کرنا چاہیے جس کا عوام پر اثر ہو۔ عام آئمہ، مساجد کی یہ پوزیشن نہیں کہ ان کی نماز جنازہ ادا نہ کرنے سے عوام اثر قبول کریں بلکہ منفی اثرات زیادہ ہونے کا امکان ہے، تاہم دوسرے مناسب طریقے سے تنبیہ ضرور کردیں۔

(2) کبیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی بلا جنازہ دفن نہیں کرنا چاہیے۔

(3) میت کی طرف سے ادائیگی کی ذمہ داری اٹھالینا درست ہے بلکہ یہ اس پر اور اس کے لواحقین پر احسان ہے۔

جو شخص قرض لے اور اس کا ارادہ ادا کرنے کا ہو

حضرت عمران بن حذیفہ رحمتہ اللہ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قرض لیا کرتی تھیں۔ ان کے گھر کے کسی فرد نے اس کو نامناسب سمجھتے ہوئے عرض کیا:

"آپ ایسا نہ کیا کریں۔"

انہوں نے فرمایا: "کیوں نہ لوں؟ میں نے اپنے نبی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا ہے۔

"جو مسلمان قرض لیتا ہے اور اللہ کو اس کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ وہ اسے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض دنیا ہی میں اتار دیتا ہے۔" (نسائی)

فوائد و مسائل:

(1) ضرورت کے وقت قرض لینا جائز ہے، تاہم اجتناب بہتر ہے۔

(2) قرض لیتے وقت یہ نیت ہونی چاہیے کہ اسے جلد از جلد ادا کیا جائے گا۔

(3) ایسی نیت رکھنے والوں کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور وہ آسانی کے ساتھ قرض ادا کردیتے ہیں بشرطیکہ وہ ادائیگی کے لیے مخلصانہ کوشش کریں اور اس میں کوتاہی نہ کریں۔

(4) اللہ تعالیٰ کے ہاں حسن نیت کی بہت اہمیت ہے۔

(5) اگر کوئی شخص قرض ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا تو وارثوں کا فرض ہے کہ قرض ادا کریں، اگر ادائی نہ کی گئی تو قیامت کو نیکیوں کی صورت میں ادائیگی کرنی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ ساتھ ہے

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ قرض لینے والے کے ساتھ ہوتا ہے حتی کہ وہ قرض ادا کردے، جبکہ (قرض) اس کام کے لیے نہ ہو جو اللہ کو ناپسند ہے۔"

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنے خازن سے کہا کرتے تھے: جاؤ! میرے لیے قرض لے آؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سننے کے بعد میں پسند نہیں کرتا کہ میں کوئی رات (اس طرح) گزاروں کہ اللہ میرے ساتھ نہ ہو۔ (حاکم)

فوائد و مسائل:

(1) ادائیگی کی نیت رکھتے ہوئے قرض لینا جائز ہے۔

www.pklibrary.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ش۔ص

مجھے اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میرے خط کے جواب میں آپ نے شعاع میں ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ مجھے صحیح معنوں میں احساس ہوا ہے کہ یہ واقعی ہمارا اپنا رسالہ ہے۔ ویسے اس سلسلے میں میرے جوابات شائع ہونا میرا پہلا حق ہے۔ اللہ آپ کو اجر عظیم دے۔

س ''شادی کب ہوئی؟''

ج ''شادی 17 اپریل 2004ء میں ہوئی۔''

س ''شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دلچسپیاں تھیں؟''

ج ''شادی سے پہلے ہر لڑکی کی طرح میرے مشاغل بھی رسالے پڑھنا، ہر نئی مووی دیکھنا اور ہر فکر سے آزاد، لاپروار ہنا تھا۔''

س ''جیون ساتھی کے حوالے سے ذہن میں کوئی تصور تھا؟''

ج ''میں ساڑھے چودہ سال کی تھی۔ اسکول گئی ہوئی تھی واپس آئی تو پتا چلا، میری منگنی ہوگئی ہے۔ امی سے پوچھا تو امی نے کہا، باپ سے بات کرو۔ پپا سے کہا تو انہوں نے کہا۔ ابھی صرف منگنی ہوئی ہے ہم کون سا ابھی شادی کر رہے ہیں۔ بس ہر مشرقی لڑکی کی طرح والدین کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیا۔

چودہ سال کی لڑکی کے ذہن میں سوائے اپنی پڑھائی اور ٹیسٹ اور ٹیسٹ میں فیل ہونے کی صورت میں ٹیچر سے ڈانٹ کھانے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ ویسے ہر مشرقی لڑکی کی طرح میری بھی خواہش تھی کہ شوہر لونگ + کیئرنگ ہو۔''

س ''منگنی کتنا عرصہ رہی؟ منگنی کے دوران فون پر بات چیت یا ملاقات وغیرہ؟''

ج ''میری منگنی پانچ سال رہی اور شادی سے پہلے فون پر بات کا تو تصور بھی ہمارے خاندان میں ممنوع ہے۔''

س ''شادی سے پہلے سسرال والوں کے متعلق آپ کے ذہن میں کیا تصور تھا؟''

ج ''انسان جس کے ساتھ رہتا ہے، اس کے بارے میں ہی ٹھیک بتا سکتا ہے سسرال والے بڑے بڑے دعوے کرنے والے اور اچھے بن کے ہی آئے تھے کہ ہم اس لڑکی کو شہزادی بنا کر رکھیں گے اور کام بھی نہیں کروائیں گے۔ کام کے لیے کام والی رکھ کر دیں گے۔ ان باتوں سے انہوں نے میرے والدین کو شیشے میں اتار لیا۔''

س ''شادی کے لیے آپ کو اپنی تعلیم کی قربانی دینا پڑی یا کوئی اور؟''

ج ''نہیں، میں نے اپنی تعلیم مکمل کی تھی۔ بی اے کیا تھا ویسے ایک بات بتاؤں، جب میری شادی ہوئی میں انیس اور میرے شوہر کی عمر بیس سال تھی۔''

س ''شادی کے دوران رسموں یا لین دین کے معاملے پر کوئی بدمزگی ہوئی؟''

ج ''شادی کی ساری رسوم بخیر و خوبی انجام پائی تھیں ویسے بھی ہمارے یہاں شادیوں میں اتنی رسوم ہوتی ہی نہیں کہ بدمزگی کا امکان ہو۔''

س ''شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟''

ج ''شوہر نے ہر روایتی مرد کی طرح اپنے والدین کی خدمت اور اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے کا ہی کہا تھا اور تو کچھ خاص نہیں کہا تھا۔''

س ''شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟''

ج ''شادی کے بعد تبدیلیاں اف کیا بتاؤں ایک ایسا ماحول دیکھا جس کی میں عادی ہی نہیں تھی۔ صبح سویرے اذان کے ساتھ ہی اٹھنا۔ مجھے ویسے کے اگلے روز ہی جیٹھ نے آرڈر دیا کہ صبح اذان کے ساتھ ہی کمرے سے باہر ہونا۔ چلو، میں جو بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی، ایک دم لگا جیسے قید میں آ گئی ہوں۔''

س ''شادی کے بعد کام کاج کب سنبھالا؟''

ج ''شادی کے اگلے روز میں نے صبح اٹھ کر پورے برآمدے میں وائپر لگایا تھا اور دو تین روز بعد (چونکہ اپریل میں گندم کی کٹائی ہوتی ہے تو سب وہاں چلے گئے تھے) میں

www.pklibrary.com

نے پچیس یا تیس روٹیاں بنائی تھیں۔"

س "کیا میکے اور سسرال کے کھانے پکانے کے انداز اور ذائقے مختلف محسوس ہوئے تھے؟"

ج "ہر خاندان کے کھانے کے طریقے اور ذائقے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہمارے سسرال میں تو اسموکی فلیور فوڈ پکتے تھے۔ جی آپ ٹھیک سمجھے لکڑیاں جلا کر کھانا پکایا جاتا تھا۔ جبکہ ہمارے میکے میں سلنڈر استعمال ہوتا تھا۔ جس کا سسرال میں تصور بھی محال تھا۔ اور جس دن بارش ہوتی تھی۔ اس دن تو رو رو کر آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں دھوئیں سے۔ کیونکہ گیلی لکڑی کو تو آگ بھی نہیں لگتی۔"

س "سسرال کا ماحول آپ کے گھر کے ماحول سے کتنا مختلف تھا؟"

ج "سسرال کا ماحول عجیب سا تھا۔ یہاں پر ہماری ساس کی حکمرانی تھی اور سر صفر..... گالی دینا عام رواج۔ ہر بات کے ساتھ گالی کا تڑکا۔ ہمارے ماں باپ تک کو گالی دے دینا جو کہ برداشت کرنا بہت مشکل ہے اور اوپر سے منہ پھٹ نندیں۔ ویسے میرا ذاتی تجربہ ہے جس گھر میں کنواری نند ہو، وہ گھر جہنم سے بدتر ہوتا ہے۔"

س "کیا سسرال میں آپ کو وہ مقام ملا جو آپ کا حق تھا؟"

ج "سسرال میں مجھے ہمیشہ الٹے سیدھے ناموں سے پکارا گیا ہے۔ جیسے بے ایمان، گھنی، میسنی اور سسرال میں مر بھی جاؤ تب بھی کوئی تعریف نہیں کرتا۔ ان گیارہ سالوں میں، میں نے اپنے لیے ایک بھی تعریفی جملہ نہیں سنا، ہاں تنقید ڈھیر ڈھیر، اوپر سے جیٹھ کا اپنی بہنوں کو شہ دینا کہ یہ تو دو لفظوں کی مار ہے اور باہر کی ہے۔ یہ ان کا گھر نہیں ہے، ہماری ماں اور تم بہنوں کا گھر ہے۔ یقین جانیے اس گھٹے ماحول میں میرا شوہر ہی ایک آکسیجن ہے ورنہ میں کب کی خودکشی کر چکی ہوتی۔"

س "سسرال میں آپ کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے؟"

ج "آپ کے اس سوال پر ہنسا جائے یا رویا، انہوں نے مجھے کچھ نہیں سمجھا۔ تو رائے کی اہمیت تو بہت دور کی بات ہے۔ ایک دن میری ساس نند اور جیٹھانی صبح صبح تیار ہو کر گھر سے نکلیں۔ مجھے بتایا بھی نہیں میں حیران کہ ساس تو کبھی کہیں نہیں جاتیں، یہ کہاں گئی ہیں آج۔ کچھ گھنٹوں بعد جب وہ سامان سمیت لدی پھندی آئیں تب مجھے پتا چلا کہ اچھا میری نند کی شادی کی تیاری ہے، آپ یقین کریں۔ پندرہ دن شاپنگ ہوتی رہی۔ مجھے نہ کسی نے بتایا نہ دکھایا۔ ہمارے یہاں گاؤں میں جہیز دکھایا جاتا ہے جب لوگوں نے جہیز دیکھا۔ اسی دن میں نے دیکھا اور اس پر بھی اتنی باتیں سنیں اپنے جیٹھ کی کہ کیسی مہارانی بنی جہیز دیکھ رہی تھی اگر لوگ نہ ہوتے تو میں اس کتی کی بچی کو چوٹی سے پکڑ کر اندر کمرے میں دھکیل دیتا۔ آپ خود سوچیں، اس گالی گلوچ والے ماحول میں کوئی اپنے بچے کی کیسے تربیت کرے۔

میری تو کوئی بھی توقع پوری نہیں ہوئی، انہوں نے کبھی مجھے بلایا نہیں، کبھی ساتھ بٹھایا نہیں۔ میری ساس باقاعدہ میری نقلیں اتارتی ہیں۔ نندیں آتے جاتے طعنے دیتی ہیں اور ہر وقت یہی باتیں کہ ان کی امی نے یہ نہیں دیا، فلاں موقع پر وہ نہیں دیا۔ بچے یہ سب دیکھتے ہیں تو وہ بھی یہی باتیں کرتے ہیں۔"

س "بچے کی پیدائش پر کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑا؟"

ج "مجھے تو ہر روز ہی ایک نئی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بچے کی پیدائش کی کیا بات کروں۔ اس ماحول کو دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے اور میں سوچتی ہوں میں اس تعلیم کا کیا کروں۔"

س "جوائنٹ فیملی سسٹم سے اتفاق کرتی ہیں یا علیحدہ رہنا پسند ہے؟"

ج "ابھی تک ہم اکٹھے ہی رہ رہے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے، جب بچے بڑے ہونے لگیں تو علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ ہمیں یہ خوش قسمتی پتا نہیں کب نصیب ہوگی۔

ہمارے گھر میں نندیں بچوں کی تربیت کرتی ہیں کہ نانی کو مارنا چاہیے اور دادی کی خدمت کرنی چاہیے۔ تو میرا دل چاہتا ہے کہ کہوں اپنے بچوں کو کیا کہوں گی۔ ہماری نندیں فرض نماز کی طرح صبح سات بجے آتی ہیں اور عصر کے بعد جاتی ہیں۔ گھر پر ساس اور کنواری نند کا کنٹرول اور بہو کو کچھ نہ سمجھنا، ایسے موقع پر میں کچھ بھی کر لیتی، کچھ صحیح نہ ہوتا کیونکہ یہ اس برے ماحول میں بری طرح رچے بسے ہیں۔"

www.pklibrary.com

بندھن

ثمینہ طاہر بٹ ہمراہ طاہر محمود بٹ

شاہین رشید

ثمینہ طاہر بٹ افسانہ و ناول نگار اور اب ڈرامہ نگار بھی ہیں۔ ان کا تحریر کردہ ڈرامہ سیریل ''ٹیڑھا آنگن'' ناظرین میں کافی مقبول ہوا تھا۔ خوب صورت خدوخال کے ساتھ خوب صورت لب و لہجہ والی یہ شخصیت ہمارے سلسلے ''بندھن'' کی مہمان ہیں۔

''کیسی ہیں ثمینہ صاحبہ؟''

''الحمدللہ..... بالکل ٹھیک۔''

''پہلے تو یہ بتائیں کہ شادی کو کتنے سال ہو گئے؟ — اپنوں میں ہوئی یا غیروں میں؟''

''جی، میری شادی کو اکتیس سال ہو گئے ہیں میرے میاں صاحب کا نام ''طاہر محمود بٹ'' ہے۔ شروع دن سے آج تک ہمارے تعلقات بہت اچھے ہیں..... انڈر اسٹینڈنگ میاں صاحب کی طرف سے تو بہت اچھی ہے..... اور میری سائیڈ سے یہ ہے کہ آپ کو پتا ہی ہے کہ ہم لکھاری لوگوں کا اوپر والا حصہ تو خالی ہی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی میری طرف سے تھوڑی زیادتی ہو جاتی ہے۔ میری شادی غیروں میں ہوئی ہے، جب شادی طے پائی تو میرے بی اے فائنل کے پیپرز ہونے والے تھے۔ وہ پیپرز میں نے شادی کے بعد دیے تھے..... میرے ماشاءاللہ سے تین بچے ہیں۔'' ''مختصراً اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے؟''

''میرا پورا نام ثمینہ طاہر بٹ ہے۔ میں لاہور میں پیدا ہوئی، تعلیم و تربیت لاہور میں ہی ہوئی..... اور شادی بھی لاہور میں ہی ہوئی۔ میٹرک تک کوایجوکیشن میں تعلیم حاصل کی۔ بی اے کی ڈگری لی، ہم دو بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ ہم دونوں بہنیں آگے پیچھے کی ہیں یعنی میں بڑی ہوں پھر بہن پھر تین بھائی، والدین نے بہت لاڈ پیار میں ہم سب کی پرورش کی۔ خاندان میں یہ بات مشہور ہے کہ مقصود بٹ صاحب نے اپنے بچوں کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا.....

www.pklibrary.com

میرے والد محترم (مرحوم) بیٹوں سے زیادہ اپنی بیٹیوں سے محبت کرتے تھے۔ میرے والد کو میری بہن سے بہت زیادہ پیار تھا۔ باپ بیٹی میں ایک دوسرے کی جان تھی اور گھر کا سردار "بچہ" میری بہن ہے۔ میں بڑی ہوں مگر ماں کا رول وہ ادا کرتی ہے، اس کی شادی بھی جلد ہوگئی تھی۔ میری بعد میں ہوئی تھی۔ تو وہ نہ صرف امی کا بہت خیال رکھتی ہے بلکہ ہم سب کے لیے بھی ہماری ماں کی طرح ہے۔ وہ اس وقت امریکہ میں ہے۔

میرا ایک بھائی لندن میں ہے جبکہ دو بھائی پاکستان میں ہیں۔ امی ان ہی کے ساتھ رہتی ہیں۔ ابو کے انتقال کو سولہ سال ہوگئے ہیں۔ میری ہر خوشی میں دو لوگ بہت خوش ہوتے ہیں ایک میری بہن اور دوسرے میرے میاں صاحب، جب میرا ڈرامہ آن ایئر آیا تو اس نے امریکہ میں سب کو دعوت دی کہ میری بہن کا ڈرامہ ہے، اب اسے میری کتاب کا انتظار ہے کہ کب شائع ہوگی۔ بہن بھائیوں کے معاملے میں میں بہت خوش قسمت ہوں۔

میاں کی فیملی کے بارے میں آپ کو بتاؤں کہ میرے سسرال میں میرے میاں صاحب کا نمبر دوسرا ہے میری چھ نندیں اور پانچ دیور ہیں۔ ایک نند بڑی ہیں والدین (ساس سسر) کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں ایک چھوٹی فیملی سے بڑی فیملی میں آئی تھی۔ جب میری شادی ہوئی تو میری چھوٹی بہن کی شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے۔ تو ایک بھرے گھر میں آئی ماشاء اللہ سے میرے سسر بہت شفیق اور بہت اچھے انسان تھے، اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ انہوں نے کبھی بیٹیوں اور بہوؤں میں فرق نہیں رکھا تھا۔ وہ الفاظ سے اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ عمل کر کے دکھاتے تھے۔

میری ساس بھی بہت اچھی تھیں۔ وہ ایک "دبنگ" قسم کی خاتون تھیں۔ پوری فیملی میں ان کا ہولڈ تھا۔ وہ بہت محنتی خاتون، نفیس اور سلیقہ مند خاتون تھیں۔ اور میری امی بھی ایسی ہی تھیں صاف ستھری سلیقہ مند۔ اگرچہ ہمارے گھر میں (میکے میں) تین چار ملازم تھے۔ مگر پھر بھی وہ خود کام میں لگی رہتی تھیں۔ میں جب سسرال آئی تو چونکہ نندیں تھیں تو ملازم والا کوئی سین نہیں تھا۔ سب بہنیں مل جل کر کام کرتی تھیں۔

میاں صاحب گھر کے بڑے ہیں اور ان کی تعلیم "میٹرک" تک ہے ان پر بڑا ہونے کی وجہ سے ذمہ داریاں بہت تھیں تو پڑھائی آگے تک نہ کر سکے اور اپنے والد کے ساتھ بزنس میں آگئے۔ میرے سسر کی "نان" کی شاپ تھی، ابھی بھی ہے ساٹھ ستر سال سے ہے بہت مشہور ہے، اب اس شاپ پر میرا چھوٹا دیور بیٹھتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا لوہے کا بزنس بھی تھا۔ جس کو میرے میاں نے سنبھالا۔ پھر اپنا بزنس بھی شروع کیا۔ جب میں بیاہ کر آئی تو چار نندوں کی شادی ہو چکی تھی۔ دو نندوں اور پانچ دیوروں کی شادی میرے سامنے ہوئی ایک دیور کا انتقال ہو چکا ہے۔ سب میری بہت عزت کرتے ہیں۔ سب بہت اچھے ہیں۔"

"31 سال کے اس سفر میں کیا اتار چڑھاؤ آئے یا سب کچھ بہتر اور بہترین رہا؟ میاں صاحب کی عادات واطوار کیسی ہیں؟"

"جو بھی وقت گزرا، اچھا گزرا۔ زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی اور نہ ہی کانٹوں کا بستر۔ زندگی اتار چڑھاؤ کا نام ہے۔ ہماری زندگی میں بھی بہت اتار چڑھاؤ آئے، اچھا وقت بھی دیکھا اور برا وقت بھی خوشیاں بھی دیکھیں اور غم بھی۔ میں بڑی بہو بن کے آئی تھی اور چونکہ یہ گھر کے بڑے تھے تو ان پر ذمہ داریاں بھی زیادہ تھیں اس لیے یہ وقت سے پہلے میچور ہو چکے تھے۔ اپنی فیملی کے بہت قریب تھے۔ بہت احساس کرتے تھے سب کا۔ اور سب کو اپنے بچوں کی طرح سمجھا، خاص طور پر بھائیوں کو۔ کیونکہ بھائی پانچ بہنوں کے بعد ہوئے تھے۔ یعنی بڑی باجی (نند) تھیں پھر میاں صاحب..... پھر پانچ بہنیں پھر بھائی تو بہنوں اور بھائیوں کی شادیاں کیں۔ تین

www.pklibrary.com

منزل ہمارا گھر تھا تو جب سب نندیں ان کے بچے آتے تھے تو گھر میں خوب رونق ہو جاتی تھی.....

شادی کے بارے میں، میں نے آپ کو بتایا کہ غیروں میں ہوئی.....اور جو میری بڑی باجی (نند) ہیں، ان کے سسر میرے ابو کے دوست تھے۔ تو باجی کے دیور کی شادی میں، میں امی کے ساتھ گئی تھی۔ وہاں پر میری ساس اور میری نند نے مجھے دیکھا تھوڑے دن کے بعد یہ دونوں ہمارے گھر آئیں۔ تو چونکہ میرے پیپر ہونے والے تھے تو میں ٹیوشن جا رہی تھی۔ تو میری امی نے کہا۔

"غلام رسول بٹ صاحب کی بہو اور ان کی امی آئی ہیں تو ان سے آ کر مل لو۔

"میں گئی سلام کیا پانچ منٹ بیٹھی پھر ٹیوشن کا کہہ کر اٹھ گئی بس یہاں نصیب تھا تو میں امی کو (ساس) بہت پسند آ گئی رشتہ ڈالا اور اقرار کروا کے ہی گئیں۔

میاں صاحب عادتاً سنجیدہ ہیں۔ خیال بہت رکھتے ہیں۔ محبت بہت کرتے ہیں مگر غلط بات برداشت نہیں کرتے۔ شاید کیپری کورن ہیں اس وجہ سے۔

جب میری شادی ہوئی تو سب ان کے غصے سے ڈرتے تھے۔ میں بہت دھیمے مزاج کی تھی..... پڑھنے لکھنے کی طرف زیادہ رجحان تھا۔

زندگی میں مسائل نے جنم لیا مگر اللہ کا شکر ہے کہ ایسے مسائل تھے جو حل ہو گئے۔ ہمارے ماحول (میکے) اور ان کے ماحول میں بہت فرق تھا۔ یہاں لڑکیوں کو زیادہ پڑھانے کا رجحان نہیں تھا البتہ لڑکوں نے تعلیم حاصل کی۔ میرا ایک دیور سپریم کورٹ کا وکیل ہے اور اس کی مسز ہائی کورٹ کی وکیل ہے، باقی سب بی اے اور بی کام ہیں اور اسی طرح ہمارے میکے کا بہت پڑھا لکھا ماحول تھا۔ میاں صاحب نے بہت تعاون کیا میرے ساتھ سپورٹیو رہے میرے ساتھ بھی اور اپنی فیملی کے ساتھ بھی.....تو بہت اچھا وقت گزرا۔

الحمدللہ بڑی اچھی باؤنڈنگ رہی ہے سب کے ساتھ۔ انہوں نے باجی کی بڑی بیٹی کو اپنی بیٹی بنایا ہوا تھا۔ اب تو خیر سب نندوں دیوروں کی شادیاں ہو گئیں اور سب نانی دادیاں بن گئی ہیں۔"

"جوائنٹ فیملی میں کتنا عرصہ رہیں۔ گھومنا پھرنا رہا یا وقت گھر پر ہی گزرا؟"

"گھومنا پھرنا شادی سے پہلے ہی ہوا۔ کیونکہ میرے ابو کو ٹریولنگ کا شوق تھا تو ہم نے تقریباً پورا

www.pklibrary.com

پاکستان دیکھا ہوا ہے۔ ہم نے اپنی چھٹیاں گھر پر گزاری ہی نہیں تھیں۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہم مری میں گزارتے تھے، سسرال میں ایسا کوئی سلسلہ نہیں تھا میاں صاحب کو تو گھومنے پھرنے کا بالکل بھی شوق نہیں تھا تو شادی کے بعد میں کہیں نہیں گئی۔ سفر انہیں پسند ہی نہیں تھا۔ اور نہ اب ہے ..... جوائنٹ فیملی میں، میں تقریباً انیس سال رہی ہوں اور 2008ء میں میاں صاحب کو برین ٹیومر ڈائیگنوز ہوا تو پھر ان کی سرجری ہوئی یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ مختصراً یہ کہ بارہ سال سے ہم علیحدہ گھر میں رہ رہے ہیں جبکہ ہم انیس سال ایک ساتھ رہے۔"

"آپ نے کہا کہ ہمارے گھر کے ماحول اور سسرال کے ماحول میں بڑا فرق تھا..... تو ایڈجسٹ ہونے میں ٹائم لگا؟"

"جی بالکل مختلف تھا..... میری امی بہت کم بولتی تھیں اور ابھی بھی کم بولتی ہیں۔ جبکہ اللہ بخشے میری ساس بہت جولی طبیعت، بہت خوش مزاج خاتون تھیں۔ رونق لگائے رکھتی تھیں۔ نہ اداس ہوتی تھیں نہ ہونے دیتی تھیں۔

شروع شروع میں ایڈجسٹ ہونے میں مشکل ہوئی۔ امی (ساس) ٹھیٹ پنجابی بولتی تھیں تو کچھ باتیں تو میرے سر سے گزر جاتی تھیں۔ ہم اپنے گھر میں بھی پنجابی ہی بولتے تھے مگر یہاں کی پنجابی کچھ اسپیشل طرح کی تھی۔ تو کبھی جب سمجھ میں نہیں آتی تھی تو میری نند بشریٰ بتاتی تھی کہ امی یہ کہہ رہی ہیں۔ ایک دن کہنے لگیں کہ.....

"اے بیڑے چنگے نہیں لگدے پئے۔"

میں شکل دیکھ رہی ہوں کہ یہ "بیڑے" کیا ہوتے ہیں تو بشریٰ نے بتایا کہ بٹنوں کو بیڑے کہتے ہیں۔ مطلب یہ بٹن اچھے نہیں لگ رہے.....

امی (ساس) کھانے بہت اچھے بناتی تھیں میری ساری نندوں کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔ میری امی اور میری بہنوں کے ہاتھ میں بھی بہت ذائقہ ہے۔ لیکن مجھے تو "مصیبت" ہی پڑی رہتی تھی جب بھی کچھ پکانا ہوتا تھا۔ مجھے اس طرف کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی مگر پھر بھی جو کام نہیں آتے تھے وہ میں نے سیکھے..... اور ہر کام اپنی ساس کے ساتھ مل کر کیا۔ حتیٰ کہ کچن کا ڈرینج سسٹم خراب ہو جاتا تھا بند ہو جاتا تھا تو وہ بھی میں نے ان کے ساتھ کھلوایا کہ کوئی کھولنے والا ہوتا ہی نہیں تھا۔

شادی سے پہلے مجھے کوئی کام نہیں آتا تھا جو کچھ سیکھا شادی کے بعد ہی سیکھا۔

میں نے چائنیز کھانے بنانے تو سیکھے ہوئے تھے لیکن دیسی نہیں جبکہ سسرال میں سب دیسی کھانوں کے شوقین تھے۔ گول روٹی بھی سسرال میں آ کر پکانا سیکھی۔ ہمارے گھر میں سب دھیمی آواز میں بولتے تھے، سسرال میں اونچی آواز میں..... اور جب سب مل کر باتیں کرتے تھے تو میں گھبرا کر کمرے سے باہر آ جاتی تھی کہ کہیں لڑائی تو نہیں ہو رہی۔ مگر سب کو ہنستے بولتے دیکھ کر تسلی ہو جاتی تھی۔"

"میاں صاحب مزاج کے کیسے رہے؟ بڑی فیملی ہونے کی وجہ سے آپ کو ٹائم دے پاتے تھے کہ نہیں؟"

"شروع میں تو میاں صاحب غصے کے تیز تھے..... اب ایسا نہیں ہے۔ میرا مزاج بہت دھیما تھا۔ اب تھوڑا تھوڑا الٹ ہو گیا ہے میں اب ہائپر ہو جاتی ہوں۔ میاں صاحب بیماری کے باوجود بہت ایکٹو ہیں۔ ماشاء اللہ سارے باہر کے کام وہ ہی کرتے ہیں۔ میں اس معاملے میں بہت سست و نالائق ہوں۔ مجھے نہیں پتا ہوتا کہ بل کب آیا، کب

سرورق کی شخصیت

ماڈل ..... زینب علی
میک اپ ... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ..... موسیٰ رضا

www.pklibrary.com

بھرا، کتنا آیا اب یہ ذمہ داری میری بیٹی نے سنبھال لی ہے۔ وہ اپنے پاپا کے ساتھ لگی رہتی ہے..... اور جہاں تک مجھے ٹائم دینے کی بات ہے تو جیسا کہ میں نے بتایا کہ بزنس میں مصروف رہتے تھے اور آٹھ دن کے بعد گھر آتے تھے یعنی اتوار کو آتے تھے اور پیر کی صبح چلے جاتے تھے تو ظاہر ہے کہ ایک بندہ آٹھ دن کے بعد آیا ہے تو اس نے گھر والوں کو بھی ٹائم دینا ہے اور بیوی کو بھی، بچے کو بھی۔

تو ہوتا یہ تھا کہ سب کے حصے میں ٹائم زیادہ آتا تھا اور میرے حصے میں کم آتا تھا۔ مگر میں کبھی اس چیز کو ایشو نہیں بناتی تھی۔ باقی کبھی انہوں نے میری حق تلفی نہیں کی۔ نہ خرچ کی طرف سے نہ ہی ویسے..... گھر کا سارا بجٹ امی ہی بناتی تھیں مجھے تو میری پاکٹ منی ملتی تھی..... اتوار کے اتوار مجھے پاکٹ منی ملتی تھی جو میں پیر کے دن امی کے ساتھ جا کر ساری خرچ کر دیتی تھی۔ گھر کی چیزیں لے آتی تھی۔ کبھی دیوروں کے لیے۔ کبھی نندوں کے لیے۔ کبھی فروٹ لے آنا..... امی اکثر ناراض ہوتی تھیں کہ کچھ بچا بھی لیا کر مگر نہیں.....''

''منگنی کتنا عرصہ رہی..... اور کبھی بات ہوئی۔ کوئی خاص واقعہ یاد ہو تو بتائیں؟''

''منگنی ڈیڑھ سال رہی۔ پی ٹی سی ایل کا زمانہ تھا۔ موبائل آیا نہیں تھا تو کبھی فون پر بات نہیں ہوتی تھی۔ کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ ان کی بہنیں جب آتی تھیں تو اپنے بھائی کی ہی باتیں کرتی تھیں۔ ایک دن میری وہ نند جس کی شادی میری شادی کے ساتھ ہوئی تھی اور دوسری نند آئیں اور کہنے لگیں کہ بھائی جان غصے کے بہت تیز ہیں۔ بھائی جان یہ کرتے ہیں بھائی جان وہ کرتے ہیں۔ اتنا ڈرایا کہ مجھے بخار چڑھ گیا اتنا تیز 104 تک۔ ڈاکٹر کے پاس گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ لگتا ہے انہوں نے کوئی ٹینشن لے لی ہے۔ سب پوچھ رہے ہیں، اچانک ہوا کیا ہے۔ مگر میرے دماغ میں تو بھائی جان بیٹھے ہوئے تھے۔ کانپے جا رہی ہوں۔

تب میں نے اپنی بہن کو ساری بات بتائی تو وہ بہت ہنسی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں تمہاری نندیں ڈرا رہی تھیں۔ اور غصے والے ہوئے بھی تو ٹھیک ہو جائیں گے۔ بس پھر میرا خوب ریکارڈ لگا۔

ایک دن یہ اپنی امی کو ہمارے گھر چھوڑنے آئے تھے تو میری بھابھی نے کہا کہ آ جاؤ طاہر، میں تمہیں تمہاری منگیتر دکھاتی ہوں۔ مگر انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور یہ جا وہ جا۔ انہیں کوئی شوق نہیں تھا۔ تو بس شادی کی رات ہی ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔''

''31 سال پہلے والی شادی اور اب کی شادی میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟''

''31 سال پہلے والی شادی اور اب کی شادی میں تو زمین و آسمان کا فرق آ گیا ہے، مایوں مہندی تو اس وقت بھی تھیں مگر آج کے زمانے کی طرح نہیں..... آج کل تو مہینہ مہینہ فنکشن ہوتے رہتے ہیں۔

پہلے تو مہندی ہوئی، مایوں ہوئی۔ مایوں کا جوڑا میکے کا تھا سیدھا سادا شلوار قمیص..... مہندی کا جوڑا بھی میکے کا ہی تھا اور جس دن مہندی تھی اسی دن نکاح ہوا تھا۔ اب تو مایوں، مہندی کے جوڑے بھی سسرال سے آتے ہیں۔'' اب تو برائیڈل شاور..... ڈھولکی، قوالی نائیٹ مشاعرے وغیرہ ہوتے ہیں۔ 8 نومبر کو نکاح ہوا تھا۔ نکاح کے بعد مہندی لے کر آئے تھے۔ اسی جوڑے میں نکاح بھی ہو گیا اور مہندی بھی.....

اب میں اپنی بیٹی کو اس زمانے کی باتیں بتاتی ہوں تو وہ بہت حیران ہوتی ہے۔ برات میں میرا گرین رنگ کا لہنگا تھا جو امی نے ڈیزائن کیا تھا اور میری امی نے ہی پسند کیا تھا۔ بہت خوب صورت جوڑا تھا اور تیار میں گلبرگ میں واقع بیوٹی پارلر سے ہوئی۔ اس زمانے میں بہت کم لڑکیاں پارلر سے تیار ہوتی تھیں۔

ولیمے کا بھی لہنگا ہی تھا فیروزی رنگ کا تھا..... اور میں گھر پر ہی تیار ہوئی تھی۔ بارات گھر آئی تھی۔

www.pklibrary.com

گھر سے ہی رخصتی ہوئی تھی۔ ولیمے کا فنکشن گھر کے پاس ایک گارڈن تھا وہاں ہوا تھا..... اور میری رخصتی کے بعد میری دوستوں نے مجھے بتایا کہ.....

تمہاری رخصتی پر تمہارے بہن بھائی، تمہارے تایا تائی، تمہارے ماموں تمہارے امی ابو..... غرض کہ ایک ایک فرد ایسے رو رہا تھا جیسے شادی کی رخصتی نہیں۔ ہمیشہ والی رخصتی ہو رہی ہو۔ شادی والا گھر تو لگ ہی نہیں رہا تھا، اب رشتے دار تو کیا خود دلہن بھی نہیں روتی..... بہت فرق پڑ گیا ہے۔ شادیاں ٹوٹل چینج ہو گئی ہیں۔"

"شادی کی کوئی رسم جو ابھی تک یاد ہو؟ اور شادی دھوم دھام سے ہوئی تھی؟"

"بالکل..... میرے میکے کی آخری شادی تھی اور سسرال کی پہلی شادی تھی اور ساتھ ایک نند کی بھی شادی تھی تو رونق بہت تھی اور بہت لوگ آئے۔ یعنی بہت دھوم دھام سے شادی ہوئی..... اور جہاں تک یاد رہنے والی رسم ہے تو وہ یہ تھی کہ جب میں رخصت ہو کر سسرال آئی تو امی نے (ساس) نے ہم پر سے کبوتر وار کر انہیں آزاد کر دیا تھا اس کے بعد پانی کا گلاس وار کر پی لیا تھا..... اور مجھے آج تک اس رسم کی سمجھ نہیں آئی کہ انہوں نے ہم پر سے پانی وار کر خود کیوں پی لیا تھا۔ ہمارے میکے فیملی میں یہ رسم نہیں ہوتی پھر دروازوں کی سائیڈوں پر تیل ڈال کر ہمیں اندر لے گئے تھے۔

ڈرائنگ روم میں بٹھا کر فوٹو سیشن ہوا۔ سب سے تعارف ہوا (سسرال میں) پھر قرآن پڑھوایا پھر رسموں کے بعد کمرے میں گئی جو کہ تیسری منزل پر تھا۔ ایک تو بھاری لہنگا اس پر ہیل..... میں تو ہپ گئی تھی (ہانپ گئی تھی)۔

کمرے میں مووی بنی اور کیمرہ مین نے پیلے رنگ کا پھول دیتے ہوئے کہا کہ بھابھی! یہ آپ بھائی جان کو پکڑائیں..... میں حیران کہ اسے اتنا بھی نہیں پتا کہ پیلا پھول نفرت کی نشانی ہوتا ہے۔

سب رسموں سے فارغ ہو کر جب سب چلے گئے تو میری نند پوما جس کی دوسرے دن رخصتی تھی، اسے امی لے کر آئیں کہ بھابھی سے مل لو کہ کل تو تم نے چلے ہی جانا ہے۔ تو وہ میرے گلے لگ کر رونے لگی تو میں ایک دم گھبرا گئی کہ ابھی ابھی تو میں رو رو کر آئی ہوں اسے کیا ہو گیا ہے۔ تو باجی (نند) نے کہا کہ کل اس کی بارات ہے۔"

"بچوں کے بارے میں بتائیں؟ نانی دادی کے رتبے پر فائز ہوئیں؟"

"میری پہلی اولاد میرا بیٹا دنیا میں آیا تھا۔ جو کہ شادی کے سال بعد ہی تشریف لے آئے تھے۔ اس کا نام محمد اسد بٹ ہے اور ماشاءاللہ ایم بی اے کیا ہے اور بینک آفیسر ہے۔ اس کے بعد پانچ سال چھوٹی بیٹی ہے، اس کا نام ارم طاہر بٹ ہے اور اس نے نفسیات میں ماسٹرز کیا ہے۔ اس کا نکاح کر دیا ہے ابھی رخصتی نہیں ہوئی۔ اس سے چھوٹی ایک اور بیٹی ہے جو ہوم اکنامکس کالج سے بی ایس کر رہی ہے اس کا نام فاطمہ طاہر بٹ ہے، وہ بی ایس آنرز فیشن ڈیزائننگ میں کر رہی ہے..... اور چونکہ ابھی کسی کی شادی نہیں ہوئی تو نانی بھی نہیں ہوں اور دادی بھی نہیں ہوں..... البتہ بہن کے بچوں کی نانی بھی ہوں اور دادی بھی ہوں اور بہن کے بیٹے کے ساتھ ہی میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا ہے۔ میرے بچے بہت اچھے ہیں اور ہم نے ان کی ایسی تربیت کی ہے کہ وہ ہم سے اپنی کوئی بات نہیں چھپاتے..... بہت قابل ہیں۔ میری بیٹی ارم نے نفسیات میں ماسٹرز کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا اور شہباز شریف کی طرف سے اسے "لیپ ٹاپ" بھی ملا تھا"

"نکاح نامہ دیکھا تھا.....؟"

"نہیں جی۔ نکاح نامہ کہاں دیکھا تھا..... رواج ہی نہیں تھا..... اور میرے ساتھ تو سین بھی بڑے مزے کا ہوا تھا..... نکاح نامہ پر سائن کروانے بڑے تایا جی آئے تھے۔ ابو کے دوست آئے تھے۔ اور ماموں تھے۔ نکاح کے وقت مولوی صاحب نے اپنی ساری کارروائی پوری کر کے کہا کہ آپ کو "قبول"

www.pklibrary.com

ہے میں نے کہا ''ٹھیک ہے'' دوبارہ پوچھا تب بھی میں نے کہا ''ٹھیک ہے'' تیسری بار بھی کہا ''ٹھیک ہے'' میرے تایا ابو کو ایک دم غصہ آ گیا کہنے لگے ''اوکڑیے تو کی ٹھیک ٹھیک لائی ہوئی اے'' (لڑکی تم نے کیا ٹھیک ٹھیک لگائی ہوئی ہے) سیدھی طرح کہہ قبول ہے۔ میں ایک دم ڈر گئی تو ماموں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بیٹا کہو، قبول ہے..... بعد میں نکاح نامہ دیکھا اور ساری شقیں جو کاٹ دیتے ہیں، اس کا مجھے آج تک افسوس ہے ..... تو جب میری بیٹی کا نکاح ہوا تو میں نے ساری شقیں سارے کالم فل کروائے تھے۔ جو کالم کاٹ دیے جاتے ہیں وہ سارے لڑکی کے حقوق ہوتے ہیں..... لڑکی کو چاہیے وہ نکاح نامہ پڑھے اور خود کالم فل کرے۔''

''فیشن سے لگاؤ رہا..... اور اب بھی ہے؟''

''فیشن سے لگاؤ کبھی بھی نہیں رہا..... بس اچھے کپڑے ہوں ڈیسنٹ سے..... اوور نہیں ہونا چاہیے۔ میک اپ مجھے آج تک کرنا نہیں آیا، کہیں جانا ہو تو بیٹیاں میک اپ ہلکا پھلکا کر دیتی ہیں۔ پہلے حجاب نہیں لیتی تھی، اب حجاب کرتی ہوں۔ جب سے ادبی محفلوں میں جانے لگی ہوں اس بات کا زیادہ خیال رکھتی ہوں کہ گریس فل لگوں۔ میاں صاحب کو بھی کوئی شوق نہیں ہے کہ ان کی بیگم ''پیڑی'' بن کے گھومتی رہے۔ وہ خود بھی ڈیسینٹ لک میں رہنا پسند کرتے ہیں انہیں جوتے چمک دار شائننگ والے پسند ہیں اور گھڑی اچھی ہونی چاہیے۔ اور کوئی شوق نہیں ہے۔ نہ سگریٹ کی عادت ہے نہ پان کی..... اور یہی عادت بیٹے میں ہے کہ پان سگریٹ سے دور رہتا ہے۔''

''آپ کے خیال میں لڑکیوں کو اور بیوی کو کمانا چاہیے..... گھر کی سجاوٹ کا کس کو شوق ہے؟''

''بالکل لڑکیوں کو کمانا چاہیے۔ آج کل کی بچیوں نے تو بہت اعلا تعلیم حاصل کی ہوئی ہے اور ان ڈگریوں کو لے کر گھر بیٹھنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ اپنے گھر کو، اپنی فیملی کو اور اپنے پارٹنر کو سپورٹ کرنا چاہیے اور اللہ کا شکر ہے کہ میری ارننگ (آمدنی) بھی اچھی ہے۔ اور گھر سجانے کا شوق بیٹیوں کو اور ان کے ابو کو ہے۔ اور اس سلسلے میں میں تو بہت ہی موڈی ہوں۔ موڈ آ جائے تو پورے گھر کی سیٹنگ بدل کر رکھ دیتی ہوں..... اور اللہ بخشے ابو بھی کہا کرتے تھے کہ ''ایس کڑی نوں تاجن چڑھ جاندا اے'' تو کبھی اتنا بھاری بیڈ گھسیٹ کر ادھر لے جاتی ہے۔ تو کبھی ادھر'' دماغ میں آ جائے کہ یہ چیز بدلنی ہے تو بس بدلنی ہے۔ مجھے کچن کی ضرورت کی چیزیں لینے کا زیادہ شوق ہے۔ حالانکہ کوکنگ کی طرف زیادہ رجحان نہیں ہے۔ لیکن نئی نئی چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ میری بچت گھر کی چیزوں میں ہی لگ جاتی ہے..... اور بچوں کے ساتھ انجوائے کرتے ہیں۔ بچت کرو تو کوئی نہ کوئی خرچا نکل آتا ہے۔ میں فضول خرچ ہوں۔ میاں صاحب تھوڑے کم فضول خرچ ہیں، وہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

زرد موسم	راحت جبیں	1000/-
حساب دل رہنے دو	نبیلہ عزیز	400/-
محبت من محرم	سمیرا حمید	400/-
ایک تھی مثال	رخسانہ نگار عدنان	500/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	400/-
دست مسیحا	نگہت سیما	400/-
گل کہسار	فرح بخاری	400/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

www.pklibrary.com

سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں۔ میرے بچوں کو بچت کی عادت ہے اور وہ ضرور بچت کرتے ہیں۔ میرے ہاتھوں میں تو سوراخ ہے۔ پیسہ ٹکتا ہی نہیں ہے۔"

"ہنی مون منایا تھا؟ کیا یہ ضروری ہے؟"

"اب تو ہنی مون کے بغیر شادی کا تصور ہی نہیں ہے۔ حالانکہ میرے خیال میں یہ اتنا ضروری نہیں ہوتا۔ ہاں اگر آپ جوائنٹ فیملی میں گئے ہیں تو پھر میاں بیوی کو ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے ٹائم چاہیے ہوتا ہے ہم ہنی مون پہ کہیں نہیں گئے تھے..... اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ انہیں تو ٹریولنگ کا شوق ہی نہیں تھا نہ ہے۔ پھر نند کی بھی شادی تھی۔ تو پورا ہفتہ اس میں نکل گیا اور شادی ختم ہوئی تو یہ کام پر چلے گئے۔ حالانکہ اپنا بزنس تھا۔ گھومنے پھرنے کا شوق بھی مجھے ہی ہے اور ابھی بھی کہیں جانے کا موقع ملے تو میں کبھی بھی انکار نہ کروں۔"

"آپ نے بتایا کہ آپ کو کھانے پکانے کا شوق نہیں تھا اور ذرا بھی سگھڑ نہیں تھیں۔ تو کبھی مشکل ہوئی؟..... اور اب آپ کی بیٹیاں؟"

"ہائے اللہ جی..... میں اپنے سگھڑاپے کا کیا بتاؤں۔ میں نے آپ کو بتایا نا کہ میری امی بہت سگھڑ، میری ساس بہت سگھڑ اور میری بھابیاں اور نندیں اور دیورانیاں سب سگھڑ تھیں۔ اور میں ان سب کے درمیان ایک "پھوہڑ" آتا سب کچھ ہے بنانا۔ لیکن سستی اور "نالائقی" (ہاہاہا) کی وجہ سے کچھ نہیں کر پاتی..... ہاں میری بیٹیاں بہت سگھڑ ہیں۔ چھوٹی کو کوکنگ کا بہت شوق ہے۔ فاطمہ کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے اور بڑی کو گھر کے کاموں کا شوق ہے اور دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ میری بیٹیاں اپنی دادو اور اپنے باپ پر گئی ہیں۔ خالہ اور پھوپھیاں بہت سگھڑ ہیں۔ میں درمیانی سگھڑ ہوں۔ اور جو سیکھا ہے، اپنی ساس سے سیکھا ہے۔ میری امی کو تو ابھی بھی شکوہ ہے کہ تم نے ہمیں ایک روٹی بھی پکا کر کبھی نہیں کھلائی تھی۔ ہاں مجھے گلاس میکنگ، جیولری میکنگ، ڈیکوریشن کی چیزیں بنانے کا بہت شوق تھا اور بناتی بھی تھیں۔ یہ سب ہنر میں نے ٹی وی کے پروگرام "مینا بازار" سے سیکھے تھے۔"

"چلتے چلتے آپ کچھ کہنا چاہیں تو؟"

"مجھے انٹرویو دینے کا بہت مزاہ آیا اور آپ مجھے اکتیس سال پیچھے لے گئیں۔ آپ کا بہت شکریہ۔ "شعاع" تو میرا بچپن کا پیار ہے۔ خواتین اور کرن بھی..... اور شعاع میں میرا انٹرویو آئے گا تو مجھے تو بہت خوشی ہوگی۔

چلتے چلتے میں آج کل کی بچیوں کے لیے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ "شادی کا بندھن" جتنا کمزور ہے اتنا ہی مضبوط بھی ہے۔ اور مضبوطی کے لیے پہلا نقطہ اعتماد کا ہے اور دونوں میاں بیوی ایک دوسرے پر اعتماد کریں۔ بلاوجہ شک نہ کریں..... اور اگر آپ کا میاں اپنی ماں اور بہنوں کو زیادہ ٹائم دے رہا ہے تو بالکل بھی برا نہ مانا کریں۔

وہ بہنیں جو کسی کی بیٹی کو بہو بنا کر لا رہی ہیں، ان کو اتنا ٹائم ضرور دیں کہ وہ آپ کو اور آپ کے گھر کے ماحول کو سمجھ سکیں اور اپنے آپ کو ایڈجسٹ کر سکیں نئے ماحول میں ڈھلنے میں کم سے کم ایک سال تو ضرور ہی لگتا ہے۔

اگر پیار سے سمجھاتیں اپنی بیٹی سمجھیں تو طلاق کا ریشو جو بہت بڑھ رہا ہے، شاید کم ہو جائے۔ بلکہ یقیناً کم ہو جائے گا۔ آپ کا بیٹا تو آپ کا ہی رہے گا۔ بس اپنا ظرف بڑا کریں۔

اور لڑکیوں سے بھی میں یہی کہوں گی کہ اگر آپ یہ سوچ کر جا رہی ہیں کہ جاتے ہی گھر میں میرا راج ہو جائے اور شوہر بھی میرا ہو جائے تو یہ غلط ہے۔ بیلنس ہو کر چلیں تب یہ بندھن مضبوط ہوگا....."

اور اس کے ساتھ ہی ہم ثمینہ طاہر بٹ صاحبہ سے شکریہ کے ساتھ اجازت چاہی۔

www.pklibrary.com

کرن تعبیر

بہترین فنکارہ کرن تعبیر کو کافی عرصے کے بعد اسکرین پر دیکھا تو سوچا کیوں نہ دستک کے لیے کچھ باتیں ہو جائیں۔

"کیا حال ہیں کرن؟"

"الحمدللہ۔"

"کافی ٹائم کے بعد آپ کو اسکرین پر دیکھ رہی ہوں۔ کافی نکھر گئی ہیں۔ پہلے سے زیادہ خوب صورت بھی ہو گئی ہیں۔ کیا کہیں گی اپنے بارے میں؟"

"تعریف کا بہت شکریہ..... اور وہ کہتے ہیں نا کہ آپ کی نظروں کا کمال ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ آج کل میں تھوڑی موٹی ہو گئی ہوں....."

دستک دستک دستک

شاہین رشید

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟ کیا آن ایئر ہے اور کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

"ایمان داری سے بتاؤں تو میں آج کل زیادہ کام نہیں کر رہی، دس گیارہ سال میں نے صرف کام کیا ہے..... اور گزشتہ ایک ڈیڑھ سال سے میں بہت سکون سے کام کر رہی ہوں..... گزشتہ دو سال میں، میں نے صرف دو پروجیکٹ کیے ہیں..... ایک تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔ "پری زاد" اور دوسرا "ستم" تھا جو کہ ختم ہو چکا ہے۔

اب ایک دو پروجیکٹ "ہم ٹی وی" کے شروع ہونے والے ہیں۔ ابھی بات چیت چل رہی ہے اس لیے اس کی تفصیل نہیں بتا سکتی اور آج کل میں اپنی زندگی کے بہت پرسکون مقام پر ہوں۔ جہاں میں گھر داری پر زیادہ فوکس کر رہی ہوں..... کیونکہ دس گیارہ سال صرف کام کیا ہے..... تو اب تھوڑا فیملی اور میاں کو ٹائم دے رہی ہوں۔"

"تو کیا یہی گھریلو مصروفیات گیپ کا باعث بنیں؟"

"بالکل..... لیکن سب سے پہلے گیپ تو اس وقت آنا شروع ہوا جب کووڈ آیا۔ تقریباً کام تو رک ہی گیا تھا اور کسی نے بھی ایک ڈیڑھ سال کام نہیں کیا۔ اور گھر میں رہو تو پھر ایک نئی روٹین بنتی ہے۔ آپ کا لائف اسٹائل بدل جاتا ہے۔ اور میرا فوکس گھر کی طرف اور فیملی کی طرف زیادہ ہو گیا ہے..... اور اب زندگی کا اگلا چیپٹر شروع کرنے کی ضرورت ہے..... اپنی فیملی بنانی ہے۔ آپ دعا کریں۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

"پری زاد" میں آپ کا انتخاب کیسے ہوا؟"

"پری زاد" میں میرے انتخاب کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ شاید میں اس کردار کے لیے فٹ تھی۔

www.pklibrary.com

دوسرا اس سیریل میں کام کرنے والے زیادہ تر لوگ اسلام آباد میں رہتے ہیں اور میں بھی اسلام آباد میں رہتی ہوں۔ کچھ کا تعلق لاہور سے بھی ہے..... تو مجھے کال آئی تھی۔ چینل کے ہیڈ کی کہ ہم ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ اور سب کے الگ الگ کردار ہیں۔ لوگ آئیں گے اور چلے جائیں گے۔ لیکن جو کردار ہم آپ کو دینا چاہتے ہیں وہ کردار مختلف طرح کا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ کردار آپ کریں۔ سو میں نے یہ کردار قبول کرلیا۔ مجھے اس سیریل کی آفر آئی تو مجھے خود بھی بہت اچھا لگا۔ کیونکہ کئی سال پہلے میں نے یہ ناول پڑھا تھا اور مجھے پسند بھی تھا اس لیے بھی میں اس ڈرامے کا حصہ بننا چاہتی تھی۔ تو جب پیشکش ہوئی تو میں نے انکار نہیں کیا۔ بلکہ بہت مجھے اچھا لگا۔"

"آپ نے کہا کہ آپ اسلام آباد میں ہوتی ہیں۔ تو اسلام آباد تو بہت خوب صورت شہر ہے۔ گرین ہے۔ صاف ستھرا ہے۔ تو کراچی آنا ہوتا ہوگا تو بہت میلا اور گندا لگتا ہوگا؟"

"میں نے کراچی میں آٹھ سال گزارے ہیں..... جب سے کووڈ آیا ہے تب سے میں زیادہ تر اسلام آباد میں رہنے لگی..... پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ بیس سے پچیس دن تو میں کراچی میں رہتی تھی اور صرف پانچ سے دس دن اسلام آباد میں اپنے میاں کے ساتھ رہتی تھی۔ کورونا کی وجہ سے چونکہ کام کم کردیا تھا تو پھر میں زیادہ تر اسلام آباد میں رہنے لگی۔

کراچی کے مقابلے میں اسلام آباد تھوڑا صاف ستھرا ہے۔ جب میں کراچی میں تھی تو مجھے سب سے زیادہ شکایت لوگوں سے یہ رہتی تھی کہ لوگ خود بہت گندے ہیں۔ ہر روز اپنی میڈ اور گارڈ کو پیسے دے کر گھر کے آگے سے صفائی کرواتی تھی لیکن میرے پڑوسی اور ان کے بچے صبح تک کوڑے ڈھیر لگا چکے ہوتے تھے۔ مطلب اپنے گھر کو کوڑا اوپر سے باہر گلی میں ڈال دیتے تھے یا پھینک دیتے تھے..... تو کراچی کے لوگوں سے یہ درخواست ہے کہ شہر خود بخود صاف نہیں ہوسکتا۔ محلے بھی اپنے اپنے آپ صاف نہیں ہوتے۔ خود بھی تھوڑا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ کراچی کے لوگ خود اپنے گھر کا کوڑا نکال کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ گندگی ہے۔"

"کیا لوگ ڈراموں کی کہانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟ یا تفریحاً دیکھتے ہیں؟"

ٹھنڈی سانس..... "کیا کہوں..... دنیا میں ہر چیز اچھی بھی ہے اور بری بھی ہے۔ یہ تو ہم پر منحصر ہے کہ ہمارا رجحان کس طرف ہے، کس چیز کو کس طرح لیتے ہیں۔ کس طرح اس کا استعمال کرتے ہیں تو جو اچھائی سیکھنا چاہتے ہیں وہ اچھائی کو فالو کرتے ہیں اور جو دوسرے مائنڈ کے ہیں، وہ اس لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ ہاں اس بات سے مجھے اتفاق ہے کہ ڈرامے اس معیار کے نہیں بن رہے جو بننے چاہیے تھے۔ ایسے اسکرپٹ بہت کم ہوتے ہیں جو سبق سکھانے والے یا بہت زیادہ متاثر کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور میں بھی ایسے ڈراموں کا حصہ رہی ہوں..... ویسے ڈرامے اب بزنس بن گئے ہیں ساس بہو کا مسالا، دو بیویوں کا مسالا..... لگتا ہے کہ جیسے یہی مسائل دنیا میں رہ گئے ہیں۔ اسے میں "پری زاد" جیسے ڈرامے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں ڈرامے کسی کو کچھ سکھا بھی نہیں سکتے۔ یہ تو گھر کی تربیت ہوتی ہے جو انسان کو اچھا برا بناتی ہے۔ ہاں ڈرامے تھوڑا اثر ضرور ڈالتے ہیں اور کچھ نہیں۔"

"ساس بہو کے علاوہ ڈراموں میں سازشیں بھی بہت ہوتی ہیں؟ اور میں حیران ہوتی ہوں کہ رائٹرز ایسے ڈرامہ لکھ کیسے لیتے ہیں؟"

"میں تو مختصراً اتنا کہہ سکتی ہوں کہ یہ اب آرٹ نہیں ہے، یہ اب صرف بزنس ہے اور اب سب بزنس کررہے ہیں..... پروڈیوسر پیسہ لگاتا ہے تو اسے اپنا پیسہ منافع کے ساتھ واپس چاہیے ہوتا ہے۔ وہ ان ہی چیزوں پر پیسہ لگاتا ہے جس پر ریٹنگ آتی ہے۔ سچی بات ہے چاہے لوگوں کو بری لگے وہی ٹرائی اینگل لو..... ظلم و ستم..... بے چارگی..... ایسے ڈراموں کی

www.pklibrary.com

ریٹنگ بہت آتی ہے۔ ”میرے پاس تم ہو“ کتنا ہٹ ہوا تھا..... مگر کہانی کیا تھی؟ سبق آموز کہانیاں بہت کم لوگ دیکھتے ہیں..... اب جو ڈرامے بن رہے ہیں ان میں کچھ خاص نہیں ہے، ہمیں اچھے موضوعات چننے کی ضرورت ہے۔“

”اب بتائیں کہ پرسنل لائف کیسی گزر رہی ہے اور آپ کچھ کہنا چاہیں گی؟“

سب سے پہلے تو آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھ سے ڈرامے کے حوالے سے سوال کیے اور مجھے کچھ کہنے کا موقع دیا..... اور اللہ کا بڑا کرم ہے کہ میری پرسنل لائف بہت اچھی گزر رہی ہے الحمدللہ..... ماشاءاللہ جنوری 2022 میں گیارہ سال مکمل ہو جائیں گے۔ میری شادی کو۔“

”سسرال؟ میاں صاحب؟“

”الحمدللہ۔ سسرال بہت اچھا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں اپنا شمار کرتی ہوں جن کو اس نے اپنی بہت ساری نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہے۔ اللہ نے کام میں بھی بہت برکت اور ترقی دی ہے۔ میاں صاحب بھی بہت اچھے ہیں، بہت پیار محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے ہیں۔

میں اپنے طور پر یہ بھی کہنا چاہوں گی کہ ہماری انڈسٹری کو گورنمنٹ سے کوئی فنڈ نہیں آتے..... باہر کے ملکوں میں انٹرٹینمنٹ انڈسٹری کو گورنمنٹ سپورٹ کرتی ہے جبکہ ہمارے یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہمارے پروڈیوسرز اپنی جیب سے خرچ کرتے ہیں..... تو پھر وہ وہی کریں گے جو لوگ دیکھنا چاہیں گے..... لوگوں کی بھی کچھ ذمہ داری ہے کہ اگر آپ اچھے موضوعات پر ڈرامے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان برے ٹاپکس کو سپورٹ کرنا بند کریں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ فلاں ڈرامہ ہماری سوسائٹی پر برا اثر ڈال رہا ہے تو اسے دیکھنا بند کر دیں۔ آپ دیکھتے ہیں ریٹنگ بڑھ جاتی ہے..... آپ دیکھتے بھی ہیں اور پھر تنقید بھی کرتے ہیں کہ اللہ توبہ ٹی وی والے کیسے ڈرامے بناتے ہیں اور پھر دیکھتے بھی شوق سے ہیں..... تو یہ تو پھر ڈبل اسٹینڈرڈ ہو گیا نا.....

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ..... -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ..... -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ..... -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

www.pklibrary.com

سال کے آخری دن ایک عجیب سی اداسی لیے ہوتے ہیں۔ ان دنوں وقت گزرنے کا احساس بہت گہرا ہو جاتا ہے۔ گزرے سال کی یادیں خوشیاں اور غم یاد آتے ہیں۔ کچھ پشیمانیاں دامن گیر ہوتی ہیں۔ کاش کا لفظ بار بار ذہن پر دستک دیتا ہے۔ پھر ان تمام یادوں کو ذہن سے جھٹک کر نئے سال سے امیدیں باندھ لیتے ہیں۔

نئے سال کے موقع پر حسب روایت قارئین سے سروے پیش خدمت ہے۔ اس بار ہم نے اپنی قارئین سے دو سوال کیے تھے۔

(1) بڑھتی ہوئی مہنگائی سے کچھ لوگوں کو کوئی خاص فرق نہیں پڑا جبکہ عوام الناس بہت پریشان نظر آئے۔ آپ کے بجٹ پر مہنگائی کس حد تک اثر انداز ہوئی؟

(2) انفرادی سطح پر سال گزشتہ میں آپ کی زندگی میں کون سی خوش گوار تبدیلیاں آئیں اور آنے والے سال سے کیا توقعات ہیں؟

آیئے دیکھتے ہیں، ہماری قارئین نے ان سوالوں کے کیا جواب دیے ہیں۔

نئے خواب، نئی اُمیدیں

ارادہ

سلمیٰ مسرت.....راولپنڈی

(1) اس سال صرف مہنگائی نے نہیں ملک کی ساری مجموعی صورت حال نے بہت پریشان کیا بہت سے مسائل کی جڑ یہ مہنگائی ہے، جو رکنے کا نام نہیں لے رہی۔ اب سب گھر والے کماتے ہیں پھر بھی مشکل سے مہینہ پورا ہوتا ہے اور اب تو سارے طبقے متاثر ہو رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سا خرچا کم کریں، اگر سچ پوچھیں تو بے شمار خواہشات کو مارنا پڑتا ہے۔ بیٹوں کی شادی دو تین سال کے وقفے سے کی اور اب بیٹی کی شادی کرتے وقت احساس ہوا کہ ہر چیز کی قیمت چار گنا بڑھ گئی ہے۔

(2) ذاتی طور پر یہ سال میری زندگی میں بچوں کے حوالے سے بہت گولڈن، بہت خوب صورت تھا۔ سال کے شروع کے لمحوں میں دو بے حد خوب صورت پھول محمد زید اور سارہ کی صورت میرے آنگن میں کھلے، پورا سال ان کی معصوم شرارتوں، مسکراہٹوں سے مہکتا رہا، پھر میری بیٹی نے اپنا ایم فل ماشاء اللہ چھوٹی سی عمر میں مکمل کیا اور ساتھ ہی اس کی شادی کی تیاری شروع ہوگئی۔ دو دن پہلے سال کے آخری مہینے میں وہ اپنے گھر رخصت ہوگئی۔ اس کی شادی کے فنکشن میں ماشاء اللہ میرا پورا خاندان شریک ہوا۔ بہت باعزت طریقے سے سارے کام میرے رب نے مکمل کروائے۔

اللہ تعالیٰ میرے بچوں کو ہمیشہ سلام رکھے، شاد و آباد رکھے۔

خوشیوں کے ساتھ آزمائشیں بھی ہوتی ہیں۔ میں فل ایکٹو زندگی گزار رہی تھی لیکن میری صحت اس سال اتنی تیزی سے ڈاؤن ہوئی۔ بے شمار کام جو اس سال سوچے تھے، وہ سب ادھورے رہ گئے۔ ذاتی طور پر سب غم برداشت کر لیتی ہوں لیکن اپنے پیاروں کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔ یہاں پر خوش گوار تبدیلیوں کی بات تھی۔ اس لیے غموں کی بات رہنے دیں۔

آنے والے سال میں اپنے ہم وطنوں کا سکون دیکھنا چاہتی ہوں، سب کے غم دور ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو، آمین۔ الحمدللہ رب العالمین۔

نوال افضل گھمن.....کراچی

(1) مہنگائی کا کچھ خاص نہیں بلکہ بڑا گہرا رنگ آیا ہے اور ہر کسی پر آیا ہے۔ اب امیر اور غریب سارے ایک تختۂ دار پر لٹکے ہوئے ہیں۔ یقین کریں، روزانہ عیسیٰ اور

www.pklibrary.com

ابراہیم کے اسکول کے لیے ہوجانے والا خرچا ہی ایک وقت کی دال روٹی کے برابر ہے۔ اللہ کریم ہی ہے جو سارے معاملات پر قادر ہے اور نظام زندگی چل رہا ہے۔

(2) ذاتی طور پر وزن بڑھایا ہے اور نماز کی پابندی ہی اولین ترجیح ہے۔ باقی تو بیڑا پار ہی پار۔ نماز دنیاوی اور آخروی جیت ہے۔ یقین کریں، ہم مانگنے والے بدصورت ہیں، عطا کرنے والا بہت خوب صورت ہے۔ بہت سی نیک تمنائیں ادارہ سے منسلک اور قارئین کے نام۔

صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے
زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے

صدف ناصر..... گوجرانوالہ

(1) جی بجا فرمایا ہے آپ نے۔ عوام الناس پر تو مہنگائی، کرونا وائرس اور لاک ڈاؤن قہر بن کر ٹوٹے ہیں اور یقیناً محفوظ تو ہمارا ''بجٹ'' بھی نہیں رہا۔ ذرائع آمدن ہنوز وہیں کے وہیں رکے ہوئے ہیں مگر اخراجات دن بدن بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

سب سے برا اثر تو افراد خانہ کے شاہانہ رہن سہن پر پڑا ہے۔ نہ وہ پہلے سے ٹھاٹ باٹ رہے نہ کوئی ''شاہی پکوان'' کیونکہ آسمان کو چھوتی ہوئی مہنگائی میں اب صرف دال، سبزی ہی بمشکل پوری ہو رہی ہے۔ وہ بھی ناکافی مسالہ جات اور برائے نام آئل میں۔ کیونکہ نہایت مبارک قدم ارباب اختیار کی مہربانیوں سے آئل چار سو روپے فی کلو تک پہنچ گیا اور تا حال اہل خانہ کیپ ومائز نہیں کر پا رہے۔

علاوہ ازیں مہنگائی کچن اور دیگر گھریلو اشیائے ضروریات پر خاصی اثر انداز ہوئی ہے۔ مثلاً مسالا ریکس، کراکری، بیڈ شیٹس، صوفہ، ٹیبل کورز، ڈیکوریشن پیسز سب خواب وخیال ہو کر ٹوٹلی بجٹ سے آؤٹ ہیں۔

بقول ناصر کاظمی.....

اب کے تو اس دیس میں یوں آیا سیلاب
کب کی کھڑی حویلیاں پل میں ہوگئیں ڈھیر

(2) سال گزشتہ زیادہ تر پریشان حال ہی گزرا۔ بچوں کی پڑھائی از حد متاثر ہوئی لاک ڈاؤن سے۔ مگر الحمدللہ اپنی اور اساتذہ کی انتھک کوششوں سے بچوں کی پوزیشنز بغیر اکیڈمی کے بھی بہترین برقرار رکھ پائی۔ ناظرہ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ تیسواں پارہ اور دیگر ضروری سورتیں حفظ کروائیں۔ جیسے کہ سورۃ یٰسین، سورۃ ملک، سورۃ مزمل، سورۃ رحمٰن (ماشاءاللہ)۔

اور جو حالات جا رہے ہیں توقعات بالکل بھی نہیں، بس پاکستان اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائیں ہی دعائیں ہیں۔ اللہ سب کے حال پر اپنا فضل وکرم فرمائے رکھے، آمین۔

مناہل سہیل بٹ..... گوجرانوالہ

(1) بڑھتی ہوئی مہنگائی کا اثر نہیں پڑا بلکہ اس کے اثرات پڑے ہیں۔ کس کس چیز کا حساب گنوائیں آپ کو۔ اس موضوع پر بحث تو بہت لمبی ہوگی مگر مختصر یہ ہی ہے کہ اگر اللہ نے اپنی مخلوق کو رزق دینے کا وعدہ نہ کر رکھا ہوتا تو عوام بھوکے مر جاتے، ایک وقت کا کھانا نہ کھا سکتے۔

پہلے کہا جاتا تھا پیٹرول کی قیمت بڑھی ہے، اس لیے چیزوں کی قیمت بھی بڑھ رہی ہے مگر اب یہ کہنا مناسب رہے

www.pklibrary.com

گا کہ کبھی، دودھ اور چینی کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ اس لیے پیٹرول بھی مہنگا ہونے کا امکان ہے۔ جبکہ شمارے والے قیمت بڑھانے کے بارے میں ہماری رائے مانگتے ہیں تو لوجی یہاں روز کی چیزوں پر اتنے پیسے بڑھ گئے، آپ کے مہینے میں سو روپے کیا کہتے ہیں آپ بھی حق دار ہیں جی۔ میں نے اس سال کھاتے پیتے لوگوں کے ایسے ایسے حال دیکھے ہیں کہ دل روتا تھا تو ہم اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے کہ اس نے ان حالات میں بھی ہمیں کسی کا محتاج نہ بنایا۔

(2) اگر زندگی کی تبدیلیوں کے بارے میں بات کی جائے تو میرے لیے یہ سال بہت اچھا رہا ہے۔ سات سال پہلے شادی ہوئی۔ چھ سال سسرال والوں کے ساتھ گزارے۔ سات بھائی، دو بہنیں اور ایک ساس ایک سسر مطلب چھ میرے دیور، دو میری نندیں، ایک میرے شوہر، چھ دیورانیاں اور ان کے بچے۔ سب ایک گھر میں رہتے تھے تو ان چھ سالوں میں دلوں میں بہت کڑواہٹیں بڑھ گئی تھیں۔ مہینے میں ایک بار تو گھر میں بڑی سی دھماکہ خیز لڑائی ضرور ہوتی تھی کسی نہ کسی کی۔ سب سے بڑی میں تھی تو بہت مشکل وقت گزارا مگر 2020ء میں علیحدہ گھر میں شفٹ ہوئے۔ نماز، قرآن باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا۔ ترجمہ پڑھا تو پھر اپنے دل کو سب رشتوں کے لیے صاف کیا۔ سب کو معاف کیا سچے دل سے اور دعا کی کہ وہ بھی مجھے معاف کر دیں جو مجھ سے غلطیاں ہوئیں۔

ظاہر ہے تالی ایک ہاتھ سے تو نہیں بجتی مگر بتانے والا اگلے کے ظلم گنوا دیتا ہے، اپنی زبان کے تیز دھار تیر جو چلائے جاتے ہیں، بھول جاتا ہے تو آج پرسکون ہوں۔ سسرال میں بھی بہت عزت ہے، سارے بھابھی، بھابھی کرتے ہیں۔ ساس بھی بہت خیال کرتی ہیں اور بڑی نند بھی بدل گئی ہیں بلکہ مجھے تو لگتا ہے، سب بدل رہے ہیں اس گھر میں۔ اتنی مخالفتوں کے باوجود بچوں کو کبھی ان کے سگے رشتوں سے دور نہ کیا بلکہ یہ خوبی مجھ میں ہی نہیں، میری ساری دیورانیوں میں ہے کہ اپنی لڑائیوں میں بچوں کو کبھی شامل نہیں کیا۔ بس بہت بُرے وقت کے بعد اس گھر میں بہت اچھا وقت آیا ہے۔

ریحانہ چوہدری..... مدوکے

(1) دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے آپ نے۔ مہنگائی تو جنگل کی آگ کی صورت اختیار کر چکی ہے اور ہمارے معاشرے کا ہر شخص اسے ہوا دے رہا ہے اور یہ مت سوچیے کہ اس سے کوئی متاثر نہیں ہے۔ متاثر ہر شخص ہے۔ کچھ ہیں متاثر کرنے والے اور زیادہ تر ہیں متاثر ہونے والے۔

اپنے کردار پر ڈال کر پردہ
ہر شخص کہہ رہا ہے، زمانہ خراب ہے

اور یہ سب تو ہماری ہی جلائی ہوئی آگ ہے۔ بے شک انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔

ہماری آنکھوں نے ایسے خواب دیکھے کہ جس کے نتیجے میں یہ تعبیریں ملیں۔ اب ہم کیوں پریشان ہیں، پھولوں اور خوشبوؤں کے خواب لے کر خارزار حیات میں آنکھوں پہ اعتبار کی پٹی باندھ کر کود پڑنے کا یہی انجام ہونا تھا۔

سفید پوشی کی چادر بے چاری اتنی چھوٹی پڑ گئی ہے کہ اس سے نہ تو پوری بکل ماری جا سکتی ہے نہ وہ سر تا پا

www.pklibrary.com

اوڑھی جاسکتی ہے۔

کچھ عرصے پہلے کوئی تقریب یا شادی بیاہ کا فنکشن آجاتا تو لوگ کافی عرصہ خوش رہتے۔ تقریب سے پہلے خوشی ہوتی تھی کہ فنکشن آرہا ہے اور تقریب کے بعد اس کو یاد کر کے خوش ہوتے رہتے۔ اب معاملہ الٹ ہوگیا ہے۔ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ اس مہینے کوئی شادی نہ آئے، کہیں جانا نہ پڑے کہ بجٹ بے چارہ تو پہلے ہی ڈسٹرب رہتا ہے۔ بلکہ بجٹ بناتے وقت سو سو مرتبہ سوچتے ہیں کہ کس کس چیز کو نکالیں۔

کبھی حفظان صحت کے اصول یاد آتے ہیں تو گھی اور چینی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی دوسری بہت سی ضروری اشیاء اگلے مہینے پر ڈال دیتے ہیں۔ پھر اس سے اگلے پہ، مگر ہمارا مذہب بہت پیارا ہے۔ ہمارے جینے کا سہارا ہے۔ ہمیں یقین ہے۔

"بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اللہ ہماری آنکھوں کو سلامت رکھے، ہم نئے خواب دیکھیں گے۔ اللہ ہمارے دلوں کی دھڑکن قائم رکھے، ہم اس میں نئی امیدیں رکھیں گے۔ اچھے دنوں کی، اچھی تعبیروں کی، خوش فہمیوں کی نئی فصل بونے کی تیاری کرتے ہیں ورنہ تو دل چاہتا ہے۔

دل جل رہا ہے زرد شجر دیکھ دیکھ کر
اب خواہشوں کے بیج نہ بویا کریں گے ہم

(2) اچھا برا تو انسان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ بہت سر کھپالیا، اچھی توقعات کا برا نتیجہ یاد کر کے۔ اب آتے ہیں کیا خوش گوار باتیں تھیں۔ سب سے بڑی بات کرونا میں کمی ہوئی۔ اس کا خوف جو اعصاب پر مسلط تھا، وہ کم ہوا۔ ماشاء اللہ سے ارسلان نے وکالت کی پریکٹس شروع کی، اور دو دوستوں کے ساتھ مل کر رندھیر میں الائیڈ اسکول کی فرنچائز لے کر ایک علمی درس گاہ کی بنیاد رکھی جو آنے والے سیشن میں کلاسز اسٹارٹ کردے گی۔

ارجمند شاہین بی ایس زولوجی کے بعد میرے ساتھ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول میں ایس ٹی سی سلیکٹ ہوئی۔ مجھے بہت خوشی تھی کہ ہم دونوں ماں بیٹی ایک ہی اسکول میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔ زیادہ خوشی مجھے اس وقت ہوتی، جب میں دیکھتی کہ ساری طالبات اور سب اساتذہ میری بیٹی سے بہت زیادہ پیار کرتے مگر پھر اس نے ڈھائی ماہ کے بعد ہی جاب چھوڑ دی اور سیالکوٹ جی سی میں ایم فیل زولوجی اسٹارٹ کردیا ہے تو اب بھی روزانہ لڑکیاں اس کو یاد کر کے اس کے بارے میں استفسار کرتی ہیں۔

ایک بڑی خوشی کی بات آپ کی قدر افزائی ہے۔ جب امتل صاحبہ کا میسج آیا۔ وہ لمحات میری زندگی کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ایک خوش گوار یاد کے طور پر محفوظ ہوگئے ہیں۔ میری تحاریر کو سند قبولیت بخشی جاتی ہے، اس سے بڑی خوشی کیا ہوسکتی ہے۔

تسنیم کوثر..... کراچی

(1) مہنگائی نے ہمارے بجٹ پر کیا ٹرڈالا تو بھئی مہنگائی کا کیا رونا۔ یہ تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ کیا کسی نے خوب کہا ہے کہ مہنگائی نے تو کمر توڑ دی ہے تو بھئی کمر کیا ہاتھ پاؤں، ہڈی بوٹی سب ہی کچھ تو اس مہنگائی کی نذر ہوگیا ہے۔

www.pklibrary.com

کرتے ہیں ہاتھ پھیلا کے دعا یہ ہم
اس مہنگائی سے اللہ بچائے

(2) خوش گوار تبدیلیوں کا تو کوئی جواب نہیں ہے، بس یہ سمجھیے کہ ہنستے مسکراتے بھرپور ٹینشن کے ساتھ کبھی غم کبھی خوشی میں مبتلا ہی رہے۔ سچی بات بتاؤں تو ہم ہر حالت میں مگن رہتے ہیں، شاپنگ کرلی۔ کہیں گھوم پھر کے آگئے یا کہیں باہر کھانے وغیرہ پر چلے گئے تو یہ سب کچھ بھی خوش کن اور خوش گوار تبدیلی ہوجاتی ہے اور سب سے اہم ہمارے ہاں ایک پیاری کیوٹ سی پوتی کی آمد ہوئی ہے جو کہ پانچ ماہ کی ہے اور ہمارے خیال سے یہ ایک بہت ہی خوش گوار تبدیلی ہے جس سے ہمارے گھر میں رونق ہوگئی ہے اور اب آنے والے نئے سال میں اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ نیا سال سب کے لیے خوشیوں سے بھرپور ہو۔

عیبہ احسان.....ڈسکہ

(1) اللہ کرے کہ آپ سب ٹھیک ہوں کیونکہ جس رفتار سے مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ اچھا خاصا صحت مند بندہ بھی ہائی بلڈ پریشر کا مریض بن جائے۔ اف، پتا نہیں کون سے لوگ ہیں جن پر مہنگائی نے کوئی اثر نہیں ڈالا۔ میں تو کھانا بنانے بھی کھڑی ہوجاؤں تو گھی کی بڑھتی ہوئی قیمت پر لمبا سا لیکچر سننے کو ملتا ہے اور تو اور میں جو چائے میں تیز پتی اور زیادہ سی چینی ڈال کر بے حد پکا کر پیتی تھی، اب ہلکی سی پتی چینی ڈال کر ایک ابال آنے کا انتظار کرتی ہوں۔ آخر کو ہر چیز اتنی مہنگی جو ہے۔ پہلے بازار جانا ہوتا تو پورا راستہ چیزوں اور برینڈز کے نام سوچتی رہتی تھی اور اب..... کل بے حد ضرورت کے تحت جب بازار گئی تو آرام سے سستے بازار کا رخ کرلیا حالانکہ سستے بازار میں سے بھی سستی چیز ڈھونڈنا بے حد مشکل کام ہے۔ چیزوں کی قیمتیں سن کر ایسا لگتا ہے کہ ہر چیز سونے کے پانی میں نہا کر آئی ہو، اسی لیے اس قدر مہنگی ہے۔

بجٹ کی بات تو رہنے ہی دیں۔ ادھر مہینہ شروع ہوا، تنخواہیں ملیں تو ادھر اخراجات کی زنبیل کا منہ بھی نہ بند ہونے کے لیے کھل جاتا ہے اور بجٹ صاحب کی ہڈیاں مہینے کے آغاز پر ہی ٹوٹ جاتی ہیں اور اگر کچھ پیسے بچانے کی غرض سے گلے میں ڈال دیے جائیں تو مہینے کے آخر میں وہ بھی انگلیاں مار مار کے نکالنے پڑتے ہیں۔

(2) 2021ء بھی باقی سالوں کی طرح گزر ہی گیا مگر جاتے جاتے کچھ خوب صورت یادیں ہمارے نام بھی کرگیا۔ کچھ خوش گوار تبدیلیاں جیسے مجھے جاب کرنے کی اجازت ملی تو اسکائی وے اسکول جیسے بہترین ادارے میں ٹیچنگ کی جاب بھی مل گئی۔ بچوں کا رزلٹ ہر سال کی طرح شان دار رہا۔ بے حد خوشی ہوئی۔ پارٹیز کی گئیں، بہت مزا آیا۔ بہت سی اچھی یادیں ذہن کی سلیٹ پر نقش ہوئیں۔

مگر سب سے خاص اور اس سال جو سب سے بڑی خوشی مجھے ملی وہ یہ کہ شعاع میں خط لکھا اور وہ شائع ہوگیا۔ ''پاؤں زمین پر نہ ٹکنا'' کسے کہتے ہیں اس دن سمجھ میں آگیا، خوشی چھوٹا لفظ اپنے احساسات بیان کرنے کے لیے۔ بچپن کا خواب تھا جو پورا ہوگیا۔

توقع ہے کہ اس سال میں، میں اپنی کہانیاں اور خط شعاع میں لکھ سکوں۔ یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔ میرے والدین کے کندھے میرے بوجھ سے خدا آزاد کرے تاکہ وہ میرے فرض سے سبک دوش ہوسکیں جو انہیں پریشان کیے ہوئے ہے۔ باقی اللہ کی ذات ہے نا، سب بہتر کرے گی۔ پریشان ہونا چھوڑ دیں اور اس سال کو کھل کے خوشیوں سے اور بھرپور طریقے سے گزاریں۔

مہوش خولہ راؤ

مہنگائی کی حالیہ لہر ہماری ملکی تاریخ کی شدید بدترین لہر ہے۔ نعرے حقیقت میں نہیں بدلے وعدے جھوٹے ثابت ہوئے۔

یہ ہی مہینہ تھا جب اسی طرح کی طبقاتی کشمکش اور معاشی استحصال جیسی وجوہات پر سقوط ڈھاکہ ہوا، تاریخ سے عبرت لیں۔ خدانخواستہ کسی نئے سانحے سے بچیں۔

اب آتے ہیں سوال کے دوسرے حصے کی طرف مہنگائی کے خلاف احتجاج تو ہوتا رہے گا۔ جب تک کہ یہ مسئلہ حل نہیں ہوجاتا تب تک اپنی بساط سمجھ بوجھ مطابق بجٹ میچ کرنے کی کوششیں ضروری ہیں۔

ہوش ربا گرانی ہمارے بجٹ پر یوں اثر انداز ہوئی کہ درویشی تو اختیار نہیں کی لیکن اللہ ٹپ شاپنگ سے قطعی گریز کیا۔ بازار فہرست کے ساتھ جاتے۔ فہرست سے باہر دل موہنے والی ہر شے کو ٹوٹلی اگنور کیا، مشینی انداز سے شاپنگ کر

www.pklibrary.com

کے واپس ہو لیتے۔ وہ اشیاء جن کے بغیر گزارا ممکن تھا اور ان اشیاء کی قیمتیں حد سے تجاوز کر گئیں تو ان کی خرید و فروخت بند کر دی۔ یہ طریقہ ویسے احتجاج کا بھی حصہ ہے بھلے سے ہمارے ہاں احتجاج کی شنوائی ہو یا نہ ہو لیکن زندگی سادہ ضرور ہو جائے گی۔ بہنوں کی شادی میں مایوں مہندی کی تقریبات اور لباس کے خرچے کی بچت بھی کی، مختصر یہ کہ مہنگائی سے حواس باختہ ضرور ہیں لیکن مقروض نہیں الحمدللہ۔

(2) تبدیلی فی الحال کوئی نہیں مصروفیت باوجود زندگی جمود کا شکار ہے۔ میرے پاس اللہ ہے اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ والدین کا سایہ ماشاء اللہ سر پر ہے۔ شوہر والی ہوں، صحت ہے اور کیا چاہیے۔ گزشتہ سال بڑی خوشی نہیں ملی تو کوئی بڑا دکھ بھی نہیں ملا۔ میں اسی مہینے کی پیداوار ہوں برج قوس کی خوبی خامی موجود ہے۔ متحرک رہنا، محنت کرنا لیکن موڈی ہوں۔ کبھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ آرام کرنا۔ کبھی زندگی کے مسائل انتہائی پر عزم بنا دیتے ہیں۔

راہ تاریک سہی پھر بھی ملے گی منزل
صرف اک عزم کی قندیل جلا دی جائے

(2) جو خوش گوار تبدیلی فیملی میں آئی وہ یہ کہ بہنیں اپنے گھروں کی ہوئیں، نئے رشتے ملے۔ بھانجے دنیا میں وارد ہوئے۔ جیسے جیسے دنیا اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ذاتی اور اجتماعی بہت سے خسارے حصے میں آ رہے ہیں۔ اخلاقی خسارہ، پیار و محبت کے خسارے، سب سے بڑھ کر دین کا نقصان۔

آنے والے سال میں اللہ سے توقعات ہیں۔ اپنے لیے اپنے میاں، والدین کے لیے وطن اور امت مسلمہ کے لیے کہ 2022 کا ہر سورج خوشی کا سورج ہو۔

ہوتا نہیں ہے ختم فتیل آس کا سفر
پاؤں کٹے ہوئے ہیں مگر چل رہے ہیں لوگ

معافیہ شہباز.....ڈسکہ سیالکوٹ

(1) قارئین کی محفل میں خاص طور پر کسی سروے میں بائیس تیئیس سال بعد لکھنے بیٹھی ہوں۔ آج گر کر پاؤں پہ پٹی باندھ کر لیٹی ہوں سوچا کہ کسی اپنے کو لکھوں آج امی نہیں، دل کرتا ہے وہ ہوں تو انہیں بتاؤں میرا خط شعاع میں آیا ہے مگر زندگی کاش سے بھری پڑی ہے، یہ بات کر کے آپ نے لوگوں کے دل کی بات کہہ دی ہمارے بجٹ پر تو اتنا اثر نہیں پڑا مگر جب باجی کام والی کہتی ہے گزارا نہیں ہوتا تب تکلیف ہوتی ہے یہ سوچ کر کہ کیسے مزدور روٹی کا بندوبست کرتا ہے اور اگر روٹی پوری ہو جائے تو گھر میں بیٹھی بیٹی کے سر پر چاندی کے تار چمکنے لگ جائیں یا پھر وہ ساری زندگی کے لیے اسے بغیر جہیز کے لوگوں کے طعنے سننے کے لیے اگلے گھر رخصت کر دے گا، اس مہنگائی میں بچت کرنے والے بھی بغیر بچت کے ٹائم نکال رہے ہیں۔ مڈل کلاس لوئر مڈل بن چکی ہے اور کئی لوئر مڈل کلاس والے صرف اس لیے جی رہے ہیں کہ مر نہیں سکتے، دل پریشان اور آنکھیں نم ہونے کے باوجود صرف اور صرف دعا کر سکتی ہیں اس کا رحم رحمت بن کر ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لے آمین۔

(2) پچھلا سال شروع ہوا تھا تو کچھ سوچیں تھیں جنہیں لے کر چلے تھے جن میں اپنی اصلاح پہلے تھی اور ایک عادت جو مجھ میں تھی وہ یہ کہ کسی بھی چیز کو لے کر

www.pklibrary.com

پریشان ہوتے رہنا۔ وہ میں نے کوشش سے ختم کی۔ کوئی بھی پریشانی ہو مگر اسے اگلے دن میں شامل نہیں کرتی، کسی سے بھی شکوہ ہوا سے معاف کرنا شروع کیا اور جب معاف کیا تو پورا معاف کیا جیسے اللہ معاف کرتا ہے تو آدھا نہیں کرتا اس کے علاوہ ایک اور کامیابی کہہ لیں، سوچ کہہ لیں مجھے جب لگتا ہے میں کسی معاملے میں اکیلی ہوں تو اور اگر میں اس معاملے میں حق پر ہوں تو ایک سوچ کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔

اسکول کی کامیابی حاصل ہوئی، چھوٹے سے گاؤں میں رہتے ہوئے 505 میں سے 502 نمبر حاصل کیے اپنا نیا اسکول کا کام شروع کیا ایک ایکڑ پر بچوں کے اسکول کے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، خاص طور پر میرے نظریاتی بچوں جنہیں میں اپنے اساتذہ جو کہ میرے ساتھ کام کرتے ہیں میری مثبت سوچ، میری جدوجہد، ننھے منے ملک کے ستاروں کو روشن کرنے کی کوشش میں میرا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ چمکتے جگنو میرے ساتھی ہیں ان میں میری ٹیچرز میری معاون ہیں میں ان کی ممنون ہوں۔ ہم وہ تعلیم دینا چاہتے ہیں جو کہ انہیں ان کا تشخص برقرار رکھنے میں مدد دے جو قارئین بہنیں اس شعبے سے منسلک ہیں خدارا اپنے ستاروں کو اپنے فلک کو روشن کرنے والا بنائیں تاکہ غیروں کی پوجا کرنے کے لیے۔ آخر میں میں اپنی اساتذہ آصفہ، عاصمہ، ماہم، ناہیدہ، عمارہ، طیبہ، علیزہ، مدیحہ مالک، مدیحہ افضل، میمونہ، آسیہ، رخسار، فاطمہ، ساجدہ، شمسہ، زوتیرہ، تہمینہ، نائلہ، آصفہ شوکت، زونیرہ ارشد اور سب سے بڑھ کر اپنے شوہر کی بے حد ممنون ہوں۔ آپ سے ملتمس ہیں کہ ہمارے لیے دعا گو ہوں تاکہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکیں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوب صورت ناول

فصل غم کا گوشوارہ

رضیہ جمیل

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

بتول شاہ..... خیر پور

(1) یہ واقعی سچ ہے کہ بڑھتی مہنگائی نے کچھ لوگوں پر چنداں اثر نہیں ڈالا لیکن متوسط طبقے کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے لہٰذا ہمارے بجٹ پر بھی مہنگائی نے اثر انداز ہونا تھا لیکن پروردگار کا شکر ہے کہ اس نے سفید پوشی کا بھرم قائم رکھا ہوا ہے، الحمدللہ۔

(2) سوال عام سا ہی ہے لیکن دل کو درد سے بھر گیا ہے، آہ!۔

سال گزشتہ کوئی خوش گوار تبدیلی تو نہ دے سکا البتہ ہمارے معاشرے کے جاہلانہ خیالات کے مطابق عمر بھر کے لیے داغ ضرور لگا گیا۔ سال کے آغاز میں ہی منگنی کے فقط ڈھائی ماہ بعد لڑکے والوں کے سارے مطالبات پورے کرتے ہوئے والدین نے خوب دھوم دھام سے میری شادی کی اور ہر موقعے پر مجھے صبر و استقامت کے ساتھ معاملہ فہمی کا درس دیا۔ حالانکہ یہ عقدہ تو پہلی رات ہی کھل گیا تھا کہ یہ حضرت سرے سے شوہر بننے کے اہل ہی نہیں ہیں لیکن ان کی منت سماجت کہ امید رکھو، ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں وغیرہ وغیرہ کا بھرم رکھتے ہوئے ان کے گھر والوں کے مظالم برداشت کرتی رہی لیکن انجام پھر بھی وہی جیسا کہ ان حالات میں ہوتا ہے۔

آدھی رات کو ان کی والدہ اور بہن بھائیوں نے مجھ پر تشدد کر کے مجھے گھر سے نکال دیا اور موصوف خاموش تماشائی بنے رہے اور اپنی عزت بچانے کی خاطر مجھے فون کر کے فرمایا کہ میں نے شادی کر کے غلطی کی ہے، مجھے معاف کر دینا۔ (اللہ پوچھے گا ان کو)۔

اللہ کا کرم ہے کہ میرے گھر والوں نے اس مشکل ترین وقت میں میرا ساتھ دیا اور ذہنی طور پر مستحکم کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آنے والے سال میں امید ہے کہ مالک زندگی میں بہاریں عطا کرے گا اور دعا ہے اللہ اتنی خوشیوں سے نوازے کہ غم کا شائبہ تک نہ رہے، آمین۔

www.pklibrary.com

وریٰ اپنی نانی اور ماموؤں کے ساتھ رہتی ہے، اس کی ماں مر چکی ہے۔ گھر میں دو ماموں، ممانی اور ان کے بچے ہیں۔ ان میں آپس میں اچھے تعلقات ہیں مگر بڑی ممانی اسے پسند نہیں کرتی ہیں۔ عباد ان کا بیٹا ہے۔

آتش جو سراپا اسرار ہے، وہ لوگوں کو اپنی گفتگو سے زیر کرتا ہے۔ اس کے بے شمار عقیدت مند ہیں۔

بی زیڈ ایک بے ہوش لڑکی کو لے کر آتش کے ہاں پہنچ جاتی ہے۔ آتش اپنے اسسٹنٹ خاقان کے ذریعے ڈاکٹر کو بلاتا ہے۔ نانی وریٰ کو پڑھانے کی ذمہ داری عباد پر ڈال دیتی ہیں۔

لڑکی ہوش میں آتی ہے لیکن حواسوں میں نہیں۔ اپنا نام تک نہیں بتا سکتی۔ آتش کے گھر پولیس آجاتی ہے۔

پولیس کا نام سن کر بی زی گھبرا جاتی ہے۔ آتش اسے پرسکون رہنے کا کہتا ہے۔ پولیس انسپکٹر امیر علی اپنے جونیئر فاروق احمد کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ آتش کو تربیتی ورکشاپ میں مدعو کرتا ہے۔ فاروق احمد تھوڑا تلخ ہے۔

عباد، وریٰ کو پڑھانے بیٹھے ہیں، وریٰ بتاتی ہے کہ وہ کمباٹن امتحان دے رہی ہے، جسے ہر سبجیکٹ انتہائی مشکل لگتا ہے۔

فیروزہ کی بیٹی شونا کی شادی ہوتی ہے، اس میں بالی کا بھی نکاح کر دیا جاتا ہے، بالی انتہائی کم عمر ہے۔

شاکر فیروزہ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کے حکم پر گھر تعمیر کروا رہے ہیں۔ ان کے والد بنگلہ دیش میں کاروبار کے

اُمتُ العزیز شہزاد

والعصر

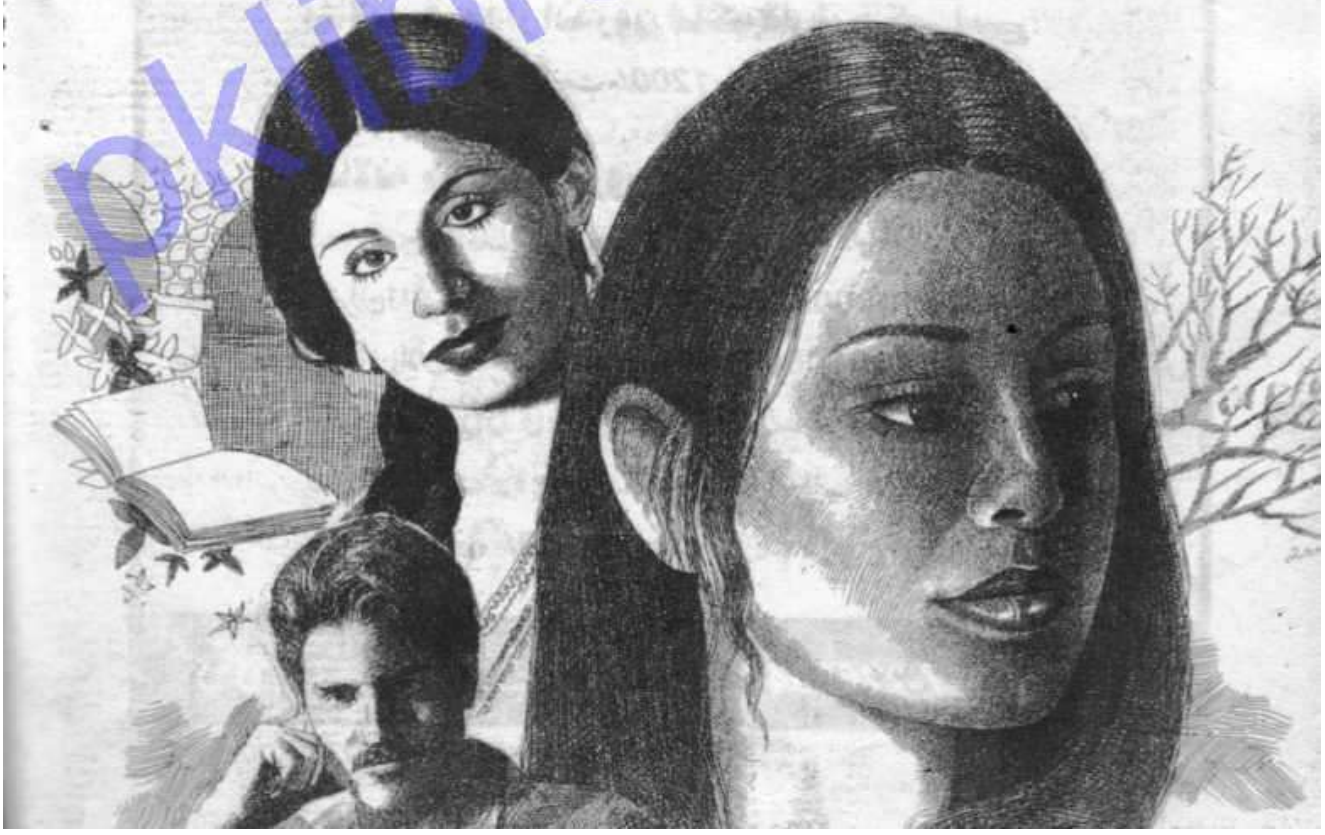

pklibrary.com

www.pklibrary.com

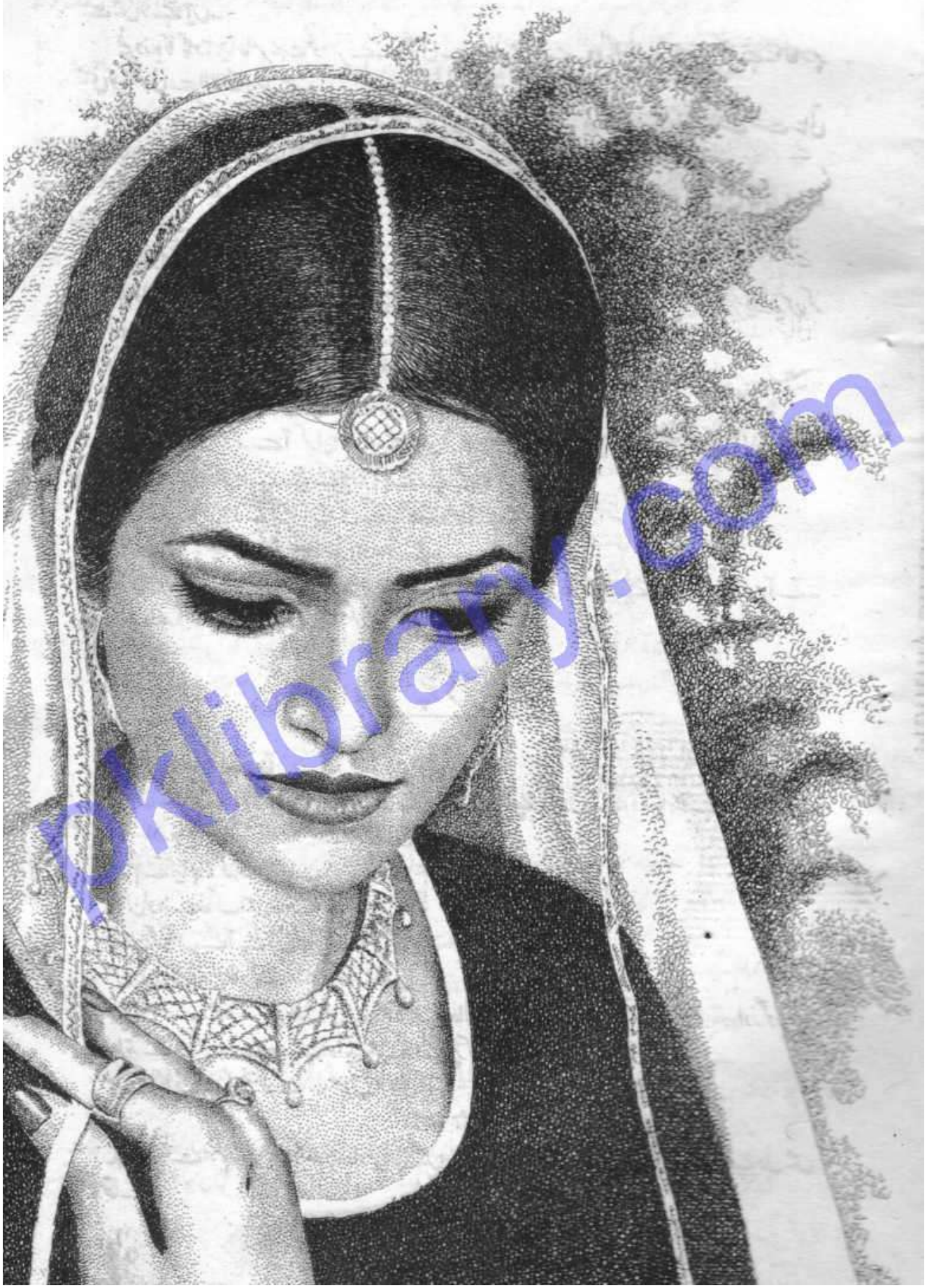

pklibrary.com

www.pklibrary.com

سلسلے میں رہتے ہیں۔

فیروزہ کا چھوٹا بیٹا عامر بہت خودسر ہے۔ وہ عیسیٰ سے بہت چڑتا ہے۔ وہ ماں سے پیسے مانگتا ہے۔ انکار پر عیسیٰ کو بالکونی سے الٹا لٹکا دیتا ہے۔

شریفہ عباد کے وریٰ کو پڑھانے پر سخت ناراض ہیں۔ وہ عباد کے ساتھ ساتھ وریٰ کو بھی سخت سست سناتی ہیں۔ عباد وریٰ کو پڑھانے سے انکار کر کے ٹیوٹر کا انتظام کر دیتے ہیں۔

عیسیٰ وریٰ کو ٹیوشن پڑھانے لگتا ہے۔ آتش کدے میں شرر نام کا بندہ آتا ہے جو آتش کی باتوں سے اختلاف کرتا ہے۔

عیسیٰ کو ایک اچھے مشنری اسکول میں داخلہ دلانے پر عامر ناراض ہوتا ہے۔

عباد لیاقت بیگم کو عیسیٰ کے متعلق بتاتے ہیں۔ وریٰ کہتی ہے کہ اسے عیسیٰ سے نہیں پڑھنا۔ شریفہ یہ سن کر اسے سخت سناتی ہیں۔ لیاقت بیگم سب سمجھتے ہوئے بھی خاموش ہو جاتی ہیں۔

بی زی کی فلم کے بارے میں پریس کانفرنس ہوتی ہے، اس میں صحافی الٹے سیدھے سوال کرتے ہیں۔ ڈائریکٹر کو غصہ آتا ہے لیکن بی زی اس صورت حال کو سنبھال لیتی ہے۔

سید صاحب ڈھاکہ سے آ کر اپنا گھر دیکھتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ سارے خاندان کی دعوت کی جاتی ہے۔ فیروزہ کی اماں اپنے بیٹے کے کاروبار کے لیے پیسے مانگتی ہیں۔

وریٰ کے ناراض ہونے پر مفتاح اس کے ساتھ لڈو کھیلتا ہے۔ رجایہ دیکھ کر افسردہ ہو جاتی ہے۔

بی زی کے ایکسیڈنٹ کی فوٹیج وائرل ہو جاتی ہے۔

عیسیٰ فیروزہ سے شکایت کرتا ہے کہ سید صاحب اگر اس کے ابو ہیں تو اسے لینے اسکول کیوں نہیں آتے۔ سید صاحب وعدہ کر لیتے ہیں کہ وہ اسے اسکول لینے آئیں گے۔

چوتھی قسط

ابن سلیمان!

اے خلاق کے نقطہ عروج.....

ہر نقص سے پاک وہ ذات اقدس کہ جس نے بنایا تمہیں اپنے ہاتھوں سے، وہ چاہتا ہے کہ تم پہچانو اپنی عظمت.....اور جانو اپنی اصل قدر و قیمت تا کہ فلاح پا جاؤ۔

اور تم نے کیا جانا کہ فلاح کیا ہے؟

تو سن لو، اے خاک ابن خاک.....

وہ دن کہ جس کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں.....

اس دن مینار نور پر فاتح بن کر جلوہ گر ہونا فلاح ہے.....

اور باقی سب دھوکا.....ایسا دل فریب دھوکا جو بہر حال ''حقیقت'' ہے۔ پر تم نہیں سمجھتے.....اور گونگے، بہرے، اندھے بن کر دوڑے جا رہے ہو ایک ایسے راستے پر کہ جس کے اختتام پر منزل نہیں.....

صریح ناکامی تمہاری منتظر ہے.....صریح ناکامی!

☆☆☆

نیلی جلد والے البم میں ابھی متعدد تصاویر باقی تھیں۔ پر انہیں دیکھنے کی خواہش فی الوقت وہ اپنے دل میں نہ پاتا تھا۔

www.pklibrary.com
سو بس یوں ہی اپنے بکھرے، اجڑے بے رنگ سے کمرے کے ملگجے بستر پر چت پڑا، بڑی دیر سے گرد و غبار سے اٹے پنکھے کو ایک ہی دائرے میں ہولے ہولے گھومتا دیکھ رہا تھا.....

معاً.....اسے گھومتے پنکھے کی سطح پر ایک منظر ابھرتا محسوس ہوا.....

ڈھلتی شام کا ایک شناسا منظر.....

اس نے دیکھا کہ وہ چھٹی کے وقت اپنے اسکول کے وسیع و عریض احاطے میں کھڑا ہے۔ اس کے اردگرد سے گزر کر دیگر طلباء و طالبات اپنے پھول جیسے بے فکر چہروں پر گھر لوٹنے کی مسرت لیے بھاگتے دوڑتے اپنی اپنی سواریوں کی جانب بڑھ رہے تھے۔

تب ہی اس کے ہم جماعت جون گیبرئیل نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے ٹھس کھڑا دیکھ کر ٹوکا۔

''ہے عیسیٰ! آج گھر نہیں جانا کیا؟ وین آ گئی ہے۔''

''ہاں، تم جاؤ۔'' وہ جو نگاہوں کے زاویے بدل بدل کر بے چینی سے سید صاحب کو ڈھونڈنے میں منہمک تھا، جون کی آواز پر چونک کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے جوش و خروش سے گویا ہوا۔

''میں آج اپنے ابو کے ساتھ گھر جاؤں گا۔''

''پھر ٹھیک ہے۔'' وہ جواباً انگریزی میں بولا۔ ''میں چلتا ہوں۔''

وہ اپنا بیگ سنبھالتا تیزی سے اپنی وین کی سمت بڑھ گیا اور عیسیٰ جو سید صاحب کی آمد کے حوالے سے اب تک بڑا پرامید تھا، تیزی سے خالی ہوتے احاطے کو دیکھ کر اس بار ذرا تشویش میں پڑ گیا۔

''اگر جو ابو مجھے لینے نہ آئے تو.....تو میں آج گھر کیسے پہنچ سکوں گا؟'' اور اس خیال نے اسے قدر ہراساں کر دیا کہ اسے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔

تب اس نے آخری کوشش کے تحت اپنی بے تاب نظروں کو سید صاحب کی تلاش میں یہاں وہاں دوڑایا اور اس بار بھی انہیں کہیں نہ پا کر گویا مکمل مایوسی سے پلٹ کر، روانگی کے لیے بالکل تیار کھڑی اپنی وین کی سمت مردنی سے بڑھنے لگا۔

''عیسیٰ!'' اسی لمحے اپنے عقب سے اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی۔

''عیسیٰ!'' آواز چونکہ شناسا تھی، سو اس کے بڑھتے قدم خود بخود ٹھہر گئے اور اس نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔

''ابو!'' سامنے سید صاحب اپنے چہرے پر سنجیدگی و بردباری مگر آنکھوں میں اس کے لیے نرم سا تاثر لیے کھڑے تھے۔ وہ دیوانہ وار ان کی جانب دوڑ گیا۔

''آپ آ گئے۔'' سید صاحب اس کے چہرے پر بکھری معصومیت آمیز مسرت و بے تحاشا حیرت دیکھ کر مسکرا دیے۔

''ہاں، کل کہا جو تھا کہ تمہیں لینے آؤں گا۔''

''مگر میں سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ بھول گئے۔''

''نہیں، بھولا تو نہیں تھا۔'' انہوں نے بتایا۔ ''البتہ آنے میں ذرا تاخیر ہو گئی، بہرحال اب چلیں۔''

''چلیں.....'' وہ سراپا مسرت بن کر بولا۔

''لاؤ، اپنا یہ بیگ مجھے پکڑا دو۔ پہلے ہم یہاں سے پیدل ایمپریس مارکیٹ جا کر کچھ خشک میوہ جات وغیرہ کی خریداری کریں گے۔ وہاں سے گھر جائیں گے۔ ٹھیک ہے نا، کہیں تم تھک تو نہیں جاؤ گے؟'' وہ اس کا سارا

www.pklibrary.com

بوجھ خود ڈھو کر بھی اس کی تھکاوٹ کے احساس سے متفکر تھے۔

"نہیں.....نہیں.....نہیں میں بالکل نہیں تھکوں گا۔" وہ مارکیٹ جانے کا سن کر چاق و چوبند سے لہجے میں جلدی سے بولا۔

"بس تو پھر چلو۔" انہوں نے اس کا ننھا سا ہاتھ بڑی مضبوطی سے تھاما اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اسکول کے صدر دروازے کی سمت بڑھ گئے اور ان کے ساتھ ہی بڑھ رہی تھی وہ کہانی کہ جس نے اب جلد ہی ایک نئی سمت کا رخ کر لینا تھا۔ پر ظاہر ہے کہ وہ بے خبر تھے۔

اور اس "بے خبری" کو ہر بار نعمتوں ہی میں تو شمار کیا نہیں جا سکتا۔

☆☆☆

"کیا جادوگری ہے یہ۔"

وہ ابھی ابھی اپنی سیاہ رولس رائیز سے اتری تھی اور اس کے اترتے ہی لاتعداد کیمروں کی فلیش لائٹوں نے اسے جگمگا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی نگینے جڑی سیاہ ہیل کے نیچے زمین نہیں بلکہ سرخ قالین تھا اور یہ سرخ قالین ہرگز بھی معمولی نہ تھا۔ دراصل یہ خوابوں کی راہ گزر تھی۔ ان خوابوں کی کہ جن کی تعبیر پانے کا خواب اگر وہ کبھی خوابوں میں بھی دیکھا کرتی تو بے یقینی سے گویا خود پر ہنس دیتی تھی۔ پر آج وہ یہیں تھی۔

یہ کانز کا فلمی میلہ تھا۔ جہاں اسے بطور خاص مدعو کیا گیا تھا اور اب وہ اپنا تاروں جڑا فرشی سیاہ گاؤن لہراتی، بل کھاتی بے تحاشا مسکرا مسکرا کر اردگرد دیوانوں کی طرح اس کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر بے تاب کھڑے مداحوں کی جانب نزاکت سے ہاتھ ہلا کر، ان کی جانب ہوائی بوسے اچھالتی آگے بڑھ رہی تھی کہ معاً چہار اطراف سے اسے "زوں.....زوں" کی آواز سنائی دی۔

"زوں.....زوں.....زوں" آواز اس مرتبہ اس قدر نزدیک سے ابھری تھی کہ اس کی خواب دیکھتی آنکھیں بے اختیار کھل گئیں۔

کمرے میں چوں کہ مکمل اندھیرا تھا سو ایک پل کو وہ گھبرا سی گئی۔ کچھ سجھائی ہی نہ دیا کہ آیا وہ ہے کہاں؟ پر دوسرے ہی پل وہ مسلسل ہوتی زوں.....زوں کے سبب حواسوں میں لوٹی اور ہاتھ مار کر تکیے کے نیچے سے اپنا متواتر بجتا بے آواز فون برآمد کرتے ہوئے کوفت زدہ سے لہجے میں بڑبڑائی۔

"یہ صبح ہی صبح کسے مصیبت پڑ گئی؟" پر اسکرین پر جگمگاتا "مصیبت" کا نام دیکھ کر کوفت کی جگہ حیرت نے لے لی تھی۔ تب ہی وہ جلدی سے فون کان سے لگاتے ہوئے اچنبھے سے بولی۔

"ہیلو فصیح! کیا ہوا؟"

"یو ڈیم اٹ۔" دوسری جانب وہ اس کی آواز سنتے ہی حقیقتاً چنگھاڑ کر بولا۔ "یہ تم نے کیا کر دیا؟"

"ایکسکیوز می۔" وہ جواباً حد درجہ ناگواری سے بولی۔

"ہوا کیا ہے، میں کچھ بھی نہیں؟" ایک تو گہری میٹھی نیند سے یوں ہڑبڑاہٹ میں بے داری مستزاد اس کا درشت لب و لہجہ۔

بی زی کا دماغ صحیح معنوں میں چکرانے لگا۔

"سمجھو نہیں، دیکھو۔" وہ چبا چبا کر بولا۔ "دیکھو سوشل میڈیا پر جا کر کہ تمہارے نام پر کیسی تھو تھو ہو رہی ہے۔"

"پر میں نے کیا کیا ہے؟" وہ بے اندازہ پریشانی سے بولی۔

"انٹرسٹنگ۔" وہ زہر خند سا مسکرا کر بولا۔ "یعنی تمہیں معلوم ہی نہیں کہ تم کیا کر چکی ہو۔"

www.pklibrary.com

''کیا بول رہے ہو؟'' لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے دماغ کی سرخ بتی نے روشنی کر کے کسی جانے پہچانے سے خطرے کا احساس دلایا تھا۔ تب ہی اس بار وہ سراسیمگی سے بولی۔

''کیا کر دیا ہے میں نے، کچھ بتاؤ تو سہی۔''

''ویڈیو بھیج رہا ہوں، دیکھ لو اسے۔'' اس نے درشتی سے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا اور ٹھیک ایک منٹ بعد اسے وہ ویڈیو موصول ہوئی۔

وہ ویڈیو کہ جسے دیکھ کر اس کی آنکھیں صدمے سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

''تم اتنی دیر سے بونٹ پر جھکے آخر کر کیا رہے ہو مفتاح!'' بیس منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد، سڑک کنارے گرمی و پسینے سے بے حال عینا کے ضبط کا پیمانہ بالآخر لبریز ہو ہی گیا تھا۔ دراصل میک ڈونلڈ سے واپسی پر تھوڑی دور چلتے ہی بدقسمتی سے ان کی گاڑی نے مزید چلنے سے انکار کر دیا تھا اور اس سے بھی زیادہ بدقسمتی کا سامنا اب انہیں یوں تھا کہ خواہ مخواہ مفتاح ہیرو بننے کی کوشش میں پچھلے پندرہ منٹ سے بونٹ میں منہ دیے اللہ جانے کسی خزانے کی تلاش میں تھا یا پھر کسی اور شے کی..... کیوں کہ فالٹ تو تا حال وہ ڈھونڈنے سے قاصر تھا۔

''میرے حال پر رحم کھاؤ۔'' اپنے فیشل زدہ چہرے کو جارجٹ کے دھانی دوپٹے سے ڈھانپنے میں بے حال عینا جلبلاتے ہوئے گویا تھیں۔

''پرسوں میری مایوں ہے۔ اگر آج دھوپ سے میرا چہرہ جھلس گیا تو پیلے کپڑوں میں کالی بھوتنی ہی لگوں گی میں۔''

''بھوتنی کیوں؟'' وہ بونٹ سے سر اٹھا کر انہیں دیکھتا ہوا بولا۔

''آپ وہ کالی چڑیل بھی تو لگ سکتی ہیں کہ جس کے قصے دادی بیگم ہمیں بچپن میں سنا سنا کر ڈرایا کرتی تھیں۔''

''رہنے دو مفتاح!'' رجا کو بروقت یاد آیا۔ ''وہ چڑیل تو بعد میں چڑیل بنی تھی، پہلے تو اچھی خاصی خوب صورت ہوا کرتی تھی۔''

''یعنی تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ عینا بجو پہلے ہی سے چڑیل صورت ہیں؟'' واثلہ کا دل بھر آیا۔

''ہیں.....'' رجا کا منہ کھل گیا۔ ''میں نے یہ کب کہا؟''

''ڈائریکٹ تو نہیں کہا۔'' واثلہ نے منہ بنایا۔

''پر جو کہا اس کا ان ڈائریکٹ مطلب یہی نکلتا ہے۔ ہے نا واثلہ! تم یہی کہنا چاہ رہی ہو نا؟'' وریٰ اس کی بقیہ بات اچک کو بولی تو اس بار عینا بھنا گئیں۔

''خاموش ہو جاؤ تم لوگ۔'' وہ ان کو ڈپٹ کر بولیں۔ ''سڑک کنارے کھڑی ہو، تھوڑا سا احساس کر لو..... اور مفتاح! تم بتاؤ مجھے کہ گاڑی میں کیا مسئلہ ہے؟''

''آں..... ہاں..... ہوں.....'' مفتاح نے پہلے بالوں میں ہاتھ پھیرا، پھر کان کی لو کھجائی۔ دوبارہ بونٹ میں جھانک کر بالآخر بولا۔

''دیکھ تو رہا ہوں، پر سمجھ میں نہیں آ پا رہا۔''

''جب کچھ سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تو دیکھ کیا رہے ہو۔''

انہوں نے شدید طیش میں آ کر دانت پیسے۔

www.pklibrary.com

''دیکھوں گا تو سمجھوں گا نا۔'' وہ اتنے مزے سے بولا کہ رجا بے اختیار مسکرادی پروری..... وہ حسب عادت گردوپیش کی پروا کیے بغیر کھلکھلا اٹھی۔

اور عین اسی وقت ان کے نزدیک نئی نکور کالے رنگ کی ہونڈا سوک نے بریک لگائے تھے۔

''ہیلو مفتاح!'' گاڑی کے خود کار شیشے نیچے ہوتے ہی کھڑکی میں ایک چہرہ نمودار ہوا۔ سرخ و سفید رنگ..... ہلکی بھوری بادامی آنکھیں.....

کشادہ پیشانی پر پڑے کالے سیاہ ریشمی بال..... کسرتی بازو اور چوڑی، بالوں سے پر کلائی میں پڑا کالا ڈورا.....

''ارے سہراب! تم.....'' مفتاح چونک کر آواز کی سمت گھومتے ہوئے خوش گوار حیرت سے بولا۔ ''تم یہاں کیسے؟''

''ادھر ایک دوست کی دعوت پر آیا تھا۔'' اس نے مسکرا کر بتایا۔ قاتلانہ مسکراہٹ.....

''پر تمہیں کیا ہوا، یہاں اس طرح راستے میں پریشان کیوں کھڑے ہو؟''

''گاڑی دغا دے گئی یار!'' وہ سر کھجا کر قدرے شرمندگی سے بولا۔

''اور اب سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کروں؟''

''کرنا کیا ہے۔'' وہ اس کے مسئلے کا حل پیش کرتے ہوئے بولا۔ ''اسے یہیں لاک کر کے آجاؤ میرے ساتھ۔ کسی مکینک کو لے آتے ہیں۔''

''نہیں یار!'' ظاہر ہے وہ اپنے عقب میں موجود ان چاروں کو یہاں یوں تنہا چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہا تھا، تب ہی سہولت سے انکار کرتا ہوا بولا۔

''تم جاؤ، میں مینیج کرلوں گا۔''

''کیا مینیج کرلو گے؟'' اچانک عینا نے چمک کر گفتگو میں مداخلت کی۔ ''اتنی دیر سے ہمیں گرمی میں یہاں کھڑا کر رکھا ہے، جب دوست کہہ رہا ہے ساتھ جا کر مکینک لانے کو تو چلے جاؤ۔''

''اوہ.....'' وہ بڑے بھرپور انداز سے یوں چونکا گویا نگاہ ابھی ابھی ان سب پر پڑی ہو۔ ''آپ سب اس کے ساتھ ہیں۔''

''ہاں۔'' مفتاح خفیف سا ہو کر بولا۔ ''بہنیں اور کزنز ہیں۔''

''کمال کرتے ہو یار!'' وہ مفتاح کو شرم دلانے والے لہجے میں بولا۔ ''یعنی اتنی دیر سے فیملی کو راستے میں لیے کھڑے ہو، آجائیں آپی!''

اس نے بولتے بولتے اس بار براہ راست عینا کی سمت دیکھ کر انہیں مخاطب کیا۔

''میں پہلے آپ لوگوں کو گھر ڈراپ کردوں، مکینک بعد میں آتا رہے گا۔'' اس کا لہجہ حتمی تھا، عینا بوکھلا گئیں۔

''نہیں..... نہیں۔'' وہ جلدی سے بولیں۔ ''ہم کوئی رکشہ یا ٹیکسی لے کر گھر چلے جائیں گے۔ آپ مفتاح کو لے جائیں۔''

''کیا بات کردی آپ نے۔'' وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر آیا۔

خوش قامت و خوش لباس..... کہ جس کے پاس سے کسی بیش قیمت پرفیوم کی مہک آتی تھی اور وہ ان کے نزدیک آکر کہہ رہا تھا۔

''مفتاح کی فیملی..... یعنی میری فیملی..... آجائیے گاڑی میں بیٹھیے۔''

www.pklibrary.com

اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہہ پاتا، وریٰ آگے بڑھی۔
''اتنی دیر سے کھڑے کھڑے میری تو ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ کوئی اور بیٹھے یا نہ بیٹھے، میں تو بھئی گاڑی میں بیٹھ رہی ہوں۔''

☆☆☆

''بیٹے عیسیٰ! میں تم سے ایک سوال پوچھوں۔''
آج پھر گزرے دنوں کے ایک منظر نے اس کی بے خواب آنکھوں کو یرغمال بنا رکھا تھا اور تاوان میں دید مانگی تھی۔ سو وہ دیکھ رہا تھا، ایک ایسا منظر کہ جو شاید اس کا درماں تھا مگر اب درد بن چکا تھا۔ اس روز سید صاحب اسے اسکول سے ہم راہ لیے ایمپریس مارکیٹ چلے آئے تھے۔ راستے بھر وہ اسے بتاتے رہے کہ پیدل چلنے والوں کو سڑک پر کس جانب اور کس طرح چلنا چاہیے؟ سڑک پر نصب اشاروں کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ آنے والی سڑک پار کرنی ہو تو پہلے کہاں دیکھنا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔
پہلے تو انہوں نے مطلوبہ اشیاء کی خریداری کی بعد ازاں اسے وہاں کی مشہور لسی پلانے بٹھالیا۔ اگرچہ لسی اسے مرغوب نہیں تھی مگر پھر بھی وہ اسے پینے کی کوشش کرنے لگا ہی تھا کہ تب ہی انہوں نے اس کی جانب مشفق نظروں سے دیکھ کر ایک دم پوچھا۔
''جی ابو، پوچھیے۔'' وہ آج سے پہلے سید صاحب کو سخت طبیعت، جابر اور کسی قدر خوف ناک گردانتا تھا پر آج اس کے نظریات اپنے والد کے بارے میں یکا یک تبدیل ہو گئے تھے، تب ہی ان سے ڈرے یا گھبرائے بغیر، نزدیک دھرے قیمتی گیند بلے اور ڈھیروں ڈھیر خشک میوہ جات کو دیکھتے ہوئے مسرور سے لہجے میں بولا۔
''کیا تم جانتے ہو کہ تم کون ہو؟'' ذرا توقف کے بعد انہوں نے اس کی عمر کے حساب سے مناسب ترین الفاظ کا چناؤ کر کے اس سے استفسار کیا۔
''ہاں میں عیسی ہوں..... مسلمان اور پاکستانی۔'' اسکول میں اس عنوان کے تحت جو مضمون اسے لکھوایا گیا تھا، اس کی ابتدائی سطور اس نے ان کے سامنے جھٹ سے دہرا دیں۔
''ہوں۔'' انہوں نے لسی کا گلاس خالی کر کے ایک جانب رکھتے ہوئے متانت سے اثبات میں سر ہلایا۔
''اس کے علاوہ اپنے بارے میں اور کیا جانتے ہو تم؟''
''اس کے علاوہ.....'' ایک تو لسی کا گلاس ختم کرنے کی مصیبت اس کے گلے پڑی ہوئی تھی۔ مستزاد ان کا یہ اس کی سمجھ میں نہ آنے والا دقیق سوال..... وہ تو حقیقتاً بہت پریشان ہوا تھا۔
''اس کے علاوہ تو میں اور کچھ نہیں جانتا۔''
''کوئی بات نہیں۔'' وہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھتے ہوئے حلاوت سے بولے۔ ''نہیں جانتے، تو اب جان لو..... جان لو کہ تم اللہ کی سب سے بہترین تخلیق ہو۔ اسی لیے تم پر ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ تم پر ذمہ داری ہے، اچھے اچھے کام کرنے اور خود کو برائیوں سے بچانے کی۔''
''اچھے اچھے کام جیسے دعا کرنا، لوگوں کے کام آنا۔ مل جل کر رہنا اور ہمیشہ سچ بولنا..... ہے نا ابو؟'' اسے اس لمحے خود پر بے حد فخر محسوس ہوا کہ چلو بری باتوں کا نہ سہی پر اچھی اچھی باتوں کا تو اسے علم تھا نا..... ان کا بھی نہ ہوتا تو باپ کے سامنے کیسی سبکی ہو جاتی۔
''ہاں میرے بچے۔'' سید صاحب کو اس کے جواب نے مسرور کر دیا۔
''یہ ساری اچھی باتیں ہیں، انہیں تم نے اپنانا ہے اور برے کاموں سے دور رہنا ہے ہمیشہ۔''

www.pklibrary.com

''یہ ساری اچھی اچھی باتیں تو مس ڈورتھی اسمتھ نے ہمیں بتائی ہیں۔'' وہ بولا۔ ''پر برے کاموں کے بارے میں مجھے کچھ نہیں پتا۔ ان کا آپ مجھے بتا دیں تا کہ میں ان سے دور رہ سکوں؟''

سوال معصومیت سے لبریز مگر ایسا گمبھیر تھا کہ جس کا جواب دینے کے بجائے وہ اس مخمصے میں پڑ گئے کہ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

پر جواباً کچھ تو کہنا ہی تھا سو خاصے محتاط الفاظ کا چناؤ کیا تھا، انہوں نے اس بار.....

''دیکھو بیٹا!'' وہ بولنے لگے۔ ''جیسے جھوٹ بولنا، بڑوں کا کہا نہ ماننا۔ پڑھائی میں سستی کا مظاہرہ کرنا، لڑنا جھگڑنا یہ سارے برے کام ہیں۔''

وہ اس عمر میں برائیوں کے باب میں اسے اور کیا تفصیل بتاتے سو اسی قدر کہہ کر چپ ہو رہے مگر وہ جو پوری توجہ، دلچسپی اور انہماک سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کے خاموش ہوتے ہی جلدی سے پوچھنے لگا۔

''ابو..... دنیا میں صرف یہی برے کام ہیں؟''

''نہیں اور بھی ہیں۔'' وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔ ''جو تم وقت کے ساتھ ساتھ جان ہی لو گے، پر آج مجھ سے وعدہ کرو کہ ہر برے کام سے بچنے کی پوری کوشش کرو گے؟''

''جی ابو..... میں وعدہ کرتا ہوں۔'' اور اس نے جھٹ سعادت مندی سے وعدہ کر لیا تھا۔ ایک ایسا وعدہ کہ جس کی بڑی بھاری قیمت اسے آئندہ چکانا تھی۔

☆☆☆

''کیسے..... میں نے کیسے سوچ لیا کہ کامیابی اتنی آسانی سے مجھے مل جائے گی۔''

وہ فصیح خان کی بھیجی ویڈیو دیکھنے کے بعد، ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر جس ابتر حلیے میں تھی، اسی میں گویا آندھی طوفان کی رفتار سے آتش کدے پہنچی تھی۔

اس وقت گھڑی دن کے دس بجا رہی تھی اور یہ وقت آتش نے لکھنے لکھانے کے حوالے سے مخصوص کر رکھا تھا۔ چوں کہ بی زی اس بات سے واقف تھی سو سیدھا اسٹڈی روم ہی میں چلی آئی اور اب پچھلے پندرہ منٹ سے آتش کے بالمقابل براجمان، اسی ایک جملے کی متواتر گردان کرتے ہوئے چھکوں پھکوں روئے چلی جا رہی تھی۔

''جب سے آئی ہو روئے جا رہی ہو۔'' وہ اس وقت اپنی پانچویں کتاب کا پہلا باب تحریر کر رہا تھا جس وقت بی زی کمرے میں داخل ہوئی اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی اس غیر معمولی آمد کا سبب دریافت کر پاتا، وہ ضبط کھو کر رو پڑی تھی۔ سو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور قلم، قلم دان میں رکھتے ہوئے، مسودے کی فائل بند کر کے ایک جانب کر دینے کے بعد کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر تحمل سے بی زی کے چپ ہونے کا انتظار کرنے لگا مگر اتنی دیر بعد بھی جب وہ نہ تھمی تب گویا مجبوراً وہ لب کشاہ ہوا۔

''کچھ بتاؤ تو سہی کہ آخر ہوا کیا ہے؟''

''زمانے کو خبر ہو گئی۔'' وہ میز پر دھرے ٹشو باکس میں سے ٹشو گھسیٹ کر اپنی سرخ ناک رگڑتی ہوئی بولی۔

''کہ ہوا کیا ہے اور تم اب بھی مجھ سے پوچھ رہے ہو۔''

''میرا پڑھایا سبق تم کیوں بھول گئیں، بی زی کہ زمانہ تو ہم خود ہیں۔''

وہ سحر طاری کر دینے والی آواز میں اسے کسی قدر ناپسندیدگی سے ٹوک کر بولا۔ ''تو پھر یہ تم کس زمانے کے غم میں اپنے بیش قیمت آنسو ضائع کر رہی ہو؟''

''مجھ سے جو ایکسیڈنٹ ہوا۔'' اس بار وہ روئے بغیر مگر بے بس بھرائی آواز میں بولی۔ ''اس کی فوٹیج کسی نے وائرل کر دی آتش..... ہمیشہ کی طرح کامیابی ملنے سے پہلے ہی مجھ سے روٹھ گئی۔''

www.pklibrary.com

''ہوں.....'' آتش نے ماجرا جان کر پہلو ضرور بدلا مگر چہرے کے پرسکون تاثرات میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔

''کل تک وہ لوگ کہ جنہیں میری فلم کا بے تابی سے انتظار تھا، آج اسی فلم کے بائیکاٹ کا انسٹا، فیس بک، ٹوئٹر..... ہر جگہ ٹرینڈ چلا رہے ہیں۔''

اس نے نڈھال ہو کر سر دونوں ہاتھوں پر گرا دیا۔

''چلانے دو ٹرینڈ.....'' آتش بغور اسے دیکھتا ہوا مطمئن سے لہجے میں بولا۔

''ان باتوں سے اب تمہیں کیا فرق پڑ جائے گا، کیوں کہ فلم تو ریلیز کے لیے تیار ہے۔''

''فلم تو تیار ہے۔'' وہ سر ہاتھوں سے اٹھا کر اسے پریشان نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''پر ساکھ بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے آتش..... جو بقول فصیح کے..... میری وجہ سے ان سب کی داؤ پر لگ چکی ہے اور پھر اسی طرح کے مخالف ٹرینڈز کی وجہ سے پراجیکٹ کی مارکیٹنگ بڑی دشوار ہو جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب میں کیا کروں..... پر جی تو چاہ رہا ہے کہ اپنی جان دے دوں.....'' آتش مدھم سا مسکرا کر بولا۔ ''اسے کتنی بار دینے کی کوشش کرو گی؟''

''تو تم ہی بتا دو پھر اور کیا کروں؟'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''ذرا دم لو۔'' یک بیک آتش کی عقابی آنکھوں کی چمک دوآتشہ ہو گئی۔ ''ابھی بتاتا ہوں کہ کرنا کیا ہے؟''

☆☆☆

''وری کی بچی نے سچویشن اتنی آکورڈ کر دی تھی کہ مجبوراً ہم سب کو مفتاح کے دوست کی گاڑی میں بیٹھنا ہی پڑا۔''

سہراب اپنی گاڑی میں ان سب کو گھر ڈراپ کر کے مفتاح کو ساتھ لیے کسی مکینک کی تلاش میں جا چکا تھا اور اب لاؤنج میں بیٹھ کر شریفہ اور عارفہ کو لائے گئے جوتے دکھاتے ہوئے عینا گھر واپسی کی روداد ان کے گوش گزار کر رہی تھیں۔

''کوئی تمیز، تہذیب ہے بھی تمہیں کہ نہیں۔'' شریفہ نے واثلہ کا سنہری کھسہ پلٹ کر تنقیدی نگاہ سے دیکھتے ہوئے وری کو گھرکنا ضروری خیال کیا۔ ''کسی راہ چلتے نے یوں ہی منہ دیکھے کو مدد کے لیے کہہ دیا اور تم منہ اٹھا کر اس کی گاڑی میں جا بیٹھیں۔''

''گاڑی میں تو سب ہی بیٹھ گئے تھے۔'' شادی میں پہننے کے لیے خریدے اپنی گلابی سینڈل جوش و خروش سے عارفہ کو دکھاتی وری کا منہ، شریفہ کی جھاڑ کھا کر مارے طیش کے سرخ ہو گیا۔ ''پھر آپ صرف مجھے ہی کیوں باتیں سنا رہی ہیں۔''

''اوں..... ہوں.....'' اس سے پہلے کہ قہر آلود نگاہوں سے اسے مسلسل گھورتی شریفہ، دوبارہ اسے کچھ سخت سست کہہ پاتیں۔ عارفہ درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے نرمی سے روہانسی وری کا گال تھپک کر بولیں۔

''باتیں نہیں سنا رہیں تمہیں بیٹا! تمہاری بڑی ہیں۔ اسی لیے تمہیں سمجھا رہی ہیں کہ تمہارا طرز عمل نامناسب تھا۔''

''خیر..... خیر جو بھی تھا۔'' عینا بات کو کسی اور رخ پر جاتا دیکھ کر اکتاہٹ سے جوتے کے بکھرے ڈبے یک جا کرتی ہوئی بولیں۔

''اچھا ہی ہوا کہ ہم مفتاح کے دوست کی گاڑی میں بیٹھ کر گھر آ گئے۔ اگر مفتاح کے آسرے پہ رہتے تو یقیناً ابھی بھی وہیں کھڑے ہوتے۔''

www.pklibrary.com

☆☆☆

کل سید صاحب کی واپسی تھی۔ سو آج کا یہ دن انہیں بڑا بے کیف اور بھاری سا لگ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اب اکیلے وہاں رہ رہ کر تھک رہے تھے اور جمے جمائے کاروبار کو وہاں سے یہاں منتقل کرنے کے آثار فی الحال دور دور تک نظر نہ آتے تھے۔ سو چار و ناچار انہیں اپنے دل پر کوہ گراں دھر کر واپس جانا ہی تھا۔ لہٰذا وہ جا رہے تھے۔

اپنا سامان ہمیشہ وہ خود ہی باندھا کرتے تھے۔ سو یہ کام بھی وہ وقت پر کر کے اب گھر آئے، عزیز و اقارب سے الوداعی ملاقات میں مصروف تھے۔ عشائیے کے بعد کہیں جا کر گھر مہمانوں سے خالی ہوا تب انہوں نے اپنے سارے بچوں کو کمرے میں طلب کیا اور فرداً فرداً انہیں مخاطب کر کے نصیحتیں کرنے لگے۔

''شاکر..... تم دل لگا کر پڑھو۔'' وہ سامنے صوفے پر سعادت مندی سے بیٹھے شاکر کی جانب دیکھ کر بولے۔ ''اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کا ہر ممکن خیال رکھا کرو، اور ظاہر تم.....''

اب کی بار انہوں نے موڑھے پر براجمان ظاہر کی سمت دیکھا۔

''تم گھر کے اندر باہر کے معاملات میں اپنی والدہ اور شاکر کی بھرپور اعانت کیا کرو۔ دیکھو، میرا ارادہ ہے کہ تمہیں یہیں کوئی کاروبار کروا دوں۔

اور عامر تم.....'' انہوں نے سر جھکا کر میسنے بنے کھڑے عامر پر ایک سخت ناپسندیدہ تنبیہی نگاہ ڈالی۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں اپنے چھوٹے بھائی بہنوں پر رعب جمانے کا بڑا شوق ہے اور پھر تم پڑھائی سے بھی جی چراتے ہو۔ یہ کوئی عمدہ بات نہیں، سو باز آ جاؤ اپنی حرکتوں سے۔''

ان کی فہمائش پر اس نے جز بز ہو کر پہلو ضرور بدلا مگر اپنی صفائی میں کچھ بھی کہنے سے گریز ہی کیا کہ جانتا تھا کہ مقابل کوئی اور نہیں خود اس کے والد محترم ہیں جنہیں والدہ کی طرح چکر دینا آسان نہیں۔ جب کہ سید صاحب اب شاکر کے برابر میں براجمان اپنی دختران سے مخاطب تھے۔

''میری بالی اور شونا تو زیادہ پڑھ نہ سکیں، مگر میں چاہتا ہوں کہ تم گھریلو امور کی انجام دہی کے ساتھ ہی ساتھ خوب اچھی طرح تعلیم بھی حاصل کرو۔''

''مگر ہماری اماں تو کہہ رہی تھیں کہ بس اب رشتہ دیکھ لو۔ نغمی کے لیے..... بلکہ وہ جو اجن بھیا کا بڑھکا (بڑا لڑکا) ہے نا..... سلیم، اس کے لیے کہہ بھی رہی تھیں۔'' فیروزہ نے بتانا ضروری سمجھا۔ پر سید صاحب کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے اپنی بیٹیاں بیاہنے کی۔'' وہ سخت برہمی سے بولے۔ ''جب وقت آئے گا نغمی کا تب ہم خود دیکھ لیں گے۔ فی الحال اسے پڑھنے دو اور یہ تم کیوں بسور رہے ہو طاہر میاں تمہیں کیا ہوا؟''

بولتے بولتے اچانک ہی ان کی نگاہ، فیروزہ کے بائیں جانب بیٹھے، بڑے اہتمام سے برے برے منہ بناتے پندرہ برس کے طاہر پر پڑی تھی۔ وہ جو فطرتاً دبو سا تھا، سید صاحب کی سخت نگاہوں کی تاب نہ لا کر سہم گیا۔

''کک..... کچھ نہیں ابو.....'' اس نے سراسیمگی سے گویا اپنی چہرے کے تاثرات کی وضاحت دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ..... مجھے..... دراصل نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''ہاں۔'' کوئی اور وقت ہوتا تو نیند آنے کے باوجود ہنوز یہاں جمے رہنے کی پاداش میں اس کی سرزنش یقینی تھی پر اس سے معاملہ ذرا دوسرا تھا سو سید صاحب دیوار گیر گھڑی کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولے۔

www.pklibrary.com

''وقت بھی تو بہت ہوگیا ہے۔ چلو بچوں، جاؤ اب جا کر سو جاؤ۔ سویرے میری فلائٹ ہے۔ اس لیے میں علی الصبح ہی گھر سے نکل جاؤں گا۔ وہاں پہنچ کر خط لکھ دوں گا۔ پرشا کرتم اب فوراً سے پیش تر گھر میں فون لگوانے کا بندوبست کرو۔ اور بھئی عیسیٰ! یہ تم کیوں ایسے گم صم اور اداس دکھائی دے رہے ہو۔''

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر فیروزہ کے پہلو سے جڑے بیٹھے عیسیٰ کا دایاں گال تھپتھپا کر بولے تو وہ شرما کر فیروزہ کی اوٹ میں ہوگیا۔

اور انہیں بتا ہی نہ سکا کہ دراصل وہ کیوں اداس تھا؟

☆☆☆

''صبح و شام کے اس سلسلے کو اگر زندگی کہتے ہیں تو ہاں..... میں ابھی زندہ ہوں..... مگر اس حال میں کہ اگر جو مردہ تن مجھے دیکھ لیں تو خود پر رشک کریں۔''

وہ اب سے کچھ دیر قبل، اٹیچڈ باتھ سے نہا کر نکلی تھی۔ نیم گرم پانی سے کیے گئے غسل نے اس کے مزاج پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ تب ہی وہ کندھے تک آتے اپنے بے ترتیب نم بالوں کو دوپٹے سے ڈھک کر عقبی لان میں کھلنے والی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی اور اس پر پڑا بھاری دبیز پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر پھیلی دھوپ کو دیکھ کر سوچے گئی۔

''ارے واہ، تم اتنی جلدی نہا کر آ گئیں۔'' نرس صوفیہ باہر سے دوپہر کے کھانے کی ٹرے لے کر لوٹی تھی۔ اسے صاف ستھرے حلیے میں کھڑکی میں کھڑا دیکھا تو خوش گواریت سے بے ساختہ بولی۔ ڈاکٹر امجد کی ہدایت کے بعد جب تا حال وہ یہیں تھی کہ ان کے مطابق تنہائی کا احساس مریض کے ذہن پر منفی اثرات مرتب کر سکتا تھا۔

''ہاں.....'' اتنے دنوں کے مستقل ساتھ نے نرس صوفیہ سے اسے کچھ نہ کچھ مانوس تو بہر حال کر ہی دیا تھا۔ تب ہی اس کی چہکتی آواز سن کر بنا ڈرے یا گھبرائے وہ میکانکی انداز سے اس کی جانب پلٹ کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''میرے کون سے لمبے بال ہیں جو نہانے میں دیر لگتی۔''

''سو تو ہے۔'' صوفیہ سر ہلا کر بولی پھر سر تا پا اس کا جائزہ لیتی ہوئی کہنے لگی۔

''شکر ہے سوٹ تمہیں فٹ آ گیا۔ میں نے تو اندازے سے ہی منگوا لیا تھا۔''

''تمہارا شکریہ۔'' وہ کسی روبوٹ کی مانند بولی تھی۔ صوفیہ نے اس کے تاثرات سے قطعاً عاری لہجے پر ایک لمحے کو غور کیا۔ جیسے کسی سوال نے سر اٹھایا تھا اس کے من میں..... مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر بولی۔

''شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ آخر انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔''

''نہیں صوفیہ!'' وہ ایک دم وحشت زدہ دکھائی دینے لگی۔ ''ہر انسان دوسرے کے کام نہیں آتا۔ کچھ کام تمام بھی کر دیتے ہیں۔''

''چلو چھوڑو یہ باتیں۔'' صوفیہ نے اس کی آنکھوں سے مترشح دیوانگی دیکھ کر جلدی سے موضوع بدل دیا۔

''آؤ، کھانا کھا لو۔'' وہ ٹرے صوفے کے سامنے دھری لکڑی کی چھوٹی سی میز پر دھرتے ہوئے بیٹھ گئی۔ تب دھیرے دھیرے چلتی وہ بھی ساتھ آ بیٹھی اور ابھی اس نے پہلا نوالہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔

صوفیہ نے چونک کر اپنی روٹی ٹرے میں رکھ دی اور جا کر دروازہ کھولا۔

''لڑکی کو سر آتش نے طلب کیا ہے۔'' سامنے ہی پشت پر ہاتھ باندھے نظریں جھکائے مگر چوکس خاقان کھڑا کہہ رہا تھا۔ ''اسے میرے ساتھ جانا ہوگا۔''

www.pklibrary.com

☆☆☆

''سہراب کہنے لگا۔تمہارے پاپا کا شوروم ہے اور تم یہ کھٹارا لیے پھرتے ہوں۔کیا بتاؤں یار! کتنا شرمندہ ہوا ہوں میں آج اس کے سامنے۔''

مفتاح گاڑی کی مرمت کروا کر عشاء کے بعد گھر لوٹا تھا۔رات کے کھانے میں ابھی کچھ دیر تھی،سو وہ رجا کو چائے کا کہہ کر فریش ہونے چل دیا۔لوٹا تو صوفے پر براجمان شریفہ خطرناک تیور لیے اس کی منتظر تھیں۔

سامنے کھلے ٹی وی پر ڈراما لگا ہوا تھا جسے مہرو اور واثلہ دنیا و مافیہا سے بے خبر دل و جان سے دیکھنے میں مصروف تھیں۔رجا اندر باورچی خانے میں عارفہ کے ساتھ رات کے کھانے کی تیاری کو اختتامی شکل دینے میں جتی تھی۔عارف احمد حسب عادت دفتر سے لوٹنے کے بعد کچھ دیر آرام کر کے اب لیاقت بیگم کے کمرے میں ان کے ساتھ معمول کی گفت و شنید میں مشغول تھے۔عینا اپنے کمرے میں تھیں جب کہ عباد آج اب تک گھر نہیں لوٹے تھے اور ارصم تو خیر آتا ہی دیر سے تھا اور رہی وریٰ.....

تو وہ اپنی گاڑی میں جا بیٹھنے والی حرکت پر لیاقت بیگم سے ٹھیک ٹھاک صلواتیں سننے کے بعد اپنے کمرے میں اٹوائی کھٹوائی لیے پڑی تھی۔

تب ہی مفتاح،شریفہ کے کسی بھی سوال سے پیش تر از خود بتانے لگا۔

''شرمندگی کے بجے۔'' شریفہ جو اس وقت یہاں اس کی گوشمالی کی خاطر بیٹھی تھیں،اس کی ''دکھ بھری کہانی'' سن کر چراغ پا ہو گئیں۔''تو تمہیں کہا کس نے تھا کہ باپ کی مہینوں بند کھڑی رہنے والی کھٹارا میں بھر کر ان سب کو لے جاؤ۔'' لفظ کھٹارا انہوں نے بہت چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

مفتاح منہ بنا کر بولا۔

''تو پھر اور کس میں لے جاتا؟''

''شہر بھرا پڑا ہے،اللہ مارے رکشے ٹیکسیوں سے۔'' وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔''کسی میں بھی لے جاتے۔''

''جب بھی دیں گی اپنے ظاہری حلیے کے برعکس غریبانہ مشورہ ہی دیں گی۔'' مفتاح تاسف سے انہیں دیکھ کر بولا۔''آپ پاپا سے کہہ کر مجھے کوئی لینڈ کروزر کیوں نہیں دلوا دیتیں؟''

''ہاں کچے رکھے ہیں نا باپ کے پاس۔'' وہ ہتھے سے اکھڑتی ہوئی بولیں۔''کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹاتے موت آتی ہے اور فرمائشیں سنو صاحب زادے کی۔''

''فرمائش تو نہیں،ایک جائز مطالبہ کر رہا ہوں۔'' سچی بات ہے،اپنے ساتھ انٹر کرنے والے سہراب خان زادہ کو آج کش پش گاڑی اڑاتے دیکھ کر اس کے دل کو عجیب طرح سے غم لگا تھا۔

''نا ہنجار.....'' وہ غصے سے بولیں۔''ادھر بہن کے بیاہ کے خرچے پورے نہیں ہو رہے اور تجھے جائز مطالبوں کی سوجھ رہی ہے۔جا..... جا کر اندر لیٹے اپنے باپ سے جا کر یہ جائز مطالبہ کر کے دیکھ ذرا۔ارے یہ تو میں تھی جو کھاتے پیتے گھر کی ہونے کے باوجود اس کنجوس شخص کے ساتھ۔''

''رجا..... چائے رہنے دو۔میں اوپر جا رہا ہوں۔'' شریفہ شروع ہو چکی تھیں۔سو اس نے کھسک جانے ہی میں عافیت جانی۔

''واثلہ! کیا کان پھاڑے گی۔آواز کم کر دے ٹی وی کی۔''

مفتاح تو جا چکا تھا۔وہ اب سامنے بیٹھی واثلہ کو دیکھ کر شروع ہو گئیں۔

☆☆☆

آج بڑے دن بعد نیلی جلد والے البم پر قسمت مہربان ہوئی تھی۔

www.pklibrary.com

سو اس نے بھی موقع غنیمت جانا اور خود کو کھولنے والے کا ہاتھ تھام کر جھٹ سے اسے ایک منظر کا حصہ بنا ڈالا۔

یہ وقت شام کے دھندلکے کا تھا۔ یا خدا جانے اس روز موسم ہی ابر آلود تھا کہ ہر شے پر سرمئی غبار سا چھایا محسوس ہو رہا تھا۔ ایسے میں آٹھ برس کا عیسیٰ اپنے ہاتھوں میں چھوٹی سی آب دار ٹرافی لیے بڑا شاداں و فرحاں سا فیروزہ کے کمرے میں داخل ہوا۔

''یہ دیکھیے امی!'' وہ خوشی سے کھنکتی آواز میں زور سے بولا۔ ''میں اپنی کلاس میں فرسٹ آیا ہوں۔''

''ارے واہ، واہ۔'' فیروزہ جو آپا جن (رشتہ کروانے والی خاتون) کی شاکر کے لیے لائی گئی لڑکیوں کی بلا مبالغہ تین درجن تصویروں کو دیکھنے میں منہمک تھیں۔ عیسیٰ کی آواز پر چونک کر تصاویر ایک جانب کرتی ہوئی خوشی سے لبریز لہجے میں بولیں۔

''یہ تو بڑا کام کر لیے تم..... یہ لو تمہارا انعام۔'' انہوں نے جھٹ اپنے سرہانے کے نیچے سے چند سو برآمد کر کے اسے تحفتاً تھما دیے۔

''پڑھایا تو اسے میں نے ہے۔'' نغمی پھیلی ہوئی تصاویر کو احتیاط سے یکجا کر کے دوبارہ ملفوف کرتی ہوئی شرارتاً بولی۔ ''دو تین سو روپے بطور انعام مجھے بھی عنایت کر دیں۔ بلکہ لاؤ عیسیٰ! ایسا کرو یہ روپے تم مجھے ہی دے دو۔ تم تو ابھی چھوٹے ہو نا، تمہیں ان روپوں کی کیا ضرورت؟''

''نہیں۔'' اس نے جلدی سے روپے اپنی پتلون کی جیب میں گھسیڑتے ہوئے کہا۔ ''میں ان سارے پیسوں کی آئس کریم کھاؤں گا۔''

اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ نغمی، شانی کے ساتھ ساتھ فیروزہ بھی بے ساختہ مسکرا دیں۔

''ہاں، ہاں کھا لینا بابو!'' وہ دلار سے اسے پچکار کر بولیں۔

پھر شانی کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔

''شانی! تم اپنا کمرہ (کیمرہ) لا کر بابو کا ایک فوٹو تو بنا دو۔''

''ابھی لائی۔'' شانی کو تو اللہ موقع دے، چنانچہ پھرتی سے فیروزہ کے حکم کی تعمیل کو دوڑ گئی۔ اور ابھی وہ واپس پلٹی نہ تھی کہ ظاہر کمرے میں داخل ہوئے اور فیروزہ سے مخاطب ہو کر بڑے مصروف سے لہجے میں بولے۔

''امی! میں کل ڈھاکہ جا رہا ہوں۔ اگر آپ کو کوئی سامان بھجوانا ہے تو ابھی بتا دیں۔''

''کیا بولے؟'' فیروزہ کو لگا جیسے ان کی سماعت نے انہیں دھوکا دیا ہو۔ تب ہی تعجب سے ظاہر کا سنجیدہ چہرہ دیکھنے لگیں۔ ان کے استفسار پر ظاہر نے سابقہ لہجے میں اپنی بات دہرا دی تب وہ گھبراہٹ زدہ سے لہجے میں ایک دم بولیں۔

''کل ڈھاکہ جا رہے ہو تم..... پرکاہے کے لیے بابو!''

نغمی بھی یہ اطلاع سن کر متفکر ہو گئی۔ تاہم اس نے کوئی بھی سوال کرنے سے گریز کیا۔

''بس کوئی ضروری کام ہے۔ اسی لیے ابو نے فوراً بلوایا ہے۔ شاکر بھائی کے تو امتحانات ہیں وگرنہ وہی جاتے۔'' انہوں نے گول مول سی تفصیل بتائی جس سے وہ مزید پریشان ہو اٹھیں۔

''ابو کب بلوا لیے تم کو؟'' وہ پریشان نظروں سے اس کا چہرہ تکنے لگیں۔ ''اور تم نے ہمیں کیوں نہ بتایا؟''

اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ پچھلے چند ہفتوں سے سید صاحب مسلسل صاحب فراش تھے اور ان حالات میں کارخانے کے معاملات وہاں تن تنہا سنبھالنا ان کے لیے دشوار تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لہٰذا بہت بے بس ہو کر انہوں

www.pklibrary.com

نے ظاہر کو وہاں طلب کیا تھا۔ خیال یہی تھا کہ جوں ہی ان کی طبیعت ذرا سنبھلی وہ اسے واپس یہیں بھجوا دیں گے اور یہ ساری تفصیل فیروزہ سے مخفی رکھنے کی انہوں نے بطور خاص شاکر اور ظاہر کو تاکید کی تھی۔ سو ان ہی کی ہدایت کے بعد جب ظاہر انہیں بس اسی قدر مطلع کر رہا تھا کہ جس قدر ناگزیر تھا۔

''ابھی بتا تو رہا ہوں۔'' وہ بولے تو فیروزہ برہم ہو گئیں۔

''دیکھو، سچ سچ بتائے دو ہم کو..... وہاں سب خیر خیریت تو ہے نا؟''

''ارے بھئی ہاں..... ہاں سب خیریت ہے۔'' وہ فیروزہ کا ہراساں چہرہ دیکھ کر ان کے نزدیک آ بیٹھے اور دایاں بازو ان کے کندھے پر پھیلا دیا۔

''دیکھیے امی! بات دراصل یہ ہے کہ کام اب وہاں ماشاءاللہ بہت پھیل گیا ہے..... اور اب ابو کو کسی قابل بھروسا مددگار کی ضرورت ہے۔''

''ضرورت تو ہوگی۔'' وہ ظاہر کے مطمئن کرنے پر کسی قدر طمانیت سے بولیں۔ ''وہ کہتے نہیں، پر ہمیں احساس ہے کہ مسلسل کام کر کر کے اب وہ تھکنے لگے ہیں۔''

''جی۔'' ظاہر نے تائیداً سر ہلایا۔ ''کچھ یہ بات بھی ہے، بس تو پھر آپ بتا دیں اگر کوئی سامان وغیرہ بھجوانا چاہتی ہوں تو.....''

''ارے، عیسیٰ کہاں گیا؟'' شانی اپنا کیمرہ لے آئی تھی اور اب اسے یہاں نہ پا کر مستفسر تھی۔ اپنی باتوں میں الجھ کر ان لوگوں نے دھیان ہی نہیں دیا کہ عیسیٰ تو کب کا کمرے سے جا چکا تھا۔

ہاں مگر اس کی ٹرافی..... وہ فیروزہ کی سنگھار میز پر دھری تھی۔

☆☆☆

''سر آتش نے تمہیں طلب کیا ہے۔'' صوفیہ، خاقان کی زبانی آتش کا پیغام سن کر دروازے سے پلٹی اور اس کے نزدیک آ کر لہجے کو دانستہ سرسری بنا کر نرم روی سے اسے مخاطب کرتی ہوئی بولی۔

''ہمیں جانا ہوگا۔''

''جانا ہوگا؟'' وہ جو پہلے ہی لقمے زہر مار کر رہی تھی، یہ سن کر کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے قدرے پریشانی سے بولی۔ ''مگر کہاں جانا ہوگا؟''

''بتایا تو ہے کہ سر آتش نے تمہیں اندر بلوایا ہے۔'' صوفیہ اب اس ذمہ داری سے تھکنے لگی تھی تب ہی کوفت زدہ لہجے میں بولی۔ ''وہیں جانا ہوگا۔''

''کون سر آتش؟'' اگلا سوال آنکھوں میں زیادہ الجھن بھر کر پوچھا گیا تھا۔ صوفیہ کو حیرت ہوئی۔

''تم سر آتش کو نہیں جانتیں؟''

جواباً جن نظروں سے اس نے صوفیہ کو دیکھا.....

''یہ گھر جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔'' وہ اس کی ذہنی کیفیت کا احساس کر کے خود کو ملامت کرتی ہوئی جلدی سے بتانے لگی۔ ''یہ ان ہی کی ملکیت ہے۔ وہ ملک کے بہت مشہور موٹی ویشنل اسپیکر اور اسکالر ہیں۔''

''پر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

''اس بارے میں، میں کیا بتا سکتی ہوں۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔ ''مجھے تو بس اتنا ہی حکم ملا ہے کہ میں تمہیں لے کر اندر چلی آؤں۔''

''حکم ملا ہے؟'' وہ یہ سن کر کھوئے کھوئے سے لہجے میں زیر لب بڑبڑائی۔

''حکم ملا ہے تو پھر چلو۔''

www.pklibrary.com

وہ نرس صوفیہ کے خدشات کے برعکس بنا مزاحمت اپنی نشست سے ایک دم اٹھتے ہوئے بڑے آرام سے اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ تب اس نے ایک اطمینان بھری سانس لبوں سے خارج کی اور دروازے کی سمت قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

''یہ کیا ہے؟'' روئی روئی آنکھوں اور رُستے ہوئے چہرے والی وریٰ سے ہوم ورک کی بابت استفسار پر اس نے جو کچھ عیسیٰ کے ہاتھوں میں تھمایا، اسے پڑھ کر اس نے بہت سنجیدگی سے وریٰ کی جانب دیکھ کر استفسار کیا تھا۔

''آپ نے ڈھاکہ فال پر مضمون لکھنے کو کہا تھا۔'' وریٰ جو پچھلی رات ایک بار پھر افسردگی کا اشتہار بنی رہی تھی جواباً آہستگی سے بولی۔ ''وہی ہے۔''

''پڑھ کر سناؤ۔'' اس نے سامنے کھلا ہوا رجسٹر کا صفحہ وریٰ کے آگے کرتے ہوئے تحکم سے کہا۔ وریٰ نے بے دلی سے رجسٹر تھام لیا اور.....

ایوی نائٹ ان مائی ڈریمز
آئی سی یو، آئی فیل یو

''مارے گئے۔'' وہ مارے خفت کے سن ہوگئی۔ دراصل وہ کل ایف ایم سن کر اپنا غم غلط کرتی رہی تھی۔ یہ نغمہ کل وہیں لگا تھا۔

''ڈھاکہ فال کے پس منظر میں آپ نے یہ نغمہ تحریر کیا ہے؟'' وہ شرمندگی سے جھکا ہوا اس کا سر دیکھ کر طنز آمیزی سے بولا۔ ''یا پھر اس نغمے کی بدولت ڈھاکہ فال کی نوبت آئی تھی؟''

''سوری سر!'' وہ جلدی جلدی صفحات پلٹتے ہوئے شرم سار سے لہجے میں بولی۔ ''دراصل..... میں نے لکھا تو اسی میں تھا پر.....''

''لکھا تھا تو کہاں ہے؟'' اس نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

''میں ڈھونڈ رہی ہوں۔''

''دیکھو بدرالوریٰ!'' وہ خشک سے لہجے میں بولا۔ ''مجھے صاف صاف بتا دو کہ پڑھنے کا ارادہ ہے یا پھر محض وقت گزاری کر رہی ہو۔''

''سر! میں نے لکھا تھا۔'' وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''پر شاید کھو گیا۔''

''آپ غلط بیانی کر رہی ہیں وریٰ!'' اسے غصہ آنے لگا۔ ''دراصل مضمون آپ نے لکھا ہی نہیں۔''

''آپ کو کیسے پتا؟'' بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

''اتنے عرصے سے پڑھا رہا ہوں۔'' وہ پھسل جانے والی زبان خجالت سے دانتوں میں دبائے بیٹھی وریٰ کو دیکھ کر بولا۔

''نکمے، نالائق اسٹوڈنٹس کے پاس ایسے کئی بہانے ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک اس وقت آپ کر رہی ہیں۔''

''بہانا نہیں کر رہی۔'' نکمی، نالائق کا خطاب ملنے پر وہ تڑپ کر بولی۔

''لکھنے بیٹھی تھی..... پر بہت رونا آ رہا تھا تو لکھا ہی نہیں گیا۔ یہ دیکھیں۔''

اس بار اس نے اپنی صداقت ثابت کرنے کو واقعی آنسوؤں کے نشانات سے مزین صفحہ کھول کر اسے دکھا دیا۔

www.pklibrary.com

''پوچھ سکتا ہوں کہ یہ بن بادل برسات کیوں ہو رہی تھی؟'' وہ اس کے ثبوت مہیا کرنے پر خفیف سا مسکرا کر بولا۔

''نانی بیگم نے کل پھر مجھے بہت ڈانٹا۔''

''کس بات پر؟''

''وہ کل ہم جوتے.....'' وہ ساری تفصیل اس کے گوش گزار کرنے کے بعد بڑی معصومیت سے پوچھنے لگی۔

''اب آپ ہی بتائیے، اگر میں اس کی گاڑی میں جا بیٹھی تو اس میں کون سی قیامت آ گئی؟ ان سب کو تو بس بہانا چاہیے ہوتا ہے مجھے ڈانٹنے کا۔''

''سب کو؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''نہیں، سب کو تو نہیں۔ بس وہ لیڈی شریفہ اور نانی بیگم۔'' وہ جیسے سوچتے ہوئے بولی۔

''بڑے جو کہتے ہیں، بھلائی ہی کے لیے کہتے ہیں۔'' وہ ناصحانہ بولا۔

''پر صرف مجھے ہی کیوں کہتے ہیں؟'' اس نے منہ بسور کر کہا۔

''اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو خود اپنے آپ کو اینالائز کرو۔''

''وہ کیسے؟''

''اللہ سے مدد مانگ کر۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''اس سے مانگو کہ میری برائیوں پر سب سے پہلے میری ہی نگاہ پڑے تاکہ میں کسی اور کی نشان دہی سے پہلے ہی اپنی اصلاح کر سکوں۔''

''اچھا۔'' اسے حیرت ہوئی۔ ''تو اللہ سے یہ دعا بھی مانگی جاتی ہے؟''

''ہاں تو.....'' وہ اس کے تحیر پر مسکرا دیا۔ ''تم کیا مانگتی ہو دعاؤں میں۔''

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ کیا مانگتی ہے دعاؤں میں۔

ہاں..... اسے کیا بتاتی.....

☆☆☆

''حالات بہت بگڑ رہے ہیں یہاں..... وقتاً فوقتاً غیر بنگالیوں کی زمین جائیداد ہتھیانے کے ہتھکنڈے جاری رکھتے ہیں یہ لوگ۔''

یہ منظر کسی تصویر میں نہیں بلکہ اس کے ذہن کے کسی نہاں گوشے میں محفوظ تھا اور وہ دیکھ رہا تھا تصور کی آنکھ سے ظاہر کو، سید صاحب کے سامنے ادب سے بیٹھے ہوئے۔

ظاہر کو ڈھاکہ پہنچے آج دوسرا روز تھا۔ یہاں اب ان کا گھر شادمان میں تھا کہ جہاں سید صاحب نے اپنے کسی دور دراز کے چچازاد بھائی کے خاندان کو بسا رکھا تھا کہ الگ سے مکان لے کر رہنے کی اس کی استطاعت نہ تھی۔ پھر انہیں بھی دوسراہٹ ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ اپنے کمرے کے سوتی سفید چادر سے ڈھکے پلنگ پر نیلی سفید ڈبیوں والی تہبند اور مکمل کا نفیس ملائم کرتا زیب تن کیے بیٹھے گمبھیرتا سے ظاہر کو یہاں کے دگرگوں حالات کی بابت آگاہ کر رہے تھے۔

''ہمارا جو فورمین ہے مشفق.....'' وہ بتانے لگے۔ ''مجھے اس کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔ اطلاعات ہیں کہ خام مال کی خرد برد میں اس کا ہاتھ ہے، مگر چوں کہ ملازمین کی بڑی تعداد کو اس نے اپنا ہم نوا بنا رکھا ہے سو بنا ثبوت اس سے باز پرس آسان نہیں ہوگی۔''

''تو پھر اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' ظاہر کو اندازہ ہی نہ تھا کہ یہاں حالت اس نہج پر پہنچ چکے ہیں، سو از حد فکر

www.pklibrary.com

مندی سے بولا۔

''کچھ نہیں۔'' سید صاحب اس کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر بردباری سے مسکرائے۔ ''دراصل مجھے تنہا اور ناتواں دیکھ کر بدبختوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے، چنانچہ آئے روز نت نئے مطالبات و ہڑتالوں کی دھمکی دے کر مجھے پریشان کرتا ہے مگر اب تم آ گئے ہو نا..... غالب امکان یہی ہے کہ یہ اب اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں گے۔''

اور اسے تسلی دیتے وقت انہیں گمان تک نہیں تھا کہ زندگی میں پہلی بار ان کا اندازہ سراسر غلط ثابت ہونے والا تھا۔

☆☆☆

''آداب سر آتش!'' وہ اور صوفیہ، خاقان کی معیت میں آتش کے روبرو حاضر تھیں۔ صوفیہ نے تو اندر داخل ہوتے ساتھ ہی بڑے ادب اور تعظیم سے اسے آداب کیا پر وہ لڑکی گویا ہر شے سے بے نیاز و لاتعلق سی ہو کر کسی بت کی مانند ایک جانب ایستادہ ہو گئی۔

''تسلیمات۔'' آتش جواب اپنی لکھنے کی میز سے اٹھ کر کتابوں کی الماری کے سامنے رکھے سرمئی دھاری دار نفیس و دبیز صوفوں پر آ بیٹھا تھا۔ متانت سے سر ہلا کر جواباً گمبھیرتا سے بولا۔

''ہم نے تو صرف اس لڑکی کو طلب کیا تھا، بہتر ہوگا کہ آپ باہر تشریف لے جائیں۔''

''لیکن سر.....!'' صوفیہ اسے براہ راست خود سے مخاطب دیکھ کر بوکھلا سی گئی۔ ''وہ ڈاکٹر امجد کی ہدایت کے مطابق.....''

''ڈاکٹر امجد سے میری بات ہو چکی ہے۔'' وہ بظاہر نرمی سے اس کی بات درمیان ہی سے قطع کرتا ہوا بولا۔ ''سو آپ فکرمند نہ ہوں۔''

''خاقان! انہیں باہر لے جاؤ۔'' اس نے بولتے بولتے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ہوشیار باش کھڑے خاقان کو دیکھ کر معنی خیز سے لہجے میں کہا۔

''ہم لڑکی سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''جو حکم سر آتش!'' خاقان اپنے سر کو تعظیماً ذرا سا خم کر کے صوفیہ کی جانب مڑا۔ ''چلیے صوفیہ!''

اور اس کے سرد لہجے نے صوفیہ کو باور کروا دیا کہ اب مزید کسی بات کی گنجائش نہیں۔ سو اس نے ایک سرد سی سانس اپنے لبوں سے خارج کی اور ایک خاموش الوداعی نگاہ ہنوز ساکت و جامد کھڑی اس عجیب لڑکی پر ڈالی۔ پر وہ متوجہ نہیں تھی۔ سو وہ حکم کی تعمیل کو منتظر کھڑے خاقان کے ساتھ اسٹڈی روم کا دروازہ عبور کر گئی اور ان کے کمرے سے نکلتے ہی اتنی دیر سے سرتاپا اضطرار کا استعارہ بنی بیٹھی بی زی برق رفتاری سے اپنی نشست سے اٹھی اور لپک کر اس تک آتے ہوئے بے تابانہ گویا ہوئی۔

''تم یہاں اس طرح کیوں کھڑی ہو؟ دیکھو، آؤ..... میرے ساتھ آ کر بیٹھو۔'' اس نے بولتے ہوئے اس کا سرد ہاتھ تھاما اور لا کر صوفے پر آتش کے بالمقابل بٹھا دیا اور تب پہلی بار آتش نے دیکھا وہ چہرہ جو اتنے دن سے آتش کدے میں مہمان تھا۔

''دیکھو..... یہ سر آتش ہیں۔'' بی زی بعجلت اسے بتانے لگی۔

''اور مجھے تو تم جانتی ہو نا..... میں وہی ہوں کہ جس نے تمہاری جان بچائی تھی۔''

''جی.....'' خدا جانے آتش کی روح میں اترتی نگاہ کا اثر تھا یا کیا..... وہ جو اپنے ہر احساس کو مردہ پاتی تھی، پہلی بار نامعلوم سی الجھن محسوس کرتی ہوئی میکانکی انداز سے گردن اثبات میں ہلا کر بول گئی۔

www.pklibrary.com

''گڈ.....'' بی زی پرجوش سی ہو کر بولی۔ ''اب ہمیں بتاؤ کہ تم اپنی جان کیوں دینے چلی تھیں؟''

''میں جان دینے تو نہیں چلی تھی۔'' وہ کھوئے کھوئے سے مدھم لہجے میں بولی۔

''پھر سنسان سڑک پر اس طرح اندھیرے میں تیز رفتار گاڑی کے سامنے اچانک آجانے کا اور کیا مقصد تھا تمہارا؟'' اس کے بظاہر سپاٹ چہرے کے اتار چڑھاؤ بڑی گہری نگاہوں سے دیکھتے آتش نے اپنی گمبھیر آواز میں اس سے پہلا سوال پوچھا تھا۔

''کوئی مقصد نہیں تھا۔''

''دیکھو جو سچ ہے۔ صاف صاف بتا دو تو ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔'' بی زی نے گویا اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میرا سچ یہی ہے کہ مجھے کچھ بھی یاد نہیں.....'' اس کا جواب ہنوز تھا۔ بی زی نے مارے طیش کے مٹھیاں بھینچ لیں۔ پر آتش تحمل سے بولا۔

''ہم نے مان لیا کہ تمہیں کچھ بھی یاد نہیں پر اتنا تو بتا دو کہ اب یہاں سے کہاں جاؤ گی؟''

''میں نہیں جانتی۔'' اس کے پتھریلے وجود پر یہ سوال کاری ضرب ثابت ہوا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہونے لگا۔

''نام؟'' پتا نہیں یہ استفسار تھا یا؟

''نہیں جانتی.....'' بالآخر وہ چیخ اٹھی۔ ''کہا نا میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔ نہ اپنا نام نہ پتا اور نہ ہی شناخت..... میں سب کچھ بھول چکی ہوں۔'' وہ شدت سے رو پڑی۔ بی زی نے پریشانی سے آتش کی جانب دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا فاتحانہ مسکراہٹ گویا جس سوال کا جواب اسے درحقیقت درکار تھا۔ وہ اسے مل چکا تب ہی وہ اپنے مخصوص ساحر لہجے میں بولا۔

''دیکھو اس طرح بے چارگی سے رو رو کر خود کو ہلکان مت کرو، ہم نے مان لیا کہ تمہیں اپنے بارے میں واقعی کچھ بھی یاد نہیں، چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم تمہیں ''نئی پہچان'' دیں گے۔ ''سودا'' منظور ہے؟''

☆☆☆

اور یہ اس نیلے البم کی آخری تصویر تھی۔

آخری تصویر..... مگر ایک نئے باب کی شروعات۔

منظر شاکر کے بیاہ کی اگلی صبح کا تھا کہ جس کی نازک اندام، حسین و تعلیم یافتہ دلہن چہرے پر دلہناپے کی تروتازگی لیے میرون رنگ کی دیدہ زیب کانجی ورم ساڑھی میں ملفوف نظریں جھکائے اپنے نئے نویلے سسرالیوں کے جھرمٹ میں گھری بیٹھی تھی۔

قریبی رشتے داروں کی واپسی چوں کہ ولیمے کے بعد تھی سو اس وقت وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں خوب رونق لگی تھی۔

باورچی خانے میں شادی کے لامتناہی امور کی انجام دہی کے سلسلے میں رکھی جانے والی ملازمہ چنے اور آلو کی ڈھیر ساری بھجیا اور اصلی گھی میں بھنا سوجی کا حلوہ تیار کرنے کے بعد اب تندہی سے گرما گرم پوریاں اتارنے کی تیاری میں تھی۔ جب کہ دوسرے چولہے پر شانی نے چائے کا دیگچہ چڑھا رکھا تھا۔ نفی ناشتے میں استعمال ہونے والے برتن باورچی خانے کی الماریوں سے نکال کر صاف کر کر کے انہیں میز پر دھرتی جا رہی تھی کہ تب ہی ڈرائنگ روم سے انہیں پکارا جانے لگا۔ دل تو ظاہر ہے ان دونوں کا وہیں اٹکا ہوا تھا سو دونوں اپنا اپنا کام یوں ہی ادھورا چھوڑ کر جلدی سے ڈرائنگ روم کی سمت بڑھ گئیں کہ دیکھیں وہاں کیا

www.pklibrary.com

ماجرا ہے۔

''آ جاؤ تم دونوں۔'' ڈھیلے ڈھالے سرمئی ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس دراز قد عامر ہاتھ میں شاکر کا کیمرہ پکڑے کھڑا تھا۔ ''میں سب کے ساتھ بھابھی کی تصویر اتار رہا ہوں۔''

''پر میرا حلیہ.....'' شانی نے اپنے پرشکن لباس پر نظر ڈالتے ہوئے انکار کرنا چاہا۔

''کچھ نہیں ہوا حلیے کو.....'' نغمی نے دھیرے سے کہا۔ ''ٹھیک ٹھاک لگ رہی ہو آ جاؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ان سب کے نزدیک چلی آئی۔

''تم سے بڑی میں ہوں۔'' اپنے چار سالہ چڑچڑے سے بیٹے کو قابو کرنے میں ہلکان بالی لڑاکا پن سے بولی۔

''بھابھی کے نزدیک میں بیٹھوں گی، شونا کو دیکھو، یہ بھی تو بھابھی کے بالکل ساتھ بیٹھی ہے۔''

''ہاں..... ہاں آ جاؤ تم کوئی بات نہیں۔'' بادامی رنگ کے کرتے شلوار میں ملبوس نکھرے نکھرے چہرے والے شاکر مصالحت پسندی سے بولے۔ ''نغمی اور شانی تم ہمارے عقب میں آ جاؤ بالی کو بیٹھنے دو بھابھی کے ساتھ۔''

''یہ ہر موقع پر لڑنے کیوں لگ جاتی ہیں؟'' شانی نے منہ بنا کر ہولے سے کہا۔

''شش..... شش۔'' نغمی اس کا ہاتھ ہولے سے دبا کر اسے لیے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

''میں کھینچ لیتا ہوں تصویر.....'' عامر نے ابھی کیمرے کا لینس اپنی دائیں آنکھ کے نزدیک کیا ہی تھا کہ اچانک حامد (فیروزہ کے چھوٹے بھائی) بولے۔

''جاؤ تم بھی تو جا کر سب کے ساتھ تصویر بنواؤ نا.....'' اس نے انکار کرنا چاہا پر ڈرائنگ روم کے دوسرے کونے پر دھری سیٹی پر براجمان سید صاحب جو کارخانے کے امور ظاہر کے حوالے کر کے ان دنوں شاکر کی شادی کے سلسلے میں خود پاکستان آئے ہوئے تھے متانت سے بولے۔

''عامر! مان لو ماموں کی بات اور عیسیٰ! جاؤ جا کر تم بھی سب کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔'' انہوں نے ساتھ بیٹھے عیسیٰ کو بھی ادھر ہی بھیج دیا۔

''لے فیروزہ.....'' تصویر اترواتے ہی نغمی اور شانی ترنت باورچی خانے کی جانب لوٹ گئیں۔ دیگر بھی منتشر ہو گئے۔ پر بڑے ابھی یہیں تھے۔ تب ہی فیروزہ کی والدہ لب کشا ہوئیں۔ ''تیری آنکھوں کے سامنے گھر کی مالکن گھر آ گئی خدا کی مہربانی۔''

''گھر کی مالکن نہیں ہماری ایک اور بیٹی۔'' سید صاحب یوں تو اپنی خوش دامن کے سامنے مہذب و محتاط لب و لہجے میں گفتگو کیا کرتے تھے پر اس وقت انہوں نے بات ہی کچھ ایسی قابل گرفت کر دی تھی کہ وہ ناگواری سے ان کی تصحیح کیے بنا نہ رہ سکے۔

''گھر کی مالکن یہ ہیں۔'' ان کا اشارہ یقیناً فیروزہ کی جانب تھا۔

''اور یہ ہی رہیں گی۔'' ان کے الفاظ واشگاف اور دوٹوک تھے۔ تب ہی نو بیاہتا نے اپنی حیا بار پلکیں اٹھا کر انہیں یکبارگی بڑے غور سے دیکھا اور دوبارہ نظریں جھکا لیں۔

☆☆☆

''میرا نام خولہ ہے۔ باپ میرا بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ ماں نے محنت مزدوری کر کے مجھے پالا پوسا پھر ایک دن وہ بھی چل بسی اور میں بھری دنیا میں تنہا رہ گئی۔'' وہ اپنے کمرے میں لوٹا دی گئی تھی..... اور اب دوپٹے سے اپنا نصف چہرہ ڈھانپے، صوفے پر بیٹھی کیمرے کے سامنے آتش کا پڑھایا گیا سبق دہرا رہی تھی کہ زندگی نے

www.pklibrary.com

اس کے سامنے اور کوئی راستہ بھی تو نہ چھوڑا تھا۔ تب ایسے میں اگر وہ یہ ''سودا'' نامنظور کرتی تو اب یہاں سے کہاں جاتی؟ سو اسے اب یہیں رہنا تھا اور وہی کرنا تھا کہ جو کچھ اسے سمجھایا گیا تھا۔

''شاباش خولہ.....'' اپنے آئی فون سے اس کا ''بیان'' ریکارڈ کرتی بی زی جوش وخروش سے اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہوئی بولی۔

''خاموش کیوں ہو گئیں اپنی ''کہانی'' پوری کرو۔''

''میں بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی۔'' یک لحظہ توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئی۔ ''اور برے حالات نے مجھے خودکشی پر مجبور کر دیا۔ اس روز میں اپنی جان دینے کے لیے بی زی میڈم کی گاڑی کے سامنے آئی تھی۔ پر بروقت بریک لگا کر نہ صرف انہوں نے مجھے بچا لیا بلکہ اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئیں اور میرا اچھا علاج معالجہ بھی کروا دیا۔ میں شکر گزار ہوں ان کی کہ ان ہی کی وجہ سے آج نہ صرف میں زندہ ہوں بلکہ انہوں نے میری رہائش اور نوکری کا مسئلہ بھی حل کروا دیا ہے۔ بس آپ سب کو یہی بتانا تھا بہت شکریہ!''

''ویل ڈن خولہ۔'' بی زی بے پناہ مسرت آمیز طمانیت سے بولی اور پھر کیمرہ اپنے چہرے کی جانب کر لیا۔

''جی تو میرے پیارے ویوورز.....'' اس نے گلا کھنکارتے ہوئے سنجیدہ سے لہجے میں اپنے ناظرین کو مخاطب کیا۔ ''تو یہ تھی اس نام نہاد ایکسیڈنٹ والی وائرل ویڈیو کی سچائی..... ویسے تو مجھے اپنی نیکیوں کا اشتہار لگانا پسند نہیں پر کیا کریں۔ کبھی کبھار لوگ آپ کو بہت مجبور کر دیتے ہیں۔ امید کرتی ہوں کہ پورا سچ جان لینے کے بعد آپ سب کا مجھ جیسی ''لابریکر'' اور ''کرمنل'' پر جو غصہ ہے وہ اب ٹھنڈا ہو گیا ہو گا بس یہی کہوں گی کہ سامنے دکھائی دیتی ہر بات سچ نہیں ہوتی۔ ویل خوش رہیں، خوشیاں بانٹیں اور پوزیٹو سوچیں۔ لو یو آل.....''

اس نے مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص الوداعی کلمات کے ساتھ اپنے وی لاگ کا اختتام کیا اور ویڈیو محفوظ کر لی تاکہ ایڈیٹنگ کے بعد اہتمام سے اپ لوڈ کی جا سکے۔

اس کے صبیح چہرے پر اب صبح والی مایوسی و پژمردگی کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ وہاں اب ایک نیا ولولہ اور بے پناہ جوش و مسرت دکھائی دیتی تھی۔

اور بھلا وہ کیوں نہ مسرور ہوتی کہ ہمیشہ کی طرح ''آتش'' نے اسے ''ناکام'' ہونے سے بچا جو لیا تھا۔ سو کام مکمل ہو جانے پر وہ بنا اس کا شکریہ ادا کیے اپنی ادھیڑ بن میں بعجلت کمرے سے نکل گئی تاکہ ویڈیو آتش کو دکھا سکے۔

اور پیچھے بیٹھی رہ گئی وہ کہ جسے آج آتش کی بدولت نئی پہچان ملی تھی مگر پھر بھی وہ خوش نہیں تھی۔

اور وہ خوش ہو بھی کیسے سکتی تھی؟

☆☆☆

''کنا سوہنا تینوں رب نے بنایا۔''

اپنے وسیع و عریض شاہانہ طرز سے آراستہ کمرے کے کشادہ بیڈ پر وہ بنا لباس تبدیل کیے پچھلے کئی گھنٹوں سے یہ نغمہ ریپیٹ پر لگا کر چت پڑا ہوا تھا۔

''کنا سوہنا تینوں رب نے بنایا۔''

''واقعی..... کیا صورت تھی وہ..... جو نگاہ میں کھب گئی۔''

''دل مڑدا نئیں لکھ سمجھایا.....''

''اور جب قیامت سامنے ہو تو یہ کافر (دل) کب کسی کی سنتا ہے۔''

www.pklibrary.com

اس چاند چہرے کو ذہن میں دہرا دہرا کر وہ گویا بن پیے مخمور تھا۔

''دل کرے دیکھدا رہواں.....''

''ہاں..... دل کی چاہت یہی ہے۔'' وہ دیوانگی سے بولا۔

''پر کیسے..... یہ کیسے ممکن ہوگا؟'' اس خیال نے اسے انگاروں پر لا پٹخا تھا۔ وہ وحشت سے اٹھ بیٹھا اور پھر شاید اس گلابی گلابی وجود کی خوشبو محسوس کرنے کی خاطر پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اس سیٹ پر آ بیٹھا کہ جہاں آج وہ مشام جاں کو معطر کرتا مشک نما بیٹھا تھا۔

''ایک بار دیکھا ہے..... بار بار دیکھنے کی ہوس ہے۔'' اس کا باغی دل سرکشی سے چلائے جاتا تھا۔

''پر کیسے..... کیسے..... کیسے؟'' سوال گمبھیر تھا۔ اس نے بے بسی سے تھک کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

''کیا ہوا صاحب! طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کچھ چاہیے کیا؟''

اس کا کل وقتی ملازم خدا بخش اس کے سر پر کھڑا بڑی فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولتے ہوئے گاڑی کی اندرونی لائٹیں آن کر دیں۔

اور ٹھیک اسی وقت اس کے پیروں سے کچھ ٹکرایا تھا۔

☆☆☆

''یہ دیکھیے سر!'' اپنے تھانے میں بیٹھے امیر علی خان چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کسی کیس کی فائل سامنے میز پر کھولے باریک بینی سے اس کے مطالعے میں مستغرق تھے کہ تب ہی اجازت لے کر فاروق احمد بڑی تیزی سے ان کے کمرے میں داخل ہوا اور اپنا سیل فون ان کے سامنے کرتا ہوا جوش و جذبات سے بھرپور مگر پچھتاتے لہجے میں بولا۔

''یہ کیا ہے؟'' امیر علی خان نے عینک نیچی کر کے سوالیہ نگاہوں سے فاروق احمد کا برہم چہرہ دیکھا۔

''جس لڑکی کو ہٹ کر کے وہ ایکٹرس بی زی اسے آتش کدے لے گئی تھی، اس کا وائرل ویڈیو۔''

''ذرا دکھاؤ تو.....'' امیر علی خان نے فائل بند کر کے اس کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

''یعنی ہمیں ملنے والی اطلاع سو فیصد درست تھی سر!'' وہ امیر علی خان کو پوری ویڈیو دکھا کر اپنا سیل ان سے واپس لیتا ہوا پرتپش لہجے میں خفگی سے بولا۔ ''یہ لڑکی اس وقت وہیں تھی، اگر آپ نے میری بات مان کر آتش کدے کا سرچ وارنٹ حاصل کر لیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ یہ لڑکی اس وقت زخمی حالت میں وہاں سے بازیاب کر لی جاتی۔''

''اور اس سے کیا ہوتا؟'' امیر علی خان نے طنزیہ نگاہوں سے اسے گھورا۔

''کیا بات کرتے ہیں سر!'' وہ مزید جذباتیت سے بولا۔

''زخمی لڑکی اگر آتش کدے سے بازیاب ہوتی تو کیا لامحالہ آتش کو شامل تفتیش نہیں کیا جاتا؟''

''نہیں کیا جاتا فاروق احمد صاحب!'' وہ طنزیہ نظروں سے اسے گھور کو بولے۔ ''کیوں کہ آتش کا ایک نام اور مقام ہے معاشرے میں۔ نہ اس کے ادارے پر کسی غیر قانونی سرگرمی ملوث ہونے کی کوئی اطلاع ہے اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی شکایت۔''

''اگر وہ اتنا ہی پارسا ہے تب اس پر نگاہ کیوں رکھی جا رہی ہے؟'' وہ تلخ ہوا۔

''کیوں کہ ایسے عناصر پر نظر رکھی جاتی ہے۔'' امیر علی خان نے گمبھیرتا سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ معمول کی بات ہے۔''

www.pklibrary.com

''یعنی ہمیں صرف نظر رکھنی ہے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے کسی ممکنہ تباہی کا انتظار کرنا ہے؟'' اس کا سوال بہت کڑوا اور لہجہ گستاخی کے زمرے میں داخل تھا۔

''نہیں..... تم سے کون کہہ رہا ہے کہ انتظار کرو۔'' یوں تو امیر علی خان اس نئے خون کی جذباتیت کے قدر دان تھے پر ابھی اس کے لب و لہجے پر سیخ پا ہو گئے۔

''تم جاؤ..... اور جا کر بالی ووڈ کے کسی فلمی انسپکٹر کی طرح جا کر تن تنہا اس کی لنکا میں آگ لگا دو پر اتنا یاد رکھنا کہ ایسا کر کے بھی تم اس سرآتش کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ الٹا اس کے پیروکار تمہیں گلے پڑ جائیں گے۔''

اتنے برس یہ وردی پہن کر انہوں نے جھک نہیں ماری تھی۔ ان کا تجربہ پر مبنی تجزیہ غلط نہیں تھا۔

''تب پھر آپ ہی گائیڈ کیجیے کہ میں کیا کروں؟'' فاروق احمد جو اپنی بے بسی سے ٹھنڈا پڑتا ہوا بولا۔

''مناسب وقت کا انتظار۔'' وہ زمانہ ساز سی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر بولے۔

''اگر وہاں کچھ پک رہا ہے تو خوشبو یہاں تک ضرور پہنچے گی۔ بس تب تک ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا۔''

☆☆☆

''دیکھو یہ مشرقی دیوار کے ساتھ جھولا رکھ کر ادھر اسٹیج بنا دیں گے اور اس کے سامنے کرسیاں لگوا کر مہمانوں کے بیٹھنے کی جگہ اور وہاں.....'' بولتے بولتے رجا لان کی مغربی دیوار کے سمت گھومی۔

''وہاں بوفے ٹیبلز..... کیوں ٹھیک ہے نا؟''

موسم صبح سے ابر آلود تھا۔ سو وہ سب پرسوں لان میں منعقد ہونے والی مایوں کی تقریب کی سجاوٹ وغیرہ کے بارے میں تبادلہ خیال کی غرض سے لان میں آ بیٹھی تھیں۔ شریفہ کین کی کرسی پر جب کہ وہ ساری نم خوشبودار گھاس پر مزے سے بیٹھی اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھیں۔ ساتھ ہی گرما گرم چائے اور عارفہ کی بنائی ذائقے دار کوکیز سے انصاف کیا جا رہا تھا۔

''ہاں..... ہاں وہ تو ٹھیک ہے رجا آپی!'' مہرو جو آج بڑے دن بعد اس محفل کا حصہ بنا تھا، بے صبرے پن سے بولا۔ ''پر یہ تو بتائیں کہ ڈانس فلور کہاں بنائیں گی؟''

''پورا لان ڈانس فلور ہے۔'' وریٰ اسے چڑانے کی خاطر بولی۔

''جہاں دل چاہے ڈانس کر لینا..... مطلب ناچ لینا۔''

''اور سجاوٹ کی کلر تھیم کیا ہوگی؟'' واثلہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''اب گرین اور یلو مت کہنا خدارا..... یہ تو بہت کامن ہے۔''

''ایسا کرو بلیک اور ڈارک گرے رکھ لو۔'' مہرو بولا۔

''دفع دور.....'' شریفہ بدمزگی سے بولیں۔ ''خدانخواستہ کیا ہم کوئی سوگ منا رہے ہیں۔''

''پر میں تو سوگ ہی منا رہی ہوں مما!'' اچانک گھر کے اندرونی حصے سے برآمد ہوتیں عینا گلوگیر سے لہجے میں بولی تھیں۔

سب یک لخت چونک کر ان کی سمت دیکھنے لگے۔

''کیا ہوا؟'' شریفہ نے دہل کر پوچھا تھا۔

وہ بنا کچھ کہے پھپھک کر رو پڑیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.pklibrary.com

حمیرا شفیع

ہیپی نیو ایئر

ماہ دسمبر کا آغاز ہوتے ہی فضا میں بڑھتی ہوئی خوش گوار سی ٹھنڈک جہاں مختصر سی سردیوں کی آمد کا اعلان کرتی ہے وہیں ایک اور نئے سال کے قدم رنجہ فرمانے کی نوید بھی دیتی ہے۔

اس بار نیو ایئر کے حوالے سے مرحا اور اس کا پورا گروپ نہایت پرجوش تھا۔

اس سال تو لاک ڈاؤن کی پابندیوں نے زچ کیے رکھا تھا۔ کالج میں بھی ہر قسم کی تفریحی سرگرمیوں پر

pklibrary.com

www.pklibrary.com

پابندی تھی۔ زیادہ تر تو طلبا کو آن لائن کلاسز پر ہی رکھا گیا تھا۔ خاندان بھر میں جو اکا دکا شادیاں ہوئی تھیں۔ وہ بھی سادگی سے ہی نمٹائی گئی تھیں۔ صرف اماں ابا کے نام ''مسٹر اینڈ مسز'' کا کارڈ آتا تھا۔ بچوں کو تو کوئی لفٹ ہی نہیں کراتا تھا۔ اس لیے سب ہی ملے گلے اور موج مستی کو ترسے ہوئے تھے۔ اب جا کر کہیں ڈھیٹ اور بے شرم وائرس کا زور کچھ کم ہوا تھا تو لاک ڈاؤن میں نرمی آئی تھی اور زندگی معمول پر آ رہی تھی۔ یوں مل بیٹھنے کے مواقع ڈھونڈے جا رہے تھے۔ 30 دسمبر کو مرحا کی سالگرہ بھی ہوتی تھی۔ یوں وہ سب سالگرہ پلس نیو ایئر پارٹی اکٹھے دھوم دھام سے منانے کا پروگرام بنائے ہوئے تھیں۔

گروپ کی سب سے طرح دار اور چنچل لڑکی زویا نے اعلان کیا۔

''سب غور سے سن لو۔ پارٹی کا تھیم کلر ریڈش میرون ہے۔ نہ ریڈ نہ میرون۔ ریڈش میرون۔ اس بار نئے سال کا کلر بھی یہی ہے۔''

''چلو پھر جلدی جلدی شاپنگ کر لیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ کلر ہی مارکیٹ سے غائب ہو جائے۔'' دور اندیش فاریہ نے مشورہ دیا۔

اگلے دن انہوں نے اپنی اپنی جمع پونجی جیبوں میں ٹھونسی اور شاپنگ پر روانہ ہو گئیں۔

ریڈش میرون کپڑے، جوتے اور جیولری وغیرہ تو گھوم پھر کر خرید لی مگر ریڈش میرون پرس ندارد۔

مارکیٹ میں زیادہ تر بلیک، براؤن، چاکلیٹ اور گرے شیڈ میں پرس دستیاب تھے یا پھر دلہنوں کے لیے تیز سرخ رنگ میں۔ مگر کہیں سے بھی ان کا مطلوبہ شیڈ نہ ملا۔

باقی سب نے تو تھک ہار کر دوسرے کلرز پر ہی اکتفا کر لیا مگر مرحا نہ مانی۔ وہ میچنگ کے سلسلے میں کسی سمجھوتے پر تیار نہ تھی۔ پھر اپنی سالگرہ کی وجہ سے پارٹی کی مہمان خصوصی بھی وہی تھی۔ اس لیے اسے سب سے زیادہ منفرد اور اسٹائلش دکھنا تھا۔ وہ پرس لیے بغیر ہی آ گئی۔ ارادہ تھا کہ اماں کے ساتھ ''بانو بازار'' کی ایک ایک دکان کھنگالے گی مگر اماں نے تو سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔

''نا بابا! میری ٹانگوں میں اتنا دم خم نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ خوار ہوتی پھروں۔''

''تو وہ چھوٹے بھائی کے سر پر جا پہنچی۔

''ہادی! میرے ساتھ بانو بازار چلو۔ میں نے کلچ لینا ہے۔''

''ہیں... اس کا تم نے کیا کرنا ہے.....؟'' اس نے لیپ ٹاپ سے سر اٹھا کر حیرت سے پوچھا۔

''ہائے اللہ.....! کلچ کا کیا کرتے ہیں۔''

''لیڈیز پرس کو کہتے ہیں۔'' پھر اس کی ہونق شکل دیکھ کر وضاحت کی۔

''اوہو.....اچھا! دراصل موٹر سائیکل میں بھی ایک کلچ ہوتا ہے۔ میں سمجھا تم وہ لینا چاہ رہی ہو۔'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''اف توبہ! یہ میرا احمق بھائی۔'' اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''اب اس بے چارے کو زنانہ چیزوں کا کیا پتا!'' اماں سخت برا مان گئیں۔

پھر وہ اسے نہ نہ کرنے کے باوجود کھینچ کھانچ کر بانو بازار لے آئی۔ دکان دکان خوار ہو کر بامشکل اس کے مطلوبہ شیڈ سے ملتا جلتا پرس دستیاب ہوا تو اس سے زیادہ ہادی نے شکر کیا۔

زویا کے بھائی نے ان کے لیے پزاہٹ میں ٹیبل بک کروا دی تھی۔ مقررہ تاریخ پر وہ سب نک سک سے تیار ہوٹل جا پہنچیں۔ خاص طور پر مرحا کی تو ٹور ہی نرالی تھی۔ اے ٹو زیڈ اس کی میچنگ مکمل تھی۔ کلچ کو اس نے نزاکت سے تھام رکھا تھا۔ سب سے پہلے مرحا نے اپنی سالگرہ کا کیک کاٹا۔ پھر سب نے مل کر ''ہیپی نیو ایئر'' کا کیک کاٹا۔ وقفے وقفے سے ان یادگار لمحات کی تصویریں بھی واٹس ایپ ہوتی رہیں۔

جب وہ گھر واپس آئی تو تھکن سے چور چور

www.pklibrary.com

تھی۔ پارٹی تو ایک دو گھنٹوں میں نمٹ گئی تھی مگر پارٹی کی تیاریوں نے بڑا خوار کیا تھا۔ وہ سارا تام جھام اتار کر جو بستر پر گری تو دن چڑھے تک بے سدھ سوتی رہی۔ دوبار اماں نے آ کر دروازہ دھڑ دھڑایا تو بامشکل اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سب سے پہلے سائیڈ ٹیبل پر دھرا موبائل ہی اٹھا کر آن کیا۔

ہر طرف پارٹی کی تصویروں کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ بے شمار لائکس اور تعریفی کمنٹس سے ان بکس بھرا ہوا تھا۔ سب سے زیادہ مرحا کے منفرد اسٹائل کو سراہا گیا تھا۔ ساری محنت وصول ہوگئی تو پارٹی کی تھکن بھی اڑن چھو ہوگئی۔ پہلے تو تصویریں صرف قریبی دوستوں اور کلاس فیلوز کو ہی سینڈ کی گئی تھیں۔ مگر جب اتنی تعریف ہضم نہ ہوسکی تو ان لوگوں کو بھی واٹس ایپ کردی گئیں جن سے محض رسمی سی سلام دعا تھی۔ دو دن تک تو یہی ہوتا رہا۔ ادھر سے تصویریں وائرل ہو رہی ہیں۔ ادھر سے وائرل ہو رہی ہیں۔

اس دن صبح وہ اپنے بال بنا رہی تھی۔ اماں اور ہادی ٹی۔وی لاؤنج میں ناشتہ کر رہے تھے جب خالہ صغریٰ (کام والی) چلی آئی۔

"آپا! آج کچھ پیسے تو دے دو۔"

"ہیں..... ابھی پرسوں ہی تو تمہیں تنخواہ دی تھی؟" اماں نے رسان سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے آپا..... مگر مزید ضرورت ہے۔ یہ جو نیا سال نہیں آ گیا؟" اس نے نیا سال یوں چبا چبا کر کہا جیسے نیا سال نہ ہو کوئی جن بھوت آ گیا ہو۔

"اس لیے تو میں نے تمہیں راشن کے بھی دو بڑے پیکٹ تھمائے تھے۔ اب کون سا خرچا آن پڑا ہے.....؟" اماں نے استفسار کیا۔

"آپا.....! دراصل میری جھلی نوری، آپ کی جٹھانی کے ہاں رات کے برتن دھوتی ہے۔ کل جب وہ گئی تو وہاں سارے بیٹھے مرحا بی بی کی تصویریں دیکھ رہے تھے۔ اس نے بھی دیکھ لیں۔ اب ضد کر رہی ہے کہ مجھے بھی نئے کپڑے جوتے بنا کر دو۔ میں نے بھی وہ منانا ہے۔ وہ جی..... کیا کہتے ہیں.....؟"

"خالہ! ہیپی نیو ایئر!" پاس بیٹھے ہادی نے ترنت کہا۔

"ہاں آپا وہی وہی..... میں نے بہتیرا سمجھایا کہ نیا سال ہو یا پرانا ہم غریبوں کو اس سے کیا مطلب، ہماری تو روٹی ہی پوری ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ مہنگائی نے تو ہماری ہڈیوں کا سرمہ بنا دیا ہے۔ وہ تو جی اللہ بھلا کرے آپ کا کہ آپ نے مہینے بھر کا راشن ڈلوا دیا۔ تنخواہ کے پیسوں سے مل ملا کر کرایہ دے دیا مکان کا، مگر اب یہ نیا سیاپا کہاں سے کروں؟ مگر وہ اڑیل نہیں مانی۔ بھوک ہڑتال کر کے بیٹھی ہے گھر۔ اب بتاؤ میں اکیلی جان اتنے گھروں کا کام کیسے کروں؟" صغریٰ کا تو دکھڑا ہی ختم نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا چلو، میں کچھ انتظام کرتی ہوں۔ تم واشنگ مشین سے میلے کپڑے نکالو اور سرف میں بھگوؤ۔"

"یہ خالہ صغریٰ بھی نا پورا ڈرامہ ہے۔ پیسے بٹورنے کا بہانہ چاہیے اسے۔"

اس نے بال سمیٹ کر کیچر لگاتے ہوئے تنفر سے سوچا۔

جب باہر نکلی تو اماں اپنا پرس کھنگال رہی تھیں۔ اس پر ایک ملامت بھری نظر ڈالی۔ اس نے بھی پروا نہیں کی۔ کچن میں جا کر اپنے لیے دو توس سینکے۔ فلاسک سے مگ میں چائے انڈیلی اور لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔

"تمہاری پارٹی کے بڑے چرچے ہیں بھئی..... سنا ہے بڑی اچھی تصویریں آئی ہیں۔ ابھی خالہ صغریٰ بتا رہی تھی۔"

ہادی نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ اماں کی بڑبڑاہٹ میں اضافہ ہوگیا۔ انہوں نے پرس بند کیا، الماری میں رکھ کر کھٹاک سے اسے بند کیا اور ایک سلگتی ہوئی نظر

www.pklibrary.com

اس پر مزید ڈال کر باہر نکل گئیں۔

وہ سمجھ گئی کہ اب اسے اماں سے کئی دن تک آج کل کی نوجوان نسل کی فضول خرچیوں، غریبوں کی حالت زار اور مہنگائی کی بڑھتی ہوئی شرح پر لیکچر سننے کو ملتے رہیں گے۔ اس لیے جب اماں واپس لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھیں تو اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے دفاع کا سوچا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ان کے قریب آئی اور پھر کسی جوشیلے مقرر کی طرح ہاتھ لہرا کر بولنے لگی۔

''دیکھیں اماں! اگر سال بعد ہم سب دوستوں نے مل کر ایک ذرا سی خوشی منالی یا پارٹی کر لی تو اس میں کوئی ہرج تو نہیں۔ آپ کو پتا ہے میں ایک ڈیڑھ مہینے سے کالج میں کینٹین نہیں جا رہی تھی۔ آپ نے جو جیب خرچ دیا۔ اسی کو بچا بچا کر کپڑے جوتے خریدے اور دیگر اخراجات پورے کیے۔ کوئی چوری تو نہیں کی۔ کہیں ڈاکا تو نہیں ڈالا۔ پھر اگر ایک دن اپنی مرضی سے اچھا کھا پی لیا یا اچھا پہن اوڑھ لیا تو کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ کوئی جرم تو نہیں کیا.....''

''ہیں..... یہ کیا بے تکی ہانک رہی ہو.....؟ میں نے کب کہا ہے کہ کوئی گناہ یا جرم کیا ہے.....!'' اماں اس کی جذباتی تقریر پر بھونچکی رہ گئیں۔

''مگر آپ کے رویے سے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''دیکھو بیٹی! خوشیاں منانا کوئی بری بات نہیں۔ تم لوگوں کا حق تھا مگر طریقہ کار سراسر غلط۔ آخر دکھاوا کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ زمانے بھر میں تصویریں وائرل ہو رہی ہیں۔ ٹھیک ہے اگر آپ افورڈ کر سکتے ہیں تو اچھا کھائیں، پئیں، پہنیں، اوڑھیں مگر نمود و نمائش تو نہ کریں۔ تمہیں پتا ہے کہ اس چیز کی ہمارے مذہب میں بھی ممانعت ہے۔ جیسے تمہاری تصویریں دیکھ کر نوری بگڑ گئی۔ ایسے ہی نجانے کتنے اور بچے بھی اپنی ماؤں کو ستاتے ہوں گے جن میں یہ سب کرنے کی استطاعت نہ ہوگی۔

تم آج کل کے بچوں نے وتیرہ ہی بنا لیا ہے کہ اگر گھر میں کوئی اچھی ڈش بن جاتی ہے یا کوئی نئی چیز آ جاتی ہے تو وہ استعمال بعد میں ہوتی ہے پہلے اس کی تصویر اسٹیٹس پر لگ جاتی ہے تاکہ جن کے پاس نہیں ہے ان کا بھی جی للچائے۔''

''اماں! ہمارا یہ مقصد تو ہرگز نہیں تھا۔'' وہ چیخی۔

''بیٹا! میں جانتی ہوں کہ تمہاری یہ نیت نہیں ہوتی مگر انجانے میں تم لوگ ایسا کر تو بیٹھتے ہو نا۔

''بچے! ہماری خوشیوں کو خوشیاں ہی رہنا چاہیے کسی دوسرے کے لیے حسرت نہیں بن جانا چاہیے۔''

انہوں نے بحث سمیٹی تو وہ کمرے میں آئی۔ ایک پیکٹ اٹھایا اور جا کر اماں کو دیتے ہوئے بولی۔

''اماں! یہ زویا لوگوں نے مجھے سوٹ اور میچنگ جیولری گفٹ کی تھی۔ آپ خالہ کو نوری کے لیے دے دیں۔''

''اف چندا! تم تو ناراض ہی ہو گئی ہو۔ میں نے اسے پیسے دے دیے ہیں۔''

''نہیں اماں! میں قطعاً ناراض نہیں۔ اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ خالہ ان پیسوں کو بھی اپنی کسی ذاتی ضرورت پر استعمال کر لے اور نوری کو کچھ بھی نہ لے کر دے۔''

''ہمیشہ بے چاری نے ہماری اترن پہنی ہے۔ نجانے اس کا نئے کپڑوں کو کتنا دل چاہ رہا ہوگا۔''

گفٹ پیک وہیں رکھ کر وہ کمرے میں دوبارہ واپس آئی۔ اب اس نے اپنے موبائل سے وہ سب کچھ ڈیلیٹ کرنا تھا جو اس کے لیے تو محض حسین یادوں کے سوا کچھ نہ تھا مگر آج سے پہلے اسے معلوم نہیں تھا وہ کسی اور کے لیے احساس کمتری کا سامان بھی بن سکتی ہیں۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ نئے سال کے حوالے سے کسی کی حسرت بھری آہ یا بددعا کی زد میں آئے۔

www.pklibrary.com

صائمہ نور

بہو رانی

"ہانیہ....." زبیر نے جو بیڈ پر دراز کب سے ہانیہ کو نائٹ کریم لگاتے ہوئے دیکھ رہا تھا نے بڑے چاہ و پیار سے پکارا۔ تقریباً گھنٹہ بھر سے آئینے کے سامنے ایستادہ ہانیہ ایک ادا سے پیچھے مڑی۔

"جی زبیر! بس پانچ منٹ اور....." ہانیہ نے کلینزر کو ہاتھ پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"کیا کوئی ہوم ٹاسک فورس آسمان سے اترنے والی ہے؟" زبیر نے اچانک غیر متوقع سوال کیا تھا۔ ہانیہ کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ وہ بڑی حیرانی سے زبیر کا سوال سنتے ہوئے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"میں سمجھی نہیں زبیر؟" اس نے اپنی خوب صورت آنکھیں پٹپٹائیں۔

"یار ہانیہ..... کیا تمہیں اس کمرے میں بکھری ہوئی چیزیں واقعی نظر نہیں آ رہیں؟"

زبیر کافی دن سے یہ کہنا چاہتا تھا۔ آج کہہ ہی دیا۔ ہانیہ نے زبیر کے کہنے پر فوراً سے پیشتر ایک نگاہ غلط کمرے پر دوڑائی۔

"ٹھیک تو ہے زبیر! سب کچھ تو سمٹا ہوا ہے۔ دیکھیں نا....."

زبیر نے حیرت سے ایک طرف بکھرے اخبار اور کھونٹی پر ٹنگے کپڑوں کا انبار ملاحظہ کیا..... ہانیہ جمائی لیتے ہوئے سستی سے زبیر کے پہلو میں دراز ہو گئی۔

"ویسے بھی رات ہو رہی ہے۔ اس وقت کمرہ بکھرا ہوا ہی ہوگا نا....." اور زبیر آپ وقت تو دیکھیں..... یہ کوئی وقت ہے ان باتوں کا؟ ہانیہ نے ناک چڑھائی۔

زبیر اب کیا کہتا۔ اس کی نفاست پسند طبیعت پر کمرے میں موجود ایک اضافی چیز بھی گراں گزرتی ہے مگر آج سے پہلے ہانیہ سے کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ محض سانس بھر کر رہ گیا۔

☆☆☆

زبیر اور ہانیہ کی شادی کو تقریباً چھ ماہ ہونے کو آئے تھے۔

ہانیہ اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ثابت ہوئی

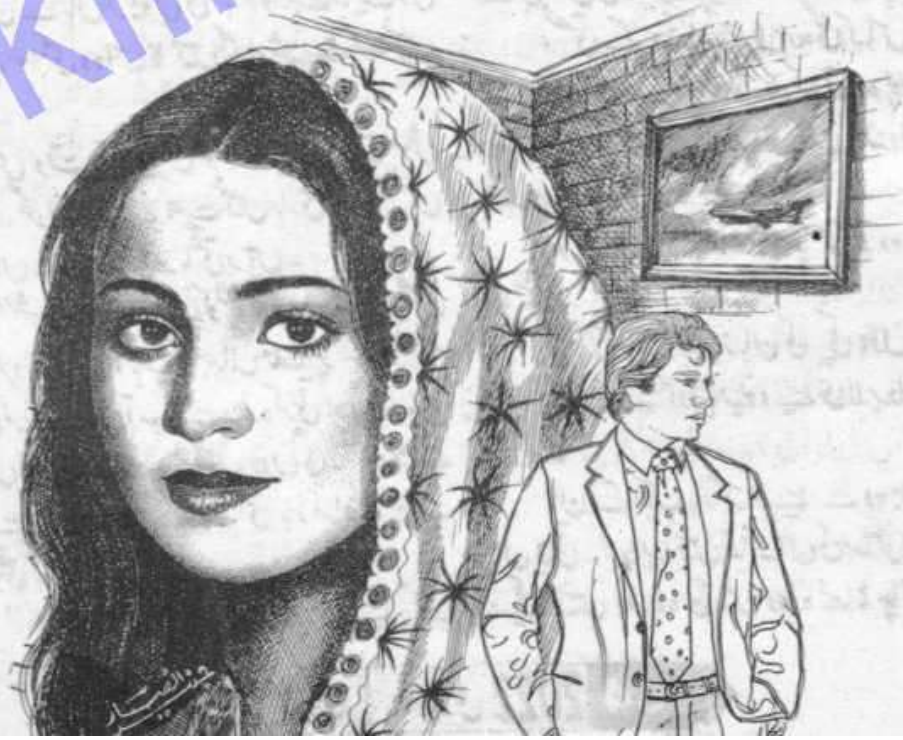

www.pklibrary.com

تھی کہ اس کی ساس نے واقعتاً اس کو بیاہ کر گھر لانے کے لیے جوتیاں گھسائی تھیں۔

ہوا یہ تھا کہ بیٹی کی سہیلی کی شادی میں انہوں نے ہانیہ کو دیکھا تھا اور وہ انہیں اپنے اکلوتے، لاڈلے ہونہار سپوت کے لیے دل و جان سے پسند آ گئی تھی۔

انہوں نے فوراً ہی اپنی بیٹی رامین کی سہیلی کی والدہ سے رابطہ کیا اور بتایا کہ فلاں فلاں لڑکی انہیں بہت پسند آئی ہے۔ انہوں نے بھی بغیر کسی تامل کے زبیر کی والدہ کو ہانیہ کی فیملی کا پتا و فون نمبر وغیرہ فراہم کر دیا تھا۔

لیکن اصل امتحان تو تب شروع ہوا جب وہ رشتہ لیے ہانیہ کے در پر پہنچیں۔

☆☆☆

ہانیہ کا تعلق ایک بہت ہی پڑھے لکھے اور متمول گھرانے سے تھا۔ ہانیہ چار بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔

نہایت خوب صورت نازک سی ہانیہ بی ایس سی کی طالبہ تھی۔ زبیر کی والدہ نے جب اپنی آمد کا مقصد ہانیہ کی والدہ شہلا خاتون کے سامنے رکھا تھا وہ پہلے تو بہت جز بز ہوئیں پھر انہوں نے کہا کہ ابھی ہانیہ چھوٹی ہے اور اس کا ارادہ ایم ایس سی کرنے کا ہے۔

ان کے ہاں لڑکیوں کی تعلیم کو بہت اہمیت دی جاتی ہے سو ابھی وہ اس کا کہیں بھی رشتہ طے کرنا نہیں چاہتیں۔

اس وقت تو زبیر کی والدہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں۔ مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ مسلسل فون پر ان سے ہانیہ کا ہاتھ مانگتی رہیں۔

''شہلا بہن! ہم ہانیہ کو شہزادی کی طرح رکھیں گے، بھروسا رکھیں، ہانیہ کو جہاں تک پڑھنا ہو تعلیم حاصل کرے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ ہانیہ کو سال بھر پلنگ سے ہلنے نہیں دوں گی۔'' وہ بڑے مان سے کہتیں۔ حالانکہ شہلا کتنی بار صاف جواب دے چکی تھیں۔

''بس شہلا بہن! مجھے بہو کے روپ میں اب ہانیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں جچے گی۔'' وہ عاجزی سے کہتیں۔

جب ان کی آمد و رفت اور اصرار حد سے سوا ہو گیا تو شہلا خاتون نے اپنے شوہر سے ذکر کیا کہ اتنے چاؤ سے وہ سال بھر سے ان کی دہلیز پر متواتر آتی رہی ہیں، لڑکا بھی میکینکل انجینئر ہے۔ مجھے بار بار انکار کرنا کفران نعمت ہی لگنے لگا ہے۔ اتنا پیار اور اتنا مان وہ دے رہی ہیں۔ اب کیسے انکار کروں۔''

''اچھا یہ بات ہے.....'' بلال صاحب بھی ان کی چاہت کا سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ ''ایک کام کرو اس اتوار بلالو ان کو دیکھتے ہیں۔''

بلال صاحب نے بیوی کی زبانی ان کی ہانیہ کے لیے اس قدر لگاوٹ کے بارے میں سنا تو رہ نہیں سکے۔ اور پھر تو جیسے بات آدمیوں تک پہنچنے کی دیر تھی جھٹ رشتہ طے ہو گیا۔

کیونکہ ہانیہ کے والد نے بھانپ لیا تھا کہ نا صرف زبیر کا خاندان بہت اچھا تھا، بلکہ زبیر خود بہت ڈیسینٹ، ذہین اور قابل لڑکا تھا۔

اس کا روشن مستقبل، انہیں صاف نظر آ رہا تھا۔

سو آگے ہانیہ کی پڑھائی مکمل کروانے کا وعدہ لے کر زبیر کی والدہ نے تاریخ طے کروا ہی لی، جو ہانیہ کے بی ایس سی فائنل پیپر کے بعد ہونا قرار پائی تھی۔

رخصتی کے بعد ہانیہ حیران رہ گئی کہ اس کی ساس نے جو وعدہ اس کی والدہ سے کیا تھا وہ پورا کر کے دکھایا، انہوں نے صرف کہا ہی نہیں بلکہ واقعی اسے پلنگ پر بٹھا کر کھلایا۔

وہ اگر کوئی کام کرنا بھی چاہتی تو وہ ہانیہ کو یاد دلاتیں۔

''بھئی ہانیہ! میں زبان کی پکی ہوں، مجھے اپنا وعدہ نبھانے دو۔'' اور ہانیہ تو ویسے ہی لاپروا اور لاابالی سی تھی۔

ان کے ایک بار کہہ دینے سے وہ مزے سے مان جاتی۔ اور ایسا نہیں تھا کہ اس کی ساس صرف منہ دیکھے کہتیں بلکہ وہ سچ میں وعدہ نبھانا چاہتی تھیں۔

www.pklibrary.com

لیکن ان کے اس قدر لاڈ بھرے رویے سے ہانیہ بہت ہی بے فکر ہوگئی تھی۔

یوں تو زبیر بھی ہانیہ کا گرویدہ تھا۔ لیکن زبیر بے حد صفائی پسند اور نفیس انسان تھا۔ اسے بکھری ہوئی بے ترتیب چیزیں سخت بری لگتیں۔ اور اس کا مشترکہ کمرہ جس کی صفائی وستھرائی صرف ہانیہ کی ذمہ داری تھی۔ ہانیہ کی لاپروائی کے سبب بکھرا ہی رہتا۔ زبیر نے کئی بار اشارے کنائیوں میں پیار سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن سدا کی بے وقوف ہانیہ سمجھ ہی نہ سکی اور ایک دن زبیر کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا۔ جب اس کی ایک اہم فائل ڈھیروں چیزوں کے انبار تلے دب گئی۔ اسے ہر حال میں یہ فائل آج آفس لے کر جانی تھی۔

☆☆☆

''امی!''

''امی!'' زبیر رات دیر گھر سے آیا تھا۔ سو رات وہ فائل ڈھونڈ نہ سکا۔ لیکن اسے اندازہ نہ تھا کہ فائل کھو ہی گئی ہوگی۔

وہ کافی دیر خاموشی سے کہ ہانیہ کی نیند خراب نہ ہو فائل ڈھونڈتا رہا مگر جب فائل نہیں ملی تو وہ اپنی ماں کے پاس مدد کے لیے پہنچا جو اس کے لیے ناشتہ بنا رہی تھیں اس کی آواز پر چونکیں۔

''امی! میری ایک اہم فائل نہیں مل رہی، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آپ پلیز میری مدد کریں۔''

''بیٹا! ہانیہ سے کہو نا۔ مجھے تمہارے ابو کو بھی ناشتا دینا ہے انہیں بھی دیر ہو رہی ہے۔ آج مجھے اٹھنے میں دیر ہوگئی۔''

انہوں نے مصروف انداز میں سادگی سے کہا۔

''امی.....! ملکہ عالیہ بیاہ کے لائی ہیں آپ۔ ایک گھنٹے سے فائل ڈھونڈ رہا ہوں کمرے میں، مجال ہے کہ آپ کی لاڈلی بہو کے آرام میں کوئی خلل پیدا ہوا ہو یا ان کے سر پر جوں بھی رینگی ہو۔'' زبیر نے بیزاری سے کہا۔ صالحہ بیگم کے چہرے پر تفکر پھیل گیا۔ زبیر بہت سلجھے ہوئے اطوار کا مالک تھا، لیکن اس وقت اس نے جو لہجہ اپنایا تھا یقیناً وہ کافی دن کی بے زاری کی چغلی کھا رہا تھا۔ زبیر ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔

انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اپنی بہو کو بیٹیوں جیسا رکھ کر ایک مثال قائم کریں گی۔ لیکن ساس بہو کے خوش گوار تعلق کی بنیاد میں کہیں بیٹے اور بہو کا تعلق تو خراب نہیں ہو رہا تھا؟ وہ فائل اور زبیر کو بھول بھال کچھ اور ہی سوچنے لگیں۔

''امی! آپ کیا سوچ رہی ہیں۔ پلیز میری مدد کریں۔'' زبیر نے اپنی ماں کو خیالوں میں گم پایا تو کہا۔

''ہاں بیٹا چلو میں آتی ہوں۔''

وہ پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر زبیر کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

ہانیہ مزے سے سو رہی تھی۔ اس کی برابر والی سائیڈ ٹیبل کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل شروع لے کر آخری سرے تک پرفیومز اور مختلف اقسام کی کریموں اور میک اپ سے بھری ہوئی تھی۔

صالحہ بیگم کو ہانیہ سے اس قدر غیر ذمہ داری کی امید نہ تھی۔ کمرے میں موجود کرسی پر میلے کپڑوں کا انبار پڑا دہائیاں دے رہا تھا۔ انہوں نے سر جھٹکا۔

آج وہ ان کے کمرے کی صفائی کریں گی۔ میری بھی غفلت ہے یہاں کی صفائی ستھرائی کے بارے میں تو کبھی سوچا ہی نہیں۔ انہوں نے اپنا ہی قصور نکال لیا۔ اور فائل ڈھونڈنے لگیں۔

دس منٹ کی خواری کے بعد انہیں زبیر کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کے اندر کچھ چیزوں کے نیچے دبی وہ فائل مل ہی گئی۔

انہوں نے فائل زبیر کے حوالے کرتے ہوئے ہانیہ پر نظر ڈالی۔ وہ ابھی تک اردگرد سے بے خبر سوئی ہوئی تھی۔

''امی! مجھے بہت دیر ہو رہی ہے، میں جا رہا ہوں۔'' زبیر نے فائل ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! ناشتا تو کرتے جاؤ، بس پانچ منٹ لگیں گے۔'' صالحہ بیگم نے فکرمندی سے کہا۔

www.pklibrary.com

"ناشتا آپ اپنی لاڈلی بہو کو کروا دیجیے گا۔"
زبیر نے سوئی ہوئی ہانیہ پر نظر ڈال کر اپنی ماں سے طنزیہ کہا۔

صالحہ بیگم بیٹے کے سامنے خود کو مجرم سا محسوس کرنے لگیں۔ جیسے ہانیہ کی تمام تر لاپروائیوں کی ذمہ دار وہی ہوں۔

☆☆☆

صالحہ بیگم تھکی تھکی سی باہر آ گئیں۔ وہ تو ہانیہ کو پا کر بہت خوش تھیں۔

وہ صرف شکل وصورت ہی نہیں مزاج میں بھی بہت شائستہ اطوار کی لڑکی تھی۔ نہایت سلجھی ہوئی باادب سی۔ لیکن اس نہج پر تو انہوں نے سوچا ہی نہ تھا۔

وہ اب مرے مرے ہاتھوں سے اپنے کام انجام دینے لگیں۔ لیکن وہ سوچ رہی تھیں کہ اب وہ گھر کے کچھ کام ہانیہ کے ذمہ لگائیں گی۔ انہوں نے سوچا اور لائحہ عمل بنانے لگیں۔

ٹھیک گیارہ بجے ہانیہ فریش سی کمرے سے برآمد ہوئی۔ صالحہ بیگم نے نظر بھر کر اپنی بہو رانی کو دیکھا وہ بے حد خوب صورت، چھوٹی سی گڑیا ہی لگتی تھی۔

"ہانیہ بیٹا! آج تم اپنے لیے ناشتا بنالو، میری کچھ طبیعت اچھی نہیں۔"

صالحہ بیگم دیکھنا چاہتی تھیں کہ امور خانہ داری میں بہو بیگم کے کیا حالات ہیں۔

ویسے تو ان کو یاد تھا کہ ہانیہ کی والدہ نے انہیں صاف بتا دیا تھا کہ ہانیہ کو انہوں نے کبھی کچن میں قدم رکھنے نہیں دیا، لیکن ہر ماں اپنی بیٹی کو کچھ تو سکھاتی ہی ہے بس وہ یہی دیکھنا چاہتی تھیں کہ شاید ہانیہ کو کچن کا کوئی کام آتا ہو۔

"جی امی!" ہانیہ نے حیرت چھپاتے کہا۔

جب سے ہانیہ بیاہ کر آئی تھی، اس کی ساس ہی اسے ناشتا بنا کر دیتی رہی تھیں۔

وہ کچن میں گئی چائے تو تیار ہی تھی۔ اسے اپنے لیے پراٹھا بنانا تھا لیکن اسے کہاں پراٹھا بنانا آتا تھا۔

سو اس نے بریڈ کا ایک سلائس لیا اور باہر آ گئی۔ صالحہ بیگم اس کی پھرتی دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ وہ اپنے لیے بھی اتنا ہی تردد کر سکی تھی، وہ اسے ناشتا کرتے دیکھ رہی تھیں۔

انہیں اندازہ ہو گیا کہ بہو بیگم اس معاملے میں ان کا بہت امتحان لینے والی تھیں۔

"بیٹا ایک بات کہوں، تم برا تو نہیں مانو گی؟"
صالحہ بیگم نے بڑے سبھاؤ سے بات شروع کی۔

"جی امی! کہیے!" ہانیہ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا جو وہ کہنے والی تھیں۔

"بیٹا! آج سے آٹا گوندھنا اور روٹی پکانا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"میں سب کام کر لیتی ہوں لیکن یہ روٹی نہیں پکائی جاتی مجھ سے کیونکہ کھڑا ہونے سے گھٹنے بہت درد کرنے لگتے ہیں۔"

صالحہ بیگم نے رسان سے کہا تو ہانیہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"جی امی۔"

انہوں نے ہانیہ کو بالکل نابلد دیکھا تو اب وہ باقاعدہ میدان میں یہ ٹھان کر اتری تھیں کہ بہو کو جلد ہی بہت زیادہ نہیں تو چند ضروری کام سکھا کر ہی دم لیں گی۔

☆☆☆

ہانیہ نے ابھی اپنے حصے کا کام شروع نہیں کیا تھا۔ وہ کام سے فارغ بھی نہیں ہوئی تھیں کہ ان کی بڑی بہن آمنہ تشریف لے آئیں۔

"آئیں آپا! کیسی ہیں آپ؟"

بہن کو دیکھ کر ان کی آمد پر جہاں وہ کھل سی گئیں، وہیں انہیں ایک عجیب سی ٹینشن نے بھی آن گھیرا کیونکہ ان کی بڑی بہن ان سے بالکل مختلف تھیں۔

جب انہیں پتا چلے گا کہ گھر کی اکلوتی بہو صبح دس بجے کے بعد بھی سوئی ہوئی ہے تو وہ کیا کیا نہ کہیں گی۔

"آپا! بیٹھیں میں چائے لاتی ہوں آپ کے

www.pklibrary.com

لیے اور بتائیں ناشتا وغیرہ کیا ہوا ہے آپ نے؟"
صالحہ بیگم نے پوچھا۔
"ناشتا تو میں کر کے آئی ہوں، تم چائے ہی لے آؤ۔ اور تم کیوں لاؤ گی، کہاں ہیں بہورانی، یا ابھی تک چاؤ چونچلے اٹھا رہی ہو تم؟"
وہ اپنی بہن کو اچھی طرح جانتی تھیں سو وہی کہا جو انہیں توقع تھی۔
"ارے آپا! اصل میں ہانیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ وہ تو اب ہر کام میں ہاتھ بٹاتی ہے۔"
صالحہ کا لہجہ بھی یہ کہتے ہوئے کھوکھلا سا تھا۔
"ارے جاؤ، کیا میں تمہیں نہیں جانتی؟ غضب خدا کا ساس کام میں لگی ہیں اور بہورانی محو استراحت ہیں۔ ماشاء اللہ الٹی گنگا ہمیشہ تمہارے ہاں سے ہی بہتی دیکھی ہم نے۔" انہوں نے صالحہ کی مصالحانہ طبیعت پر طنز کیا۔
اس سے پہلے کہ آپا مزید کچھ کہتیں۔ صالحہ چپ چاپ چائے بنانے کچن میں چلی گئیں۔

☆☆☆

صالحہ چائے لے آئیں۔ بلکہ انہوں نے باتیں کرتے کرتے کتنا کام بھی کر لیا تب جا کر قریباً گیارہ بجے ہانیہ بالکل فریش کمرے سے برآمد ہوئی۔
"السلام علیکم امی!" اس نے دور سے ہی ساس اور ان کی بڑی بہن کو دیکھ کر اٹھلا کر سلام کیا۔
صالحہ بیگم بہن کے سامنے بلاوجہ ہی ہانیہ کے دیر سے اٹھنے کے سبب سبکی سی محسوس کر رہی تھیں۔
"ہانیہ.....!" انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے کہا۔
"ارے خالہ امی! آپ کب آئیں؟" اس نے خالہ ساس کو دیکھ کر گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔
"میں تو صبح سے آئی ہوئی ہوں دو گھنٹے ہو گئے۔" انہوں نے بتایا۔
"تم روزانہ اتنے بجے سو کر اٹھتی ہو؟" انہوں نے فوراً پوچھا۔
"جی خالہ امی، کیوں؟" ہانیہ نے معصومیت سے سوال کیا۔

"ہائے بی بی! دنیا میں سسرال نہیں جنت مل گئی تمہیں تو، پاؤں دھو دھو پیو اس کے۔" انہوں نے اپنی چھوٹی بہن کی طرف اشارہ کیا۔
"ہانیہ بیٹے! میرے گھٹنوں میں آج شدید درد ہے۔ باقی کام تو آج تم سوئی تھیں تو میں نے کر لیا ہے۔ بس رات کے لیے تھوڑا سا دم والا قیمہ بنا لو۔"
ہانیہ نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔
"جی امی بنا لیتی ہوں۔ لیکن کام تو روزانہ آپ ہی کرتی ہیں، میں کہاں کرتی ہوں۔" ہانیہ نے اپنی ازلی معصومیت سے کہا۔
"بیٹا! تم کچن میں جاؤ اور ناشتا کرو۔" صالحہ بیگم نے خفت چھپاتے ہوئے کہا۔
ہانیہ کو صالحہ بیگم کے انداز سے لگا کہ اس نے کچھ غلط کہہ دیا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس لیے وہ فوراً کچن میں چلی گئی۔
"بس بھئی اب تم کتنا بھرم رکھو گی اپنی نالائق بہو کا۔ تم تو صورت دیکھ کر فریفتہ ہو گئیں۔ کام کاج تو آتا نہیں دلہن کو۔ اوپر سے تم نے انہیں بنورانی بنا کر سال بھر بٹھانے کا بیڑہ بھی اٹھا رکھا ہے۔
کتنا سمجھایا تھا تمہیں کہ بہوؤں کو رکھنے کے گر ہوتے ہیں۔ جن سے بہوئیں قابو میں رہتی ہیں۔ وہ سیکھ لو نہیں تو اپنی ہڈیاں گھساتی رہو گی عمر بھر..... لیکن تم نے کبھی کسی معاملے میں ہماری سنی؟ یہ بھی کہا تھا کہ بہو تھوڑی کم حیثیت اور کم پڑھے لکھے خاندان سے لاؤ، لیکن تمہاری تو مت ماری ہوئی تھی۔ پورا جہاں مل کر بھی تمہیں عقل نہیں دے سکتا تھا۔" وہ آج بھی اپنے پرانے فلسفے و روش پر قائم تھیں۔
ہانیہ کچن میں موجود با آسانی اپنی خالہ ساس کی آوازیں سن سکتی تھی۔ اس کی خالہ ساس بڑے ہی کٹیلے انداز سے اس کی بے چاری ساس کی سرزنش کر رہی تھیں۔
اور وہ اپنے بارے میں ان کے نادر خیالات سن کر جی بھر کر حیران ہوئی تھی۔
وہ تو خود کو بہت ہی قابل سمجھتی تھی، میٹرک میں

www.pklibrary.com

پوزیشن لینے والی انٹر میں ستر پرسنٹ مارکس لینے والی اور اسے یقین تھا کہ بی، ایس سی میں بھی اس کے بہت شان دار نمبر آنے والے تھے۔ اس پر اس کی خوب صورتی بھی ایک الگ اضافی قابلیت تھی۔ لیکن یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ تھا۔

جس کے مطابق اس کی خالہ ساس کے پرکھنے کا معیار صرف اور صرف اس کا سگھڑاپا تھا جس میں وہ بلاشبہ صفر تھی اور اس بات کا اسے اچھی طرح ادراک تھا۔ وہ دل میں تھوڑی سی شرمندہ بھی ہو رہی تھی۔

اسے خود سے زیادہ اپنی ساس کی سرزنش کیے جانے پر افسوس تھا۔ جو صرف اس سے محبت کی بنا پر کی جا رہی تھی۔

اسے برا تو لگ رہا تھا۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

☆☆☆

صالحہ بیگم اپنی بہن کے جانے کے بعد بجھی بجھی سی رہنے لگی تھیں جیسے انہیں اپنی بہو کے پھوہڑ پن پر پچھتاوا محسوس ہو رہا ہو۔ اس دن کے بعد سے وہ ہانیہ کی ایک سخت گیر سی استاد بن گئیں۔

وہ کمر درد کا بہانہ کر کے اکثر کام ہانیہ کے حوالے کرنے لگیں۔ ہانیہ پریشان تو بہت تھی، لیکن اس نے کبھی اپنی ساس کو انکار نہیں کیا۔

چاہے وہ کام اسے بالکل ہی نہ آتا ہو۔ وہ کبھی منع نہیں کرتی اور پوری دل جمعی سے کرنے کی کوشش کرتی، لیکن ہر کام میں مہارت آتے آتے ہی آتی ہے۔

اب اکثر کھانا وہ بناتی۔ صالحہ بیگم اس کی مدد تو کرتیں مگر محض زبانی کلامی۔

نتیجتاً کھانا بے رنگ، بدمزہ سا بنتا، جس کا اثر زبیر کے موڈ پر پڑتا۔ وہ اپنی ماں سے شکایت کرتا تو صالحہ بیگم کہتیں کہ وہ ہانیہ کو گھر کے کام سکھا رہی ہیں۔

اور یہ کہ ابھی وہ برداشت کرے وہ اسی طرح سیکھے گی۔ بظاہر تو وہ ہانیہ کی بھلائی ہی چاہتی تھیں لیکن وہ کب شفیق ساس سے ایک تھوڑی سی سخت گیر ساس کے روپ میں ڈھل گئیں انہیں خبر ہی نہ ہوئی۔

☆☆☆

"ہانیہ بیٹا! کیوں نہ آج تمہارے کمرے کی بھی تفصیلی صفائی کر لیتے ہیں۔"

"جی امی! کر لیتے ہیں۔"

تھوڑی دیر میں دونوں ساس بہو کمرے میں موجود تھیں۔ کمرے کی حالت ابتر تھی۔

"بیٹا! تم پہلے اوپر سے جالے وغیرہ صاف کرو، مجھے تو استھما ہے شدید، یہ کام تو میں رضیہ (کام والی) سے ہی کرواتی ہوں۔" انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

ہانیہ کو مجبوراً صفائی والی اسٹک ہاتھ میں لینی ہی پڑی۔ وہ نزاکت سے کمرے کی چھت اور پنکھا صاف کر رہی تھی۔

اس نے اچھی طرح جب اوپر سے جالے ہٹا لیے تو نیچے کی ڈسٹنگ شروع کی، جھاڑ پونچھ کے بعد جھاڑو لگائی پھر ڈسٹنگ اور پوچا۔ صالحہ بیگم دوبارہ کمرے میں آئیں، کمرہ صاف تو ہو گیا تھا لیکن جھاڑ پونچھ میں اتنا وقت صرف ہو گیا کہ پھیلاوا سمیٹنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ انہوں نے تاسف سے ہانیہ کو دیکھا۔

"کوئی بات نہیں ہم مل کر سمیٹ لیتے ہیں۔"

ہانیہ کو اتنا کام کرنے کی عادت نہ تھی۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔

اس کا بھی قصور نہیں، اس کی والدہ نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا ہانیہ کو، ابھی گھر کا کوئی کام نہیں آتا۔

ان کو ہی ہانیہ اتنی بھا گئی تھی کہ باقی ہر چیز پس پشت ڈال دی، حتیٰ کہ وہ یہ بھی بھول گئیں کہ ان کا بیٹا ہر چیز میں سمجھوتا کر سکتا ہے لیکن صفائی کے معاملے میں نہیں۔

اسی لیے تو اس دن زبیر کے انداز نے انہیں چونکا دیا تھا۔ کیونکہ وہ شکایت تب ہی کرتا جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا۔

ہانیہ پورے کمرے کی تفصیلی صفائی کے بعد تھک کے چور بے دم سی بیٹھی تھی۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

"ہانیہ بیٹا! ذرا اپنے کمرے کے بعد، میرے کمرے کی بھی ڈسٹنگ کر دینا پھر مجھے آٹا گوندھ دو۔"

صالحہ بیگم نے آہستہ آہستہ اسے ٹریک پر لانا شروع کیا گو کہ وہ یہ کام سختی، ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کرواسکتی تھیں۔ لیکن وہ روایتی ساس نہ بننے کا عزم کیے بیٹھی تھیں۔

اور پھر وہ شادی سے پہلے اپنی بہو سے محبت ونباہ کے بڑے بڑے دعوے بھی کرتی آئی تھیں۔ کچھ ان وعدوں کا پاس بھی انہیں رکھنا تھا۔

ابھی بھی انہیں ہانیہ سے قطعی کوئی پرخاش نہ تھی بس وہ چاہتی تھیں کہ زبیر کا دل اس کی طرف سے خراب نہ ہو۔

ہانیہ ہزار شکوے دل میں ساس کے خلاف لیے آنسو پیتی ڈسٹنگ کرنے لگی۔ پھر اس نے آٹا گوندھا۔

اسے آٹا گوندھنا تو آتا تھا لیکن پریکٹس نہیں تھی۔ سو نتیجہ وہی نکلا جو بغیر مشق کے کسی بھی کام کا نکلتا ہے۔ آٹا ڈھیلا ڈھالا بغیر کسی کل کے بس پڑوسی ملک کے خالصتان کی طرح رسمی طور پر ہی آپس میں جڑا ہوا تھا۔ صالحہ بیگم نے آٹے کو دیکھ کر ضبط کا گھونٹ پیا۔

☆☆☆

یوں تو ہانیہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ سسرال کوئی ایسی جگہ نہیں، جہاں جا کر وہ عیش کرے گی۔ اور کبھی اسے کام نہیں کرنا پڑے گا لیکن اپنی ساس کے بے حد اچھے رویے اور مثبت سوچ نے اسے ہر بات سے غافل سا کر دیا تھا۔

☆☆☆

پھر تو اپنی دانست میں جیسے ہانیہ پر مصیبتوں کے پہاڑ ہی ٹوٹ گئے تھے۔

وہ جو کام کرتی، ساس صاحبہ اس کام میں نقص نکالتیں۔ وہ بہت سارے کام کرنے کے چکر میں کوئی ایک بھی کام ڈھنگ سے نہ کر پاتی تھی۔ کیونکہ اسے تو کام کرنے کی ذرا سی بھی عادت نہ تھی۔

صالحہ بیگم ہانیہ کو آہستہ آہستہ گھر کے تمام کام سکھا رہی تھیں۔ انہوں نے اس پر کئی ذمہ داریاں ڈال دی تھیں۔ جس کی وجہ سے اب ہانیہ ہر وقت فریش رہنے کے بجائے اداس اور خود سے لاپرواہی رہنے لگی۔

زبیر سے یہ بات زیادہ دن چھپی نہ رہ سکی۔ وہ ماں سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اسے یکدم سب کام نہ سکھائیں، وہ تھک رہی ہے لیکن وہ کیسے کہتا ان کی اس طرف توجہ دلانے والا بھی تو وہی تھا۔ لیکن وہ ہانیہ کو اداس بھی تو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"ہانیہ! آج تم تیار رہنا شام میں باہر ڈنر کریں گے۔"

زبیر آفس جا رہا تھا جب ہانیہ کو کام میں مصروف دیکھ کر کہا۔

ہانیہ نے جواب تو نہیں دیا لیکن برا سا منہ بنایا۔

"میں بہت تھکی ہوئی ہوتی ہوں۔ بالکل ہمت نہیں ہوتی کہیں نکلنے کی۔" ہانیہ نے مصروف سے انداز میں کہا۔

"ہانیہ! کیا ہے یار! ادھر تو دیکھو، ہر وقت مصروف رہنے لگی ہو۔" زبیر نے اس کے بکھرے بالوں کی ایک لٹ اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ہٹیں زبیر! آپ کو دیر ہو رہی ہے۔" ہانیہ نے اسے یاد دلایا۔

"تم کہو تو میں تھوڑی سی اور دیر کر سکتا ہوں۔" زبیر کا لہجہ شوخ تھا۔

"زبیر....." ہانیہ نے مصنوعی غصے سے زبیر کو گھورا۔

"اچھا اب ہنس تو دو۔" زبیر نے کہا تو ہانیہ بے دلی سے مسکرا دی۔ زبیر پھر کچھ نہیں بولا اور اسے اللہ حافظ کہتا کمرے سے باہر آ گیا۔

☆☆☆

"امی!" اس نے صالحہ بیگم کو پکارا جو جائے نماز پر دعا مانگ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"جی بیٹا!" انہوں نے پیار سے صاحب زادے کو دیکھا۔

"امی! کیا گھر میں کوئی بات ہوئی ہے؟" زبیر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

www.pklibrary.com

''نہیں، اللہ نہ کرے۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

''اچھا.....!'' زبیر سوچ میں پڑ گیا۔

''خیریت تو ہے، تم نے کیوں ایسا سوچا؟''

''نہیں، کچھ نہیں۔'' وہ اپنی اتنی شریف النفس ماں سے کیسے کہتا کہ اصل وجہ کیا تھی۔

وہ دوبارہ کمرے کی طرف مڑا۔

''ہانیہ! ایک کام کرو، آج ہم تمہاری ماما کے گھر چلتے ہیں۔''

زبیر نے ہانیہ کو پیار سے پکارا۔ اور یہ نسخہ کارآمد ثابت ہوا۔ ہانیہ فوراً خوش ہوگئی۔

''ٹھیک ہے زبیر! میں ابھی امی کو فون کر دیتی ہوں۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''کتنی معصوم ہے۔'' ہانیہ زبیر نے سوچا۔

جہاں چھوٹی چھوٹی سی بات اس کا موڈ آف کر دیتی ہے وہیں چھوٹی سی بات اسے خوش بھی کر سکتی ہے۔

☆☆☆

ہانیہ اور زبیر، ہانیہ کے میکے پہنچے تو اس کے والد اور والدہ بے حد مسرور نظر آ رہے تھے۔ آج ہانیہ کافی دن بعد وہاں گئی تھی۔ زبیر، ایان اور فیض کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہانیہ آج خوش تو تھی مگر انداز نروٹھا سا تھا۔

''کیا ہوا میری ہانیہ کو۔'' بابا نے اس کے روٹھے روٹھے انداز کو دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکے۔

''ڈیڈی! آپ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں لیکن آپ نے اتنی جلدی کی مجھے گھر سے نکالنے میں۔'' وہ کہتے ہوئے چھلکتے آنسو روک نہ سکی۔

''ارے ارے یہ کیسی بات کی، شہلا پانی دو میری گڑیا کو.....'' شہلا فوراً پانی لے کے آئیں۔

''کیا ہوا میری جان۔''

شہلا خود بھی حیران پریشان رہ گئی تھیں۔

ان کی اکثر صالحہ بیگم سے بات ہوتی اور کبھی کسی ایک پل بھی ان کو یہ نہیں لگا تھا کہ ان کی بیٹی وہاں خوش نہیں ہوگی یا اسے کسی مسئلے کا سامنا ہوگا۔

''ڈیڈی، ماما! آپ پریشان مت ہوں۔ میں خوش ہوں وہاں لیکن مجھے ان سے نہیں آپ لوگوں سے شکایت ہے۔'' وہ اب بے اختیار امڈ آنے والے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

''ماما، اگر شادی کرنا ہی تھی تو آپ نے مجھے پڑھائی کے ساتھ کام کیوں نہیں سکھائے۔ آپ نے تو ہمیشہ پڑھائی پر زور دیا کہ..... یہ پڑھنا ہے۔ وہ پڑھنا ہے۔ سائنس پڑھنی ہے۔ ماما! میری ساس نے تو کبھی مجھ سے کوئی ایک فارمولا نہیں سنا، کبھی کوئی ایکویشن بیلنس نہیں کروائی۔ کبھی کوئی پریکٹیکل جنرل نہیں بنوایا۔ کبھی وائیوا نہیں لیا۔ انہیں تو بس گھر کا کام چاہیے۔

زبیر ان کو کمرہ صاف چاہیے، چیزیں جگہ پر چاہیے۔ امی کو آٹا ملائی کی طرح نرم اور اچھی طرح مکی لگا چاہیے تاکہ روٹی پھولی پھولی اور نرم ـــــ بنے۔ انہیں گول روٹی اچھی لگتی ہے۔ انہیں تو الماریاں ترتیب سے چاہیے۔

ماما مجھے تو یہ سب آتا ہی نہیں تھا۔ میری پڑھائی تو دھری رہ گئی میں نے تو آدھی زندگی پڑھائی ہی کی تھی۔ مجھے تو پڑھائی علاوہ کچھ نہیں آتا تھا۔ انہیں کبھی میری موتیوں جیسی ہینڈ رائٹنگ سے کوئی سروکار نہیں ہوا جس کو بہتر بنانے میں میری آدھی زندگی گزر گئی۔ ماما۔'' وہ کہتے ہوئے ایک بار پھر رونے لگی۔

''اوہو ہماری بیٹی کو اس بات کا دکھ ہے کہ ساس صاحبہ نے سائنس کے فارمولے پوچھنے کے بجائے نمک مرچ کا تناسب جانچ لیا۔''

ڈیڈی اس کی باتیں سن کر بے ساختہ قہقہہ لگائے بغیر نہیں رہ سکے۔ وہ انہیں شکوہ کناں نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ڈیڈی پڑھائی سے زیادہ یہ سب کام اہم تھے تو ماما نے یہ سب کیوں نہیں سکھایا اور مجھے یاد ہے۔ کبھی ماما کہتی بھی تو آپ منع کرتے تھے کہ اس کو پڑھنے دو۔ پھر ڈیڈی میں نے تو وہی کیا جو مجھے آپ لوگوں نے کہا۔ مجھے بتائیے اس میں میری غلطی کیا ہے۔ اور مجھے کوئی کام سیکھنے میں عار نہیں لیکن امی چاہتی ہیں کہ میں راتوں رات سگھڑ بن جاؤں۔ ایسا کیسے ہوگا؟''

وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

www.pklibrary.com

اور اس کے بابا اپنی لاڈلی بیٹی کو مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں وہ حق بجانب لگ رہی تھی۔

لیکن اس کی سائیڈ لینے کا مطلب تھا کہ اس کے دل میں سسرال والوں اور شوہر کے خلاف بغاوت کا بیج بونا۔ سو انہوں نے بڑے سبھاؤ سے بات شروع کی۔

''بیٹا! کیا کبھی تمہاری ساس نے تمہیں کوئی طعنہ دیا ہے؟'' انہوں نے ہانیہ سے پوچھا۔

''نہیں بابا! انہوں نے تو نہیں لیکن جو بھی ان کے ہاں آتا ہے پہلے میرے بارے میں اور کام کے بارے میں پوچھتا ہے۔ خود زبیر کو میرے گھریلو کام کاج کے نابلد ہونے سے بہت شکایت تھی۔ لیکن میں اب کوشش کر رہی ہوں۔'' وہ اب سنبھل چکی تھی۔

''بیٹا! اس میں نہ تو تمہارا قصور ہے، نہ تمہاری ساس کا نہ شوہر کا۔ شاید یہ ہمارا ہی قصور ہے۔ ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تمہیں اتنی جلدی رخصت کریں گے لیکن بیٹیاں کب بڑی ہو جاتی ہیں اور کب پرائے گھر چلی جاتی ہیں پتا ہی نہیں لگتا۔

یہ تو اللہ کا کوئی انعام ہی ہے کہ تمہارے سسرال والے روایتی سسرال والے نہیں بلکہ ہر بات کو سمجھنے والے ہیں۔ اور تمہاری ساس جو کر رہی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔

بیٹا تم تھوڑا سا انہیں بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر تمہیں کچھ مشکل لگتا ہے تو آرام سے انہیں بتا دو۔ تم تو بہت ذہین ہو، جب سائنس کے اتنے مشکل فارمولے اور پریکٹیکل تم انجام دے سکتی ہو تو گھر کے کام تو نسبتاً آسان ہوتے ہیں۔ بس تھوڑی سی توجہ اور شوق کی بات ہے۔

دوسرا یہ تمام کام تم خالص اپنے شوہر اور گھر والوں کی محبت میں کرتی ہو، جب تم یہ لگن رکھو گی تو خود بخود سب کام آسان لگیں گے۔''

ہانیہ کے ڈیڈی نے نہایت لاڈ سے کہا۔ ہانیہ کو ان کی بات سمجھ میں آ رہی تھی وہ مسکرا دی۔

☆☆☆

ہر دن الارم پر مارے باندھے اٹھنے والی ہانیہ آج خود شوق سے فجر کے بعد سوئی ہی نہیں اور کچن میں آ گئی۔

''امی! آپ چائے پئیں گی؟''

اس نے تسبیح پڑھتی صالحہ بیگم سے پوچھا، وہ حیران رہ گئیں کیونکہ روزانہ وہ اپنے اور اپنے شوہر کے لیے چائے بناتی تھیں اور جب نماز کے لیے اٹھی ہانیہ سے پوچھتی تو وہ نیند میں ڈوبی ہوئی منع کر کے چھپاک سے کمرے میں چلی جاتی تھی۔

تیار چائے سے بھی انکار کرنے والی ہانیہ آج خود چائے بنانے کا پوچھ رہی تھی۔ ان کی حیرت بجا تھی۔

''ہاں بیٹا! بنا لو، ویسے میں بنا لیتی، تم تو پیتیں نہیں۔ تمہیں سونا ہے تو سو جاؤ، کیوں تکلیف کرتی ہو۔'' انہوں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

''نہیں امی! تکلیف کیسی اور آج میں بھی پیوں گی۔'' ہانیہ نے اپنے لیے بھی چائے بنائی۔

اور اس کے بعد وہ تو کچھ دیر ستانے لیٹ گئیں۔ لیکن ہانیہ کچن میں آ گئی۔ آج اس نے بڑے دل سے آٹا گوندھا اور باقی چھوٹے چھوٹے کام نمٹائے۔ زبیر کے آفس جانے کا وقت ہوا تو سب کام ہو چکے تھے۔ اس نے نفاست اور سلیقے سے ناشتا بنایا تھا۔

صالحہ بیگم تو بہورانی کی کایا پلٹ دیکھ کر بے ہوش ہی ہونے والی تھیں۔ زبیر ہر چیز ہانیہ کو اتنی پھرتی سے لاتا دیکھ کر بہت حیرت زدہ تھا۔

''دیکھا بیٹا! میری بہو صرف صورت ہی نہیں سیرت میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔''

صالحہ بیگم نے جھٹ بیٹے کو جتا کر اس دن کا بدلہ بھی لے لیا۔

''جی امی! مان گیا آپ کو میں۔''

زبیر دور کچن میں کھڑی ہانیہ پر ایک سرسری نظر ڈال کر ماں سے مخاطب ہوا۔

کچن میں با آسانی سب آوازیں سنتی ہانیہ نے سوچا۔ صرف ایک اپنی نیت اور سوچ بدلنے سے انسان بڑے بڑے پہاڑ بھی آرام سے سر کر لیتا ہے، یہ تو محض چند گھریلو کام تھے۔ وہ آج اپنی ساس کو خود پر فخر کرتا دیکھ کر سچ مچ خود کو کسی قابل سمجھ رہی تھی۔

☆

www.pklibrary.com

فریدہ سیفی

برادر یوسف

میں سکندر بخت ایک انتہائی کامیاب بزنس مین ہوں۔ میرا بزنس کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور یہ شاندار بزنس مجھے وراثت میں نہیں ملا۔ میں ایک مکمل طور پر سیلف میڈ انسان ہوں۔ زیرو سے اسٹارٹ کرنے والا۔ میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میں مٹی میں ہاتھ ڈالوں تو وہ بھی سونا بن جاتی ہے۔ لوگ میری خوش قسمتی پر رشک کرتے ہیں۔ میری کامیابیوں پر مجھ سے حسد بھی کرتے ہیں۔ میں واقعی مقدر کا سکندر ہوں۔

میری ایک انتہائی حسین و جمیل اور وفادار بیوی ہے۔ دو خوبصورت صحت مند بچے ہیں۔ لیکن جس طرح ہر منظر کے پیچھے ایک پس منظر ہوتا ہے۔ ہر تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں ویسے ہی میری یہ پرفیکٹ زندگی حقیقت میں اتنی پرفیکٹ نہیں ہے جتنی نظر آتی ہے۔

کیا آپ یقین کریں گے کہ پچھلے دس سال سے میں پرسکون نیند سے محروم ہوں۔ دنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج کروا چکا ہوں۔ سکون کی ساری دوائیں، نیند کی ہر طرح کی ٹیبلٹس مجھ پر اپنا اثر کھو چکی ہیں۔

صرف یہی نہیں ایک اور مسئلہ بھی ہے میرے ساتھ۔ ہر طرح کی کامیابی حاصل کرنے کے باوجود میں کبھی بھی خوش نہیں ہو پاتا۔ قہقہہ لگانا یا دل کھول کر ہنسنا تو دور کی بات میرے لیے لب پھیلا کر مسکرانا بھی ایک کار دشوار ہے۔ دنیا بھر کے ڈاکٹر اس سلسلے میں بھی ناکام ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں ٹھیک ہونا ہی نہیں چاہتا۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔

ایک وقت تھا جب میرے پاس اتنا روپیہ پیسہ

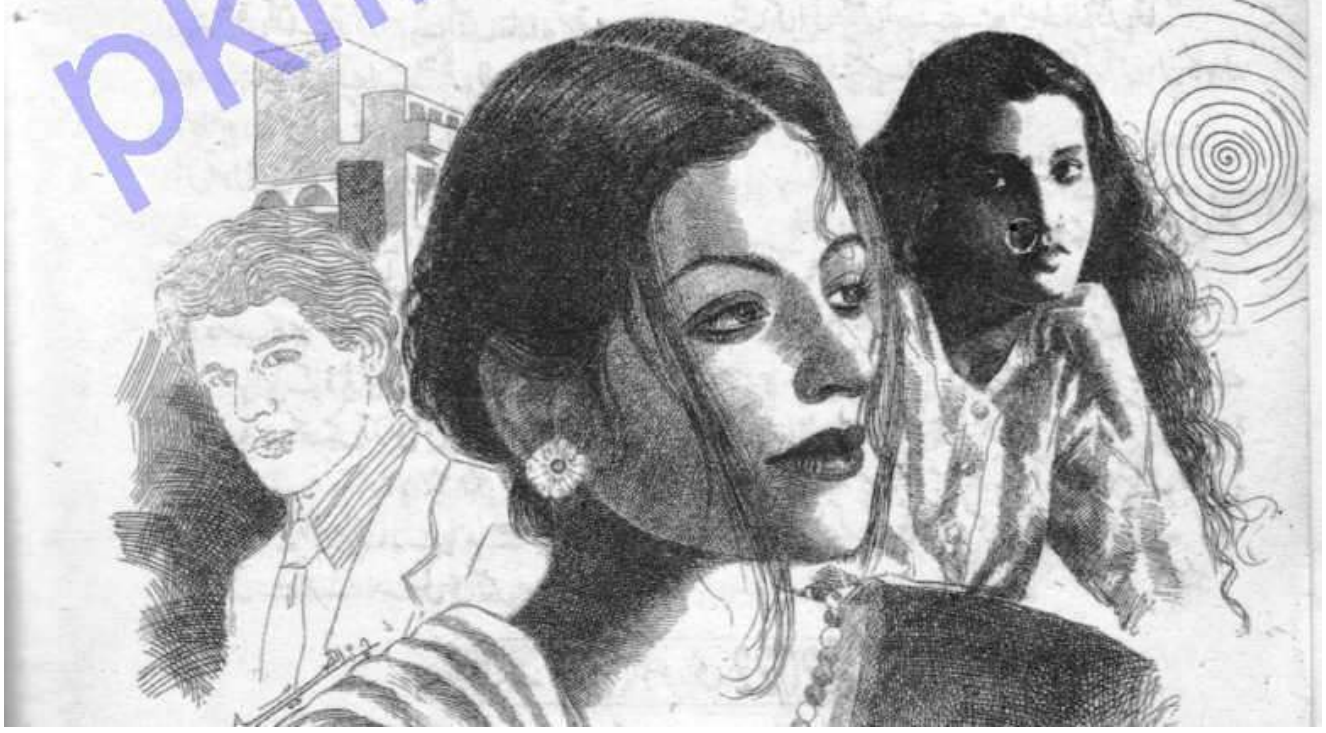

www.pklibrary.com

نہیں تھا لیکن میری زندگی میں سکون تھا۔ یہ اور بات ہے کہ مجھے اس سکون کی قدر نہیں تھی۔ میرے اردگرد میرے چاہنے والوں کی محبتیں تھیں لیکن مجھے ان محبتوں کا احساس نہیں تھا۔ زندگی کے اسٹیج پر ہر انسان ہیرو بن کر نہیں آتا۔ کچھ کی اینٹری ولن کے طور پر بھی ہوتی ہے۔ میں بھی ولن ہی تھا۔ مجھے یہ بات بہت دیر سے سمجھ میں آئی کہ کسی دوسرے کے ساتھ دشمنی کرتے ہوئے ہم دراصل اپنی ذات کے ساتھ بھی دشمنی کر رہے ہوتے ہیں۔ ظالم صرف مظلوم پر ہی ظلم نہیں کرتا بلکہ خود اپنے آپ پر بھی ظلم کرتا ہے۔ مظلوم کے پاس تو پھر مورل سپورٹ ہوتی ہے، ظالم کے پاس تو وہ بھی نہیں ہوتی۔ مظلوم کے دکھ کا مداوا ممکن ہے لیکن ظالم اپنے لیے جو جہنم تیار کرتا ہے، اس کی

ناولٹ

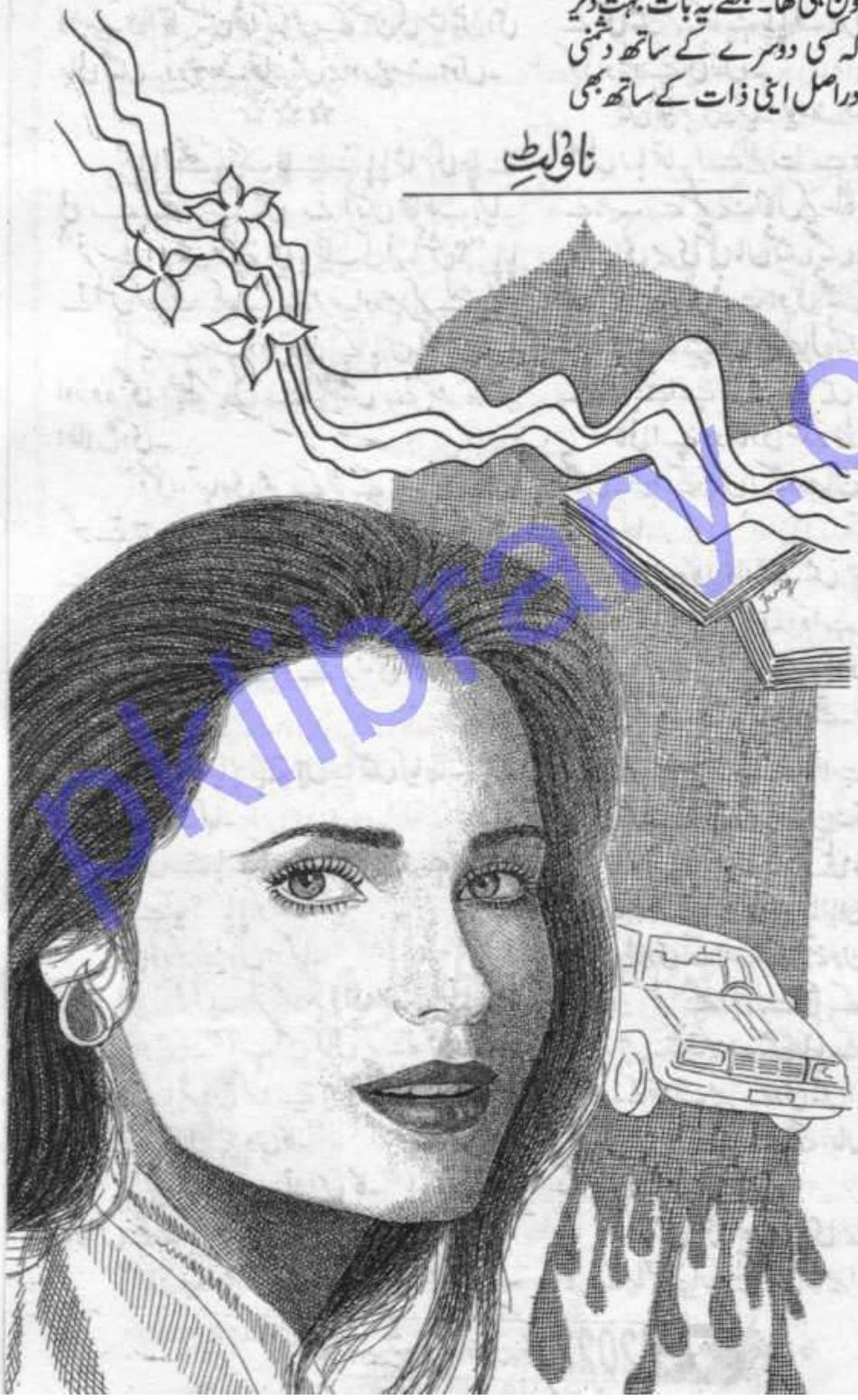

pklibrary.com

www.pklibrary.com

آگ کبھی سرد نہیں ہوتی۔ مجھے دشمنی کے لیے باقاعدہ تیار کیا گیا تھا۔ میں نے ساری عمر جس کے ساتھ شدید نفرت کی، اس کے جانے کے بعد مجھے اس سے محبت ہوگئی اور یہی محبت میرے لیے سزا بن گئی ہے۔ وہ میرا بھائی تھا۔ اونچا، لمبا، بے حد خوب صورت اور وجیہہ۔ وہ اتنا حسین تھا کہ اس کے حسن کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ وہ یوسف تھا۔ میں برادر یوسف ہوں۔

☆☆☆

"پاپا! مجھے بائیک چاہیے۔" پاپا شام کی چائے پی رہے تھے جب میں نے انہیں مخاطب کیا۔

"فرسٹ ایر میں پہنچتے ہی بائیک کی فرمائش؟" پاپا نے ہنس کر مجھے دیکھا۔ "کچھ عرصہ اور صبر کر لیتے۔"

"میرے سب دوستوں کے پاس بائیکس ہیں اور وہ بھی پچھلے سال سے۔" میں نے منہ بنا کر اطلاع دی۔

"بھئی، تمہاری عمر کے لڑکے جو ون ویلنگ کرتے ہیں اور دوسری الٹی سیدھی حرکتیں۔ مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔" پاپا بات کرتے ہوئے امی کی طرف مڑے۔ "کیوں بیگم۔ تم کیا کہتی ہو؟"

امی خاموشی سے صوفے پر بیٹھی ہماری باتیں سن رہی تھیں۔

"ان سے کیا پوچھتے ہیں۔ انہیں کیا پتا۔" میں نے بدتمیزی سے کہا۔

"ماں سے بات کرنے کا یہ طریقہ ہے تمہارا۔ تمیز نہیں ہے کیا؟" پاپا کو غصہ آ گیا

میں ڈر کر خاموش ہو گیا۔

امی نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور پھر پاپا سے مخاطب ہوئیں۔ "آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ غصہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ صحیح تو کہہ رہا ہے وہ۔ مجھے کیا پتا ان چیزوں کا۔"

"لہجہ دیکھا تم نے اس کا۔" پاپا ابھی بھی ناراض تھے۔

"جاؤ بیٹا! تم۔" امی نے مجھے مخاطب کیا۔

"میں ان سے بات کرتی ہوں۔ تمہاری بائیک آ جائے گی۔"

میں جلتا کڑھتا لان میں چلا آیا۔

"ہونہہ۔ ساری بات ان ہی کی ہے۔ پاپا ہر بات ان ہی کی مانتے ہیں۔ نانی سچ کہتی ہیں۔ انہوں نے مٹھی میں کر رکھا ہے پاپا کو۔ میری تو پاپا کی نظر میں کوئی ویلیو ہے ہی نہیں۔"

میں بینچ پر بیٹھ گیا۔ یوسف فٹ بال کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی۔

امی میری سگی ماں نہیں تھیں۔ میری اپنی ماں تو مجھے جنم دیتے ہی فوت ہو گئی تھیں۔ ظاہر ہے پاپا تو اتنے چھوٹے بچے کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے تھے، اس لیے نانی مجھے اپنے ساتھ لے گئیں۔

نانی اپنے دو شادی شدہ بیٹوں کے ساتھ رہتی تھیں۔ ان کے بچوں کے درمیان نانی نے میرا بہت خیال رکھا۔

میں ان کا لاڈلا تھا۔ میں چھ سال کا ہوا تو پاپا نے دوسری شادی کر لی۔ وہ اب مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے۔ سوتیلی ماں کے حوالے سے نانی کے دل میں بہت سے خدشات تھے۔ وہ سیلف ڈیفینس کے تحت مجھے ہر طرح کے حالات کے لیے تیار کرنا چاہتی تھیں تاکہ کوئی مجھے نقصان نہ پہنچا سکے۔

اس لیے انہوں نے سوتیلی ماں کے مظالم کے حوالے سے مجھے بہت سی کہانیاں سنائیں۔ پاپا کی دوسری شادی کے بعد میں جتنے دن بھی ان کے پاس رہا، وہ مسلسل مجھے امی سے بچ کے رہنے کے طریقے بتاتی رہیں۔ نتیجتاً جب میں پاپا کے ساتھ اپنے گھر آیا تو امی کے خلاف میرے دل میں اتنا بغض اور عناد تھا کہ میں چھ سال کے بچے کے بجائے ان کا ایک مکمل دشمن بن چکا تھا۔

اگر میں سچ کہوں تو امی بری نہیں تھیں۔ وہ میرے ساتھ پیار کرتی تھیں۔ میرا خیال رکھتی تھیں۔

www.pklibrary.com

انہوں نے مجھے اپنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن میں نے ان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔

میں بچہ تھا۔ ہوسکتا ہے ان کے پیار سے پگھل بھی جاتا اگر میں اپنی نانی کے ساتھ مستقل رابطے میں نہ رہتا۔ ہفتہ اور اتوار کا دن میں اپنی نانی کے ساتھ ان کے گھر میں گزارتا تھا۔ وہ مجھ سے پورے ہفتے کی رپورٹ سنتی تھیں۔ انہیں امی کی ہر بات بری لگتی تھی۔ وہ ان کے ہر لفظ میں جھوٹ اور ہر انداز میں مکر ڈھونڈ لیتی تھیں۔ اور یہی کچھ انھوں نے مجھے سکھایا۔

میں دو چھٹیاں نانی کے ساتھ گزار کر جب اپنے گھر واپس آتا تو میرے ساتھ ان کی دی گئی ہدایات کی پوٹلی ہوتی تھی۔ جوں جوں دن گزرتے گئے میں امی کے ساتھ زیادہ بدتمیز اور گستاخ ہوتا گیا۔

☆☆☆

سال بھر بعد یوسف پیدا ہوگیا۔ وہ عام بچوں سے زیادہ خوب صورت تھا۔ امی اور پاپا جب اس سے پیار کرتے تو مجھے بہت برا لگتا تھا۔ امی مجھے اپنے ساتھ مانوس کرنے کے لیے ہر وقت جو میرے لاڈ اٹھاتی رہتی تھیں اب ان میں کمی آ گئی تھی۔ پاپا بھی اب بلاشرکت غیرے میرے نہیں رہے تھے۔ یہ چیز مجھے تکلیف دیتی تھی۔ میرے اندر گھٹن اور زہر بڑھ رہا تھا۔ میں کبھی یوسف کو چٹکی کاٹ لیتا اور کبھی اسے کاٹ سے نیچے دھکا دیتا تھا۔ وہ جب روتا تو مجھے بہت مزا آتا تھا۔ کچھ عرصے میں امی کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ میں یوسف کو تنگ کرتا تھا۔ وہ کبھی نظر انداز کر دیتی تھیں اور کبھی مجھے پیار سے سمجھاتی تھیں۔ لیکن میں اپنے لیے راستہ چن چکا تھا۔ وہ راستہ نفرت کا راستہ تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یوسف کے لیے میری نفرت بڑھتی گئی۔ میں اس کے کھلونے توڑ دیتا۔ وہ آرام سے بیٹھا ہوتا تھا تو اسے تھپڑ لگا دیتا تھا۔ کبھی اس کے بال کھینچ دیتا۔ کبھی مرچوں والے اسپائسی چپس اس کے منہ میں ڈال دیتا۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہو جاتا۔ چہرہ لال سرخ ہو جاتا اور کھانس کھانس کر سانس رکنے پر آ جاتی۔ امی کے تو ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے۔ میں ایسے موقع پر بالکل معصوم بن جاتا تھا۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ اسے ایسی چیز نہیں دینی تھی۔ وہ مجھ سے مانگ رہا تھا اس لیے میں نے اسے دے دیا۔"

میں سادگی سے صفائی پیش کرتا۔ امی پوری کوشش کرتی تھیں کہ میں یوسف کے ساتھ اکیلا نہ رہ پاؤں لیکن پھر بھی مجھے موقع مل ہی جاتا تھا۔ اس نے اسکول جانا شروع کیا تو میرے اسے تنگ کرنے کے طریقوں میں بھی تبدیلی آ گئی۔ اب میں اس کی کاپیاں اور کتابیں پھاڑ دیتا تھا اور پھر اس کا الزام بھی اسی کے سر ڈال دیتا۔

جب وہ انکار کرتا تو اسے اکیلے میں لے جا کر خوب دھمکاتا۔ کئی دفعہ اس کے کیے ہوئے ہوم ورک کو ربڑ کے ساتھ مٹا دیتا۔ اس بے چارے کو اسکول میں بھی ڈانٹ پڑتی اور گھر میں امی کی پوچھ گچھ کا سامنا بھی کرنا پڑتا۔ اب وہ مجھ سے ڈرنے لگا تھا۔ میری شکایت لگانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اب بھی میں اس کے سامنے بیٹھا لاپرواہی سے موبائل دیکھ رہا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ کسی کو اس بار [illegible]

www.pklibrary.com

بتائے گا۔ وہ مجھ سے پورے سات سال چھوٹا تھا۔ میرے غصے اور خراب مزاج کے باوجود کبھی کبھی وہ میرے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن میں اس کی ایسی کوشش ہمیشہ ناکام بنا دیتا تھا، اس کی شدید خواہش تھی کہ میں اس کے ساتھ بڑے بھائیوں والا پیار کروں۔ میں اس کی آنکھوں میں یہ حسرت صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ اور یہ چیز میرے لیے مزید چڑ کا باعث بنتی تھی۔ آخر میری اتنی سرد مہری کے باوجود وہ مجھ سے کوئی امید کیسے لگا سکتا تھا۔

☆☆☆

کھیلتے ہوئے یوسف کی فٹ بال دیوار کراس کر کے باہر سڑک پر چلی گئی تھی۔ اس نے گیٹ کھولا اور باہر نکل گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں فٹ بال نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر دور کھڑا مجھے دیکھتا رہا پھر جھجکتے ہوئے میرے پاس چلا آیا۔

''بھائی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے مجھے پکارا

''کیا ہے؟'' میں نے بیزاری سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی شکل رونے والی ہو رہی تھی

''وہ..... لڑکوں نے میرا فٹ بال لے لیا ہے۔'' نے گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے بتایا۔

''تو؟'' میں نے ماتھے پر ڈھیر سارے بل ڈال لیے تھے

''آپ..... ان سے لے دیں۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے فرمائش کی۔

''میں فارغ لگتا ہوں تمہیں؟'' میں اس پر چڑھ دوڑا۔ ''یہی کام رہ گیا ہے اب میرا کہ تم لوگوں سے پنگے لو اور میں تمہارے مسئلے حل کرتا پھروں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ میرے سامنے نہ آنا اب۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ وہ اندر جانے کو پلٹا۔

''ٹھہرو۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے اسے آواز دی۔ ''چلو میرے ساتھ۔''

وہ خوشی خوشی میرے ساتھ چل پڑا تھا۔

گیٹ کے باہر یوسف ہی کی عمر کے تین لڑکے اس کی فٹبال سے کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے بال وہیں چھوڑ دی اور تھوڑے چوکنے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں ڈر تھا کہ میں انہیں ڈانٹوں گا۔

''وہ ہے تمہاری بال۔'' میں نے گیند کی طرف اشارہ کر کے یوسف سے پوچھا۔

''جی بھائی۔'' وہ مجھے جواب دے کر گیند لینے کے لیے آگے بڑھا۔

''ٹھہرو ذرا۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' میں نے اسے روکا۔

وہ رک کر حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

''یہ بتاؤ، تم نے ہوم ورک کر لیا ہے۔'' میں نے رعب سے پوچھا۔

''جی بھائی۔''

''اور رف کام۔''

''وہ تو نہیں کیا۔'' اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

''پھر؟'' میں نے ماتھے پر بل ڈال کر سوال کیا۔ ''جب سے تمہیں یہ فٹ بال ملا ہے۔ پڑھائی سے تمہاری توجہ بالکل ہٹ گئی ہے۔ کھیلنے کے علاوہ تمہاری زندگی میں کوئی اور کام ہے ہی نہیں۔ خبردار اگر آئندہ تم مجھے اس فٹ بال کے ساتھ کھیلتے نظر آئے۔ بلکہ اس کا تو میں قصہ ہی ختم کرتا ہوں۔''

میں نے یوسف کی اس کے ہم عمر لڑکوں کے سامنے بے عزتی کرتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکے بھی حیران ہو رہے تھے کہ میں انہیں کچھ بھی کہنے کے بجائے اپنے ہی بھائی کو ڈانٹ رہا تھا۔

''ادھر آؤ۔'' میں نے ان میں سے ایک لڑکے کو بلایا۔

''جی، سکندر بھائی۔'' وہ لپک کر آیا تھا

''یہ بال اٹھاؤ اور نکلو یہاں سے۔'' میں نے بال کی طرف اشارہ کر کے آرڈر دیا۔

''جی؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا

''تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ فارسی بول رہا

www.pklibrary.com

ہوں میں؟"

میں نے ایک نظر یوسف کی روہانسی شکل پر ڈال کر اسے ڈپٹا۔

لڑکے نے فوراً فٹ بال اٹھائی اور اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ لوگ حیرت سے پلٹ پلٹ کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کا کھلونا یوں کسی اور کو دے سکتا ہے۔ یوسف رو رہا تھا۔ میں نے اس کی جو بے عزتی کی تھی، اس کے طعنے اگلے کئی دنوں تک اسے ان لڑکوں کی طرف سے ملنے تھے۔ اپنے پسندیدہ فٹ بال سے اسے الگ ہاتھ دھونے پڑے تھے۔

"اب یہاں کھڑے ہو کر عورتوں کی طرح ٹسوے بہاتے رہو گے یا اندر بھی چلو گے۔" محض سولہ سال کی عمر میں میری بدزبانی اور بدمزاجی عروج پر تھی اور اس کا کھل کر مظاہرہ میں یوسف کے سامنے کرتا تھا۔

وہ روتے ہوئے اندر بھاگ گیا۔ میں سیٹی بجاتے ہوئے اس کے پیچھے تھا۔ یوسف کو دکھی کر کے میں ہمیشہ کی طرح خوش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری یوسف کے لیے نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر میرا خون کھول اٹھتا تھا۔ اس کو سکون میں دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی۔ میں اس کی ہر خوشی اس سے چھین لینا چاہتا تھا۔ اس کی ہر مسکراہٹ اس کے چہرے سے نوچ لینا چاہتا تھا۔ اب وہ میٹرک میں تھا۔ وہ پڑھائی میں بہت اچھا تھا۔ اور یہ ایک چیز ایسی تھی جس کے بارے میں چاہ کر بھی میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت محنتی بھی تھا۔ اس کے گریڈز ہمیشہ بہت اچھے آتے تھے۔ اور یہ چیز پاپا کی اس کے لیے محبت کو اور بڑھا دیتی تھی۔ میں اس معاملے میں جلنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ میں اپنی جلن اور حسد کو اسے دکھ اور اذیت پہنچانے کے لیے استعمال کرتا تھا۔

☆☆☆

پاپا لونگ روم میں بیٹھے تھے۔ میں نے یوسف کو ان کے پاس بیٹھے دیکھا تو وہیں چلا آیا۔

"پاپا! مجھے لیپ ٹاپ دلوا دیں گے؟" یوسف پاپا سے فرمائش کر رہا تھا۔

میں نے بھنویں اچکا کر غور سے اسے دیکھا۔

"ابھی سے؟"

"مجھے اسٹڈیز میں ضرورت ہے۔" میرے سامنے اس کا لہجہ خود بخود دھیما ہو جاتا تھا۔

"ٹھیک ہے، لے لو۔" پاپا نے کہا۔ وہ اس کی بات فوراً ہی مان جاتے تھے۔ خاص طور پر ایسی بات جس کا تعلق پڑھائی سے ہوتا تھا۔ "بلکہ سکندر! ایسا کرو کہ تم دلا دو اسے۔ تم ان چیزوں کے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہو۔" اب وہ مجھ سے مخاطب تھے۔

"پاپا! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ میٹرک میں لیپ ٹاپ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ سارا دن گیمز میں گھسا رہے گا یا پھر فضول موویز دیکھ کر اپنا دماغ خراب کرے گا۔ اگر آپ نے اسے لیپ ٹاپ لے کر دینا ہے نا تو پھر پڑھائی کو بھول جائیں آپ۔" میں نے غصے اور نفرت سے یوسف کو دیکھتے ہوئے پاپا کو بھی اچھی خاصی سنا ڈالی تھیں۔

پاپا نے یوسف کے اداس چہرے کو دیکھا اور شفقت سے مسکرائے۔ "بیٹا! اگر ابھی ضرورت نہیں ہے تو فی الحال رہنے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری پوزیشن خراب ہو۔"

"پاپا! سر نیازی ریسرچ کے لیے روز ہی کوئی نہ کوئی ٹاپک دے دیتے ہیں۔ مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے ان کے سامنے۔" یوسف نے دھیمے لہجے میں اپنا مسئلہ بتایا۔

"تو لائبریریز کس لیے ہوتی ہیں۔ ان سے ہیلپ لو۔" میں نے اسے گھورا۔

www.pklibrary.com

''میرا خیال ہے سکندر! کہ کل تم اسے ایک اچھا سا لیپ ٹاپ لا دو۔ مجھے یاد ہے، تم نے بھی میٹرک میں ہی لیا تھا۔'' پاپا نے مجھے آرڈر دیا۔

''اور یوسف بیٹے۔ اب تمہارے لیے چیلنج ہے۔ مارکس اب تمہارے پہلے سے بھی زیادہ اچھے آنے چاہئیں۔''

''فی الحال تو میرے پاس ٹائم نہیں ہے پاپا۔'' میں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ پھر میں نے یوسف کی طرف دیکھا جس کا چہرہ پاپا کی بات سن کر خوشی سے کھل گیا تھا۔

''تمہیں اگر اتنی ہی ضرورت ہے تو اسٹور سے میرا پرانا کمپیوٹر نکال لو۔ صرف ونڈو نئی کرنی پڑے گی۔ تمہارا گزارا چل جائے گا۔ لیپ ٹاپ کالج یا یونیورسٹی میں جا کر لے لینا۔''

''یہ آئیڈیا بھی اچھا ہے۔'' پاپا نے متفق ہو کر سر ہلایا۔ میں نے یوسف کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ یقیناً لیپ ٹاپ لینا اس کی شدید خواہش تھی اور چونکہ میں نے میٹرک میں لیپ ٹاپ خریدا تھا اس لیے اسے پوری امید تھی کہ اسے بھی پاپا لیپ ٹاپ دلوا دیں گے اور وہ تو دلوا بھی دیتے اگر ہمیشہ کی طرح میں بیچ میں نہ آ جاتا۔

''اب یوسف میاں۔ اسٹور سے اٹھاؤ مٹی سے بھرا پرانا کمپیوٹر اور اس پر کرو اپنی ریسرچ۔ بڑا آیا لیپ ٹاپ خریدنے والا۔'' میں نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دل ہی دل میں قہقہہ لگایا تھا۔

☆☆☆

''کھانا کھاؤ گے بیٹے؟''

امی نے مجھ سے پوچھا تھا۔ میں آج کل اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر اپنا بزنس شروع کر رہا تھا لہٰذا مصروفیت کافی بڑھ گئی تھی۔ ابھی بھی میں صرف آرام کرنا چاہ رہا تھا۔ امی کے سوال کو نظر انداز کر کے میں اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

یوسف کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے مجھے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آئیں تو میں چونک کر رک گیا۔

اگلے ہی لمحے میں نے دھاڑ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھولا تھا۔ سامنے ہی یوسف اپنے پانچ دوستوں کے ساتھ موجود تھا۔ ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ شاید کوئی پارٹی چل رہی تھی۔ اپنی پلیٹوں میں کھانے کی چیزیں ڈالے، کولڈ ڈرنکس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وہ سب بے حد خوش لگ رہے تھے۔ ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے میری آمد پر وہ ذرا سیریس ہو گئے تھے۔ ایک دو نے مجھے سلام بھی کیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' میں غرایا تھا۔ یوسف میرے تیور دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

''آج یوسف کا برتھ ڈے ہے سکندر بھائی! اسی کو سیلیبریٹ کر رہے ہیں۔'' اس کے ایک دوست نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ مجھے اطلاع دی۔

''کیوں یوسف نے پیدا ہو کر کون سا تیر مارا ہے جو خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔'' میں اندر چلا آیا تھا۔

''آپ کا بھائی ہے۔ آپ کو خوشی تو ہو گی۔'' ایک اور لڑکا بولا۔

''آپ نے کیا گفٹ دیا ہے اس کو؟'' کیک کھاتے ہوئے ایک ذرا موٹے سے لڑکے نے مجھ سے سوال کیا۔

''کتنے بجے آئے تھے تم لوگ؟'' میں نے ان کے سوالوں کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''چار بجے۔'' ایک لڑکے نے جواب دیا۔

''اور اب کیا ٹائم ہوا ہے؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''چھ بج گئے ہیں۔'' اسی لڑکے نے وال کلاک پر نظر ڈال کر جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے، تم لوگوں کو یہاں آئے ہوئے دو گھنٹے ہو گئے ہیں۔'' میں نے ان سب

www.pklibrary.com

لڑکوں کو باری باری تیز نظروں سے گھورا تھا۔ یوسف فق چہرے کے ساتھ دم بخود کھڑا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا تھا اور یہ سوچ کر ہی اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

''اور تم لوگ اتنے بھوکے ہو کہ مسلسل دو گھنٹے سے کھائے جا رہے ہو۔'' میں تمسخرانہ انداز میں مسکرایا۔ ''کیا اپنے گھروں میں کچھ نہیں ملتا تمہیں کھانے کو؟''

میرا وار ٹھیک نشانے پر جا کر لگا تھا۔ لڑکوں کی ساری شوخی آناً فاناً ختم ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی پلیٹیں اور گلاس رکھ دیے۔ اب ان کے چہروں پر غصہ نظر آ رہا تھا۔

''یوسف! تم نے ہمیں انسلٹ کرنے کے لیے بلایا تھا؟'' ایک لڑکے نے تیز آواز میں یوسف کو مخاطب کیا۔

''ایسی۔ بات نہیں ہے حسن!'' یوسف نے تقریباً ہکلاتے ہوئے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ایک بات تم لوگ کان کھول کر سن لو میری۔'' میں نے انگلی اٹھا کر وارننگ دیتے ہوئے کہا۔ ''یوسف تو ہے بے وقوف۔ اسے عقل ہوتی تو تم جیسے آوارہ اور لوفر لڑکوں کے ساتھ کبھی دوستی نہ کرتا۔ لیکن آئندہ اگر تم میں سے کوئی مجھے یوسف کے آس پاس بھی نظر آیا تو اس کی خیر نہیں ہے۔''

''پلیز بھائی! ایسے مت کریں۔'' یوسف اب باقاعدہ رو رہا تھا۔ میرے دل کو عجیب سی ٹھنڈک ملی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر۔ لڑکے اب جانا شروع ہو گئے تھے۔

''منیب۔ شہباز رکو۔ میری بات تو سنو پلیز۔'' وہ انہیں منت بھرے لہجے میں روک رہا تھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا ہمارے ساتھ یوسف! آج کی پارٹی ہمیشہ یاد رہے گی۔'' منیب نامی لڑکے نے اپنا ہاتھ اس سے چھڑا کر ملامت بھرے لہجے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ یوسف اس کے پیچھے لپکا تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟''

''بھائی پلیز، مجھے ان سے بات کرنے دیں۔ وہ سب ناراض ہو گئے ہیں۔'' یوسف نے ملتجی لہجے میں مجھے کہا۔

''تو ہونے دو ناراض۔ تم کیا ان کا دیا کھاتے ہو۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ ایرے غیرے لڑکوں کے ساتھ دوستیاں کرنی بند کرو لیکن تمہاری موٹی عقل میں کوئی بات آتی ہی نہیں ہے۔''

''وہ میرے کلاس فیلوز ہیں بھائی!'' وہ منمنایا۔

''بہت زبان چلنے لگ گئی ہے تمہاری۔ چار دن تم میری نظروں سے اوجھل رہو تو پر پرزے نکلنے لگتے ہیں تمہارے۔'' میں نے زور سے اس کے جبڑے کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ ''اپنی حد میں رہنا سیکھو۔ سمجھے؟''

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دکھ اور تکلیف سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ میں نے اس کی سالگرہ کی پارٹی خراب کر دی تھی۔ اس کے دوستوں کو بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا تھا۔ میں اس کی خوشی خراب کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ وہ میرا بھائی تھا لیکن میں نے اسے کبھی اپنا بھائی نہیں سمجھا تھا۔ وہ ایک جیتا جاگتا انسان تھا لیکن شاید میں نے کبھی اسے انسان بھی نہیں سمجھا تھا۔ میرے لیے بس وہ ایک پنچنگ بیگ تھا جس پر میں اپنی نفرت، حسد اور غصہ انڈیل دیتا تھا۔ پنچنگ بیگ کے اندر جذبات نہیں ہوتے اس لیے وہ آپ کا غصہ سہتا رہتا ہے۔ اس کے اندر زندگی بھی نہیں ہوتی اس لیے وہ چپ چاپ مار کھاتا رہتا ہے۔ لیکن انسان یہ دونوں چیزیں رکھتا ہے۔

☆☆☆

یوسف اپنے اندر مزید سمٹ گیا تھا۔ اس کی دنیا صرف کتابوں تک محدود ہو گئی تھی۔ اب وہ مجھ سے بھی حتی الامکان دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ میرے

www.pklibrary.com

اندر اپنے لیے محبت ڈھونڈنے کی اور میرے قریب آنے کی اس کی خواہش ختم ہوگئی تھی۔ لیکن مجھے پروا نہیں تھی۔

میں اپنا بزنس سیٹ کر رہا تھا۔ شروع میں کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ کامیابی نے میرے قدم چومنے شروع کر دیے۔ اب میں ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ وجیہہ اور ہینڈسم۔ عزت، دولت، کامیابی اور خوش قسمتی۔ کیا نہیں تھا میرے پاس۔ میرا ایک وسیع حلقہ احباب تھا۔ لیکن ایک کانٹا تھا جو بری طرح میرے دل میں کھٹکتا تھا۔ اور وہ کانٹا تھا۔ یوسف.....

یوسف جو گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اب ایک ڈاکٹر بن چکا تھا۔ وہ اتنا حسین تھا کہ اس کے حسن کا مقابلہ مشکل تھا۔ اوپر سے اس کی سنجیدگی اور بے نیازی لوگوں کو اس سے مرعوب کر دیتی تھی۔ کبھی کبھی مجھے اس بات پر حیرت ہوتی تھی کہ میری نفرت اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکی تھی۔ میں نے ہمیشہ اس سے اس کی خوشیاں چھینی تھیں۔ اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آنے دی تھی۔ کوئی دوست اس کے آس پاس نہیں رہنے دیا تھا۔ میں اس کی مرضی کی کوئی چیز اسے لینے نہیں دیتا تھا۔ ہمیشہ دوسروں کے سامنے اس کی بے عزتی کرتا تھا۔ پھر بھی..... پھر بھی..... میں اس سے کچھ چھین نہیں پایا تھا۔

میری نفرت نے اسے مسخ کرنے کے بجائے نکھار دیا تھا۔ کتنی ناں عجیب بات۔ لیکن خیر یوسف نامی کانٹے کے علاوہ میری زندگی میں سب کچھ پرفیکٹ تھا۔ میں اپنی کامیابیوں کو دل کھول کر انجوائے کر رہا تھا۔ ان ہی دنوں میرا دبئی جانے کا پروگرام بن گیا۔ بزنس کے سلسلے میں یہ میرا پہلا بیرون ملک ٹور تھا۔ اس لیے میں بے حد پرجوش تھا۔ ترقی کے نئے امکانات میرے سامنے تھے۔

پندرہ دن بعد واپس آتے ہوئے میں بہت خوش تھا۔ میرا دورہ بہت کامیاب رہا تھا۔ ڈھیر سارے نئے آئیڈیاز اور پلانز پر کام کرتے ہوئے میری مصروفیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔

یونہی ایک دن کام کرتے کرتے میری طبیعت خراب ہوگئی تو میرے دوست اور پارٹنر بلال آفندی نے زبردستی مجھے آرام کرنے کے لیے گھر بھیج دیا۔ پوری دوپہر سونے کے کے بعد جب میں شام میں اٹھا تو کافی فریش تھا۔ موسم بھی بہت اچھا تھا۔ میرا موڈ ایک دم ہی بہت خوش گوار ہو گیا تھا۔ لان میں چائے پینے کا پروگرام بناتے ہوئے میں باہر نکلا اور پھر وہیں ٹھٹھک کر رک گیا۔ میں نے حیرت سے سامنے دیکھا۔

یوسف لان میں ٹہلتے ہوئے فون پر بات کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے حد جان دار مسکراہٹ تھی۔ بات کرتے ہوئے اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ میرے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔

☆☆☆

سفر کے رائیگاں جانے کا دکھ کسی ایسے انسان سے پوچھیے جسے سفر کے اختتام پر پتا چلے کہ جس راستے پر وہ ساری عمر چلتا رہا تھا، وہ راستہ ہی غلط تھا۔ زندگی خود کو دوبارہ جینے کا موقع نہیں دیتی اور موت وقت سے پہلے آتی نہیں. وقت کے پاس ہر زخم کا مرہم نہیں ہوتا۔ کچھ دکھوں کی اذیت کم ہونے کے بجائے بڑھتی رہتی ہے۔ شاید آپ کو میری باتیں بے ربط محسوس ہوں لیکن میری ذہنی کیفیت کچھ ایسی ہی ہوگئی ہے۔

جوان بیٹے کو کھونے والی ماں زندہ نہیں ہوتی۔ وہ تو بس ایک چلتی پھرتی لاش ہوتی ہے۔ موت وقت سے پہلے نہیں آتی لیکن کچھ لوگ وقت سے بہت پہلے مرجاتے ہیں۔

"گلناز بہت عقل مند ہے۔"

"میری بیٹی بہت سیانی ہے۔"

"کتنی سمجھ دار بچی ہے۔"

یہ وہ جملے تھے جو میں بچپن سے اپنے بارے میں سنتی رہی تھی۔ اپنی اماں سے۔ ابا سے۔ ملنے جلنے والوں سے۔ اپنی سمجھ داری کے بارے میں سنا جانے

www.pklibrary.com

والا ہر جملہ میری ذمہ داری میں مزید اضافہ کر دیتا تھا۔ میں وقت سے پہلے بڑی ہو گئی تھی۔ بچوں والی فرمائشیں، ضدیں اور من مرضیاں میں کر ہی نہیں پائی۔ میں اپنی ماں کی بڑی بیٹی تھی۔ بڑی بیٹی جو ماں کے دکھوں میں خود بخود حصہ دار بن جاتی ہے۔

میرے ابا اچھے تھے۔ محنتی اور اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ کبھی اماں سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی انھوں نے۔ صبح اپنے کام پر جاتے اور شام ڈھلے واپس آتے۔ اماں ان کے سامنے کھانا رکھتیں۔ وہ جتنی دیر کھانا کھاتے، اماں ان کے پاس بیٹھی رہتیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتیں۔ ابا کوئی جواب دیے بغیر کھانا کھاتے رہتے۔ پھر میں برتن اٹھا کر لے جاتی۔ اماں کسی سائل کی مانند توجہ کی منتظر بیٹھی رہتیں اور ابا منہ دوسری طرف کر کے سو جاتے۔ انہیں صبح پھر کام پر جانا ہوتا تھا۔

چھٹی کا دن رشتہ داروں سے ملنے اور باہر کے کام نمٹانے میں گزر جاتا تھا۔ اماں ابا میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ابا گھر کے حوالے سے اپنے سارے فرائض پورے کرتے تھے۔ اماں ان کے کہے بغیر ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھیں۔ پھر بھی ان دونوں کے تعلق میں کچھ کمی تھی جو اماں کو اندر سے کھائی جا رہی تھی۔ ابا گھر میں عام طور پر چپ رہتے تھے۔ میں اور میرے بہن بھائی ابا کی اسی خاموشی سے مرعوب ہو کر ان سے ذرا دور ہی رہتے تھے۔ اماں کے ساتھ بھی وہ ضرورت کے چند گنے چنے جملوں کے سوا کوئی بات نہیں کرتے تھے۔

اماں کو کسی چیز کی ضرورت ہے یا وہ بیمار ہیں تو انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔ ابا کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اماں کی حیثیت شاید ان کے لیے ایک خادمہ کی تھی جس کا مقصد صرف ان کی ضروریات کا خیال رکھنا تھا۔

میں اس وقت بچی تھی۔ زیادہ باتوں کی سمجھ تو نہیں تھی مجھے لیکن اماں کی بے رونق آنکھیں اور بجھا بجھا چہرہ مجھے بے طرح اداس کر دیتا تھا۔ میں بھاگ بھاگ کر اماں کے کام کرتی تھی۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالتی تھی۔

اماں کی طبیعت اب خراب رہنے لگی تھی۔ وہ کام کرتے ہوئے تھک جاتی تھیں۔ انہیں اکثر بخار بھی ہو جاتا تھا۔ سر کا درد تو اس قدر شدید ہو جاتا تھا کہ اماں سے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا۔ گھریلو ٹوٹکوں اور پین کلرز سے اماں خود ہی اپنا علاج کرتی رہتیں۔

ابا گھر آتے تو اماں سر پر دوپٹہ باندھے لیٹی ہوتیں۔ ابا طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیتے۔ انہیں شاید اماں کی بیماری ڈرامہ لگتی تھی۔ ایک دن اماں کھانا بنا رہی تھیں تو انہیں بہت زور کا چکر آ گیا۔ وہ گرتے گرتے بچیں۔ میں انہیں سہارا دے کر اندر کمرے میں لے گئی۔

''ادھر آؤ میرے پاس۔'' اماں نے بیڈ پر مجھے اپنے پاس لٹا لیا۔ میں ان کے بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے اماں؟'' میں نے تشویش سے ان کی زرد پڑتی رنگت کو دیکھا تھا۔

''اب ٹھیک ہے۔'' اماں نقاہت سے مسکرائیں

میں ان کے ساتھ لپٹ گئی۔ اماں کی آغوش میں کس قدر سکون تھا۔ مجھے نیند آنے لگی تھی۔

''گلناز۔'' کچھ دیر بعد اماں نے مجھے مخاطب کیا۔ ان کی انگلیاں میرے بالوں میں چل رہی تھیں۔

''جی۔'' میں نے بند آنکھوں کے ساتھ جواب دیا

''تم میری بہت سمجھ دار بیٹی ہو۔ ہے ناں؟''

''جی اماں۔''

''میری بات غور سے سنو بیٹا!'' اماں نے میری طرف کروٹ لے لی۔ یعنی بات ضروری تھی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

''میں اب زیادہ عرصہ نہیں جیوں گی۔'' وہ کہہ

www.pklibrary.com

رہی تھیں۔ میرے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔

''اماں پلیز۔ ایسی باتیں مت کریں۔'' میں نے التجا کی۔ اماں کے بچھڑ جانے کا تصور ہی میری جان نکالنے کے لیے کافی تھا۔

''میں اپنی حالت بہتر طریقے سے جانتی ہوں میری بچی۔ میرے پاس اب زیادہ وقت نہیں رہا۔ تم بڑی ہو۔ اپنے بہن بھائیوں کو اور ابا کو تم نے ہی سنبھالنا ہوگا۔''

میں بڑی تھی۔ لیکن کتنی بڑی۔ میری عمر اس وقت صرف بارہ سال تھی اور اماں سب کچھ میرے سر ڈال کر جانے کی بات کر رہی تھیں۔ میں نے رونا شروع کر دیا۔

''میں یہ سب نہیں کر سکتی اماں۔'' میں ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کے ساتھ چمٹ گئی۔

''آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

اماں نے میری پیشانی چوم کر میرے آنسو صاف کیے۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا باپ دوسری شادی نہ کرے تو تمہیں خود گھر سنبھالنا ہوگا۔ بس تم اب کھانا پکانا سیکھ لو۔''

''اماں!'' میں نے دہل کر اماں کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کیا کیا سوچ رہی تھیں۔

''تمہیں پتا ہے، میری بہت خواہش تھی کہ میرا پہلے بیٹا ہو۔ لیکن اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ شکر ہے اس نے مجھے پہلے بیٹی دی اور وہ بھی بہت سمجھ دار۔ گلناز میرا بچہ۔ اپنے بہن بھائیوں کا بہت خیال رکھنا۔ انہیں سوتیلی ماں سے بچانا اب تمہارا کام ہے۔ اگر گھر کا نظام صحیح چلتا رہا تو تمہارے ابا کبھی دوسری شادی نہیں کریں گے۔''

''اماں! میں کوئی سمجھ دار نہیں ہوں۔ مجھ سے ایسی باتیں مت کریں۔'' میں کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہ پائی بس خاموش لیٹی روتی رہی۔ اماں مجھے پیار کرتی رہیں۔

اس رات میں نے ابا سے بات کی۔ ان کے سامنے کھانا رکھ کر میں کھڑی ہو گئی تھی۔ ابا نے میری طرف توجہ دیے بغیر کھانا شروع کر دیا۔ وہ ایسے ہی تھے اسی لیے ان سے بات کرنا مشکل لگتا تھا لیکن آج مجھے ان سے ضرور بات کرنی تھی۔

''ابا!'' میں نے انہیں مخاطب کیا۔

انھوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔'' میں نے ملتجی لہجے میں کہا۔

ابا کوئی جواب دیے بغیر کھانا کھاتے رہے۔

''ان کی طبیعت بہت خراب ہے ابا!'' میں نے دوبارہ کہا۔

''پانی لے کر آؤ۔'' ابا نے میری بات کا جواب دیے بغیر آرڈر دیا۔

''ابا پلیز!'' میرا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا تمہاری ماں کو۔'' انھوں نے شاید مجھے تسلی دی تھی۔ ''پانی لے کر آؤ۔''

میں کچن میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ میری ماں میرے ہاتھوں سے نکل کر جا رہی تھی اور میں کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ آج کل میرے اوپر کاموں کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ اسکول سے واپس آ کر مجھے بیگ کھولنے کا موقع تک نہیں ملتا تھا۔ میں کھانا پکانا سیکھ رہی تھی۔ گھر کے دوسرے کام بھی کرتی تھی اور وقفے وقفے سے گھر کے کونوں کھدروں میں گھس کر آنسو بھی بہاتی تھی۔ اماں بے چاری میرے ساتھ ساتھ لگی رہتی تھیں لیکن اب ان کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔ ایک دن میں سکول سے واپس آئی تو اماں کمرے کے بیچوں بیچ بے ہوش پڑی تھیں۔ میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

ابا کو فون کیا تو ان کا نمبر بند جا رہا تھا۔ میں نے روتے ہوئے جا کر ہمسائیوں کا دروازہ بجایا۔ بتول آنٹی اور ان کے شوہر اماں کو ہاسپٹل لے گئے۔ میں گھر میں بچوں کے پاس رہی۔ شام تک اماں کے کئی

www.pklibrary.com

ٹیسٹ ہو گئے تھے۔ ابا سے بھی بات ہو گئی تھی۔ وہ بھی ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔ اماں کو دو دن ہاسپٹل رہنا پڑا تھا۔

دو دن بعد اماں واپس آئیں تو ابا کے ہاتھ میں ان کی رپورٹس کی فائل تھی۔ اماں کو برین ٹیومر تھا۔ ابا نے اماں کو بستر پر لٹایا۔ وہ ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر ان کے پاس کھڑے تھے اور اماں رو رہی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ مجھے بھی ابھی بہت سارا رونا تھا۔

☆☆☆

ابا کے رویے میں اب بہت فرق آ گیا تھا۔ وہ اماں کا خیال رکھنے لگے تھے لیکن اماں اب بے نیاز ہو گئی تھیں۔ اور پھر ایک دن اماں خاموشی سے چلی گئیں۔ تین چھوٹے بہن بھائی اور گھر کی ساری ذمہ داری مجھ پر چھوڑ کر۔ مجھے ابا سے بہت سی شکایتیں تھیں خاص طور پر اماں کے حوالے سے لیکن میں ان سے کبھی ناراض نہیں ہو سکی۔ اماں کے جانے کے بعد وہ ایک دم ہی بوڑھے ہو گئے تھے۔ اب وہ پہلے کی طرح خاموش اور لاپروا نہیں رہتے تھے۔ ہم سے ہماری پڑھائی اور ضرورتوں کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ اماں نے صحیح کہا تھا کہ اگر میں گھر سنبھال لوں گی تو ابا دوسری شادی نہیں کریں گے اور میں نے گھر سنبھال لیا تھا۔ ابا یہ دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے۔

میرے بی اے کرتے ہی میرا پہلا رشتہ آ گیا۔ ابا نے مجھ سے بات کی۔ انہیں رشتہ پسند تھا اور وہ ہم بہنوں کو جلد از جلد اپنے گھر کا کر دینا چاہتے تھے اس سے پہلے کہ ان کا بلاوا ابھی آ جاتا لیکن میں نے ایک عرصے سے اپنے بارے میں سوچنا چھوڑ رکھا تھا۔

''آپ نغمہ کی کر دیں۔'' میں نے اپنے سے دو سال چھوٹی بہن کا نام لیا تھا۔ ''کاشف اور ثاقب ابھی چھوٹے ہیں۔ میں ان کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔''

ابا نے پھوپھیوں سے بھی مشورہ کیا تھا۔ سب کو میری تجویز پسند آئی تھی۔ میری اس گھر کو ابھی ضرورت تھی۔ چنانچہ نغمہ کی شادی ہو گئی۔ اس کے بعد بھی میرے کئی رشتے آئے لیکن کاشف اور ثاقب کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے تک میں اپنے بارے میں نہیں سوچ سکتی تھی۔ ابا خود مجھ پر بہت زیادہ انحصار کرتے تھے۔

یوں وقت دبے پاؤں نکلتا چلا گیا۔ کاشف اور ثاقب پڑھ لکھ کر برسر روزگار بھی ہو گئے اور ان کی شادیاں بھی ہو گئیں۔ لیکن یہ سب کرتے کرتے میرا سنہری وقت نکل گیا تھا۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ میں نے ساری زندگی بے غرضی سے گزاری تھی۔ ہمیشہ دوسروں کے لیے سوچتے ہوئے۔ اپنی بھابھیوں کے ساتھ بھی مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ فارغ بیٹھنے کی مجھے عادت نہیں تھی سو دن بھر گھر کے کاموں میں لگی رہتی تھی۔ میری بھابھیاں مجھ سے خوش تھیں۔ لیکن ابا مجھے اس حالت میں دیکھ کر اب کڑھنے لگے تھے۔ وہ اب جلد از جلد کسی بھی طرح میرے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتے تھے۔ ان ہی دنوں زمان کا رشتہ میرے لیے آ گیا۔ ان کی بیوی چھ سال پہلے بچے کی پیدائش کے وقت فوت ہو گئی تھی۔ مالی حیثیت بھی مستحکم تھی۔ میرے حالات کے مطابق یہ رشتہ بے حد مناسب تھا۔ چنانچہ ایک دن میں سادگی سے رخصت ہو کر زمان کے گھر آ گئی۔

☆☆☆

زمان کا بیٹا سکندر اپنی نانی کے گھر رہتا تھا۔ شادی کے چوتھے دن زمان اسے اپنے ساتھ گھر لے کر آئے تو میں نے پہلی بار اسے دیکھا۔

''سکندر! یہ آپ کی امی ہیں۔'' زمان نے اس سے میرا تعارف کروایا تھا۔ وہ چھ سال کا ایک پیارا سا معصوم بچہ تھا۔ کچھ خفا خفا اور ناراض سا۔ مجھے پہلی نظر میں ہی وہ بے حد اچھا لگا۔ میں نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا۔ وہ فوراً ہی مجھ سے الگ ہو کر رونے لگا تھا۔ میں پریشان ہو گئی۔

''کیا ہوا بیٹے؟''

''آپ نے مجھے اپنا نیل (ناخن) مار دیا

www.pklibrary.com

ہے۔" اس نے روتے ہوئے اپنا بازو سہلایا۔

"کیا کرتی ہو تم۔" زمان نے خفگی سے مجھے دیکھا۔ میں شرمندہ ہوگئی۔

"آئی ایم سوری بیٹا۔ مجھے بالکل پتا نہیں چلا۔" میں نے پیار سے اس کے رخسار کو چھوا۔

"چلو آؤ کارٹون دیکھتے ہیں۔" زمان اسے اپنے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں لے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے تھی۔ زمان نے ٹی وی آن کیا اور اخبار لے کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔

"کیا کھاؤ گے۔" میں بھی سکندر کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"چپس۔ بسکٹ کیک۔" میں نے چیزوں کے نام گنوانا شروع کیے۔ وہ خاموشی سے کارٹون نیٹ ورک دیکھ رہا تھا۔ میری طرف توجہ دیے بغیر۔ وہ اپنی عمر کے برعکس کافی سنجیدہ اور میچور لگ رہا تھا۔

"کینڈیز۔ کسٹرڈ۔ آئس کریم۔" میں نے مزید کچھ چیزوں کے نام گنوائے۔ آئس کریم کے نام پر اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی تھی۔

"آئس کریم کھاؤ گے نا۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔"

میں اس کے لیے فریج میں سے آئس کریم نکال کر لے آئی۔ اس نے خاموشی سے پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور آئس کریم کھانا شروع کر دی۔

میں اسے آئس کریم کھاتا دیکھ کر خوش ہوگئی تھی۔ وہ بن ماں کا بچہ تھا اور میں اسے پورے دل سے اپنانا چاہتی تھی۔ کیسے نہ اپناتی۔ میں نے تو اپنی پوری زندگی ماں بن کر ہی گزاری تھی۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اسے اتنا پیار دوں گی کہ وہ مجھے ہی اپنی حقیقی ماں سمجھے گا۔

زمان اخبار پڑھتے ہوئے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر اطمینان نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت فون کی بیل بجی۔ زمان نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔

"جی جی۔ بالکل ٹھیک ہے۔" سلام دعا کے بعد وہ کہہ رہے تھے۔ یقیناً سکندر کی نانی سے بات ہو رہی تھی۔

"آئس کریم کھا رہا ہے۔" انہوں نے مزید اطلاع دی اور ساتھ ہی چونکے۔ "کیوں؟ کیا ہوا؟"

دوسری طرف سے کافی لمبی بات ہو رہی تھی جسے سنتے ہوئے زمان کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔ پھر انھوں نے فون رکھ کر خفگی سے مجھے دیکھا

"اس کا گلا خراب ہے اور تم اسے آئس کریم کھلا رہی ہو؟"

"آہ....." میں نے پریشان ہو کر سکندر کی طرف دیکھا۔

"انتہائی لاپروا عورت ہو تم۔ اور پروا کرو گی بھی کیوں۔ کون سا تمہاری اپنی اولاد ہے۔"

زمان نے مجھے طعنہ دیتے ہوئے اخبار صوفے پر پٹخا۔ میں سن ہو کر رہ گئی۔

شادی کے بعد ان چار دنوں میں پہلی بار زمان کو غصہ آیا تھا۔ اور انہوں نے فوراً ہی مجھے سوتیلے پن کا طعنہ دے دیا تھا۔ سوتیلا پن جسے میں اپنے اور سکندر کے بیچ میں سے کھرچ کر مٹا دینا چاہتی تھی۔

"سوری۔" میں نے دھیمے لہجے میں معذرت کی۔ پھر سکندر کی طرف پلٹی۔ "لاؤ بیٹا! یہ مجھے دے دو۔ میں آپ کے لیے کچھ اور لاتی ہوں۔"

سکندر نے پیالہ میری طرف بڑھایا اور میرے پکڑنے سے پہلے ہی چھوڑ دیا۔ پیالہ سیدھا اس کے پاؤں پر گرا تھا۔ اس نے تڑپ تڑپ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ آئس کریم اس کے پاؤں اور نیچے کارپٹ پر پھیل گئی تھی۔

"اف!" زمان کے غصے اور ناراضی کا سوچ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میں نے سکندر کو گلے لگا کر چپ کرانے کی کوشش کی۔

زمان ایک جھٹکے سے اٹھے۔ ٹیبل پر پڑے ہوئے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ کر نکالا اور سکندر کا پاؤں صاف کر کے اسے اٹھا کر باہر نکل گئے۔ ان کے

www.pklibrary.com

ماتھے کے بل صاف نظر آرہے تھے۔

☆☆☆

آنے والے دنوں میں بھی سکندر میرے لیے کوئی آسان بچہ ثابت نہیں ہوا۔ وہ صرف چھ سال کا تھا لیکن اس کے اندر چھپی نفرت اور بے اعتباری میرے لیے حیرت اور شاک کا باعث تھیں۔ وہ اپنے اوپر چیزیں گرالیتا تھا۔ برتن توڑ دیتا تھا۔ خود گر جاتا تھا۔ میں اسے پیار کرتی تو وہ چیخنا شروع کر دیتا تھا۔ کبھی میرے ناخن اسے چبھ جاتے تھے تو کبھی میری کہنی اسے لگ جاتی تھی۔ اور یہ سارے کام خاص طور پر زمان کے سامنے ہوتے تھے۔ اسے کھلانا پلانا ایک اور بڑا مسئلہ تھا۔ اس کی نانی مسلسل فون پر رابطے میں رہتی تھیں۔

"دودھ پلانے کا یہ کون سا ٹائم ہے؟"

"دہی کھانے سے سکندر کا گلا خراب ہو جاتا ہے۔"

"سبزی اسے پسند نہیں ہے۔"

"گوشت وہ نہیں کھاتا۔"

"دال اسے نہیں کھلانی۔"

"جنک فوڈ سے اس کی صحت خراب ہو جائے گی۔"

"اس وقت اسے سینڈوچ نہیں دینے۔"

"کھیل رہا ہے تو پڑھے گا کس وقت؟"

"پڑھ رہا ہے تو پڑھانے کا یہ کون سا وقت ہے؟"

میرا پورا دن اس کے پل پل کی رپورٹ دیتے اور ہدایات لیتے گزر رہا تھا۔ سکندر کی نانی مجھے سخت ناپسند کرتی تھیں۔ یہ بات میری سمجھ میں آتی تھی۔ آخر میں ان کی بیٹی کی جگہ پر آئی تھی۔ وہ بیٹی جو آج اگر زندہ ہوتی تو اس گھر پر راج کرتی۔ اس کا میاں' اس کا بیٹا اور اس کا گھر سب میرے پاس تھا۔ بیٹی کی جدائی کے دکھ کے ساتھ ساتھ ان سب باتوں کا دکھ ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اور بدلے میں وہ میرا چین اور سکون چھین رہی تھیں۔

زمان اور میرے تعلقات کشیدہ رہنے لگے تھے۔ انہیں مجھ سے شکایت تھی کہ میں ایک چھوٹا سا بچہ نہیں سنبھال پا رہی تھی۔ بچہ سنبھالنا تو کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ آخر میں نے اپنے بہن بھائی بھی سنبھالے تھے۔ لیکن نفرت اور چالاکی کا مقابلہ کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

میں نے ساری عمر بہت سیدھے سادے طریقے سے گزاری تھی۔ خدمت اور خلوص دل کے ساتھ۔ خود کو نظر انداز کر کے دوسروں کا خیال کرتے ہوئے۔ اب بھی میں یہی کر رہی تھی۔ زمان آفس سے واپس آتے۔ بمشکل چینج ہی کرتے تو سکندر کی نانی کی کال آجاتی۔ ان کے پاس شکایتوں کی ایک لمبی لسٹ ہوتی تھی۔

"آج ہوا چل رہی تھی تو اس نے بچے کو نہلا دیا اب وہ بیمار ہو جائے گا۔"

"میں نے فون کیا تو سکندر گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا۔ راستے میں اس نے پانی گرایا ہوا تھا جس سے وہ پھسل گیا تھا۔"

"خود نہانے گھسی ہوئی تھی اور وہ اکیلا بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ تم جانتے ہو سکندر کتنا شرارتی ہے۔ اگر وہ دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل جاتا تو۔ کہاں ڈھونڈتے پھرتے ہم اسے؟"

اور آخر میں ہمیشہ کی طرح ایک ہی بات۔

"گلناز سکندر کا خیال نہیں رکھ رہی۔ رکھے بھی کیوں۔ آخر وہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔ نہ وہ صحیح سے کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ تم بس اس کو میرے پاس بھیج دو۔"

زمان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ اور پھر رات گئے تک خراب ہی رہتا۔ سکندر ہفتہ اور اتوار کے دن اپنی نانی کے گھر گزارتا تھا۔ وہاں سے واپس آکر اس کی بدتمیزی مزید بڑھ جاتی تھی۔ وہ میری کوئی بات نہیں مانتا تھا۔ غصے میں ہر چیز اٹھا کر نیچے پھینک دیتا تھا۔ زمان کے کئی پسندیدہ ڈیکوریشن پیسز اس نے توڑ دیے تھے جن کا الزام بھی میرے ہی سر تھا۔ وہ

www.pklibrary.com

اب باقاعدہ زمان کو میری شکایتیں لگاتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر اپنی نانی کو فون کر دیتا تھا۔ مجھے سکندر سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اس کے اندر نفرت بھرنے والی اس کی نانی تھیں۔ اگر وہ نہ ہوتیں یا پھر ان کی ہر وقت کی مداخلت نہ ہوتی تو سکندر کو اپنا لینا میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔

☆☆☆

یوں ہی سکندر کے نخرے اٹھاتے اور اس کے حوالے سے زمان کو صفائیاں دیتے دیتے یوسف میری زندگی میں آ گیا۔ میرے اپنے وجود کا حصہ۔ میری عمر بھر کی ریاضتوں کا انعام۔ میں خوش تھی۔ بے تحاشا اور بے حساب خوش۔ زمان بھی خوش تھے۔ ان کی ساری شکایتیں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ ایک بار پھر مجھ پر مہربان ہو گئے تھے۔ یوسف پیارا ہی اتنا تھا کہ جو بھی اسے دیکھتا تھا اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اب زمان کو سکندر کی نانی کی مداخلت بری لگنے لگی تھی۔ وہ ان سے فون پر بات کرنے سے گریز کرنے لگے تھے۔ اب انہیں سکندر کی بدتمیزیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔ اب وہ کبھی کبھی سکندر کو ڈانٹ بھی دیتے تھے۔

جہاں ایک طرف یہ صورتحال میرے لیے اطمینان بخش تھی تو دوسری طرف میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ سکندر کے دل میں میرے لیے منفی جذبات بڑھیں۔ لیکن میری ساری کوششیں، محبت اور خلوص اس کے سامنے بے اثر تھے۔ وہ زمان کی ڈانٹ ڈپٹ کا ذمہ دار بھی مجھے ہی گردانتا تھا۔ اب وہ اپنا غصہ یوسف پر نکالنے لگا تھا۔

میں یوسف کو اس کے پاس اکیلا نہیں چھوڑتی تھی پھر بھی اسے کوئی نہ کوئی موقع مل ہی جاتا تھا۔ وہ کبھی یوسف کے منہ میں کوئی چیز ڈال دیتا۔ کبھی اسے نیچے گرا دیتا۔ کبھی اس کے بال کھینچ دیتا تو کبھی چٹکی کاٹ لیتا۔ میں ایسے ہر موقع پر صبر سے کام لیتی۔ سکندر کو پیار سے سمجھاتی۔ میں اس کے حسد کو سمجھتی تھی، اس لیے یوسف کے مقابلے میں اسے زیادہ پیار کرتی تھی۔ اس کا زیادہ خیال رکھتی تھی۔

یوسف تو میرا اپنا تھا۔ اس کے حوالے سے مجھ پر کبھی کوئی الزام نہیں آ سکتا تھا۔ اور پھر یونہی یوسف کو پیچھے کرتے کرتے مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میں اپنے ہی بیٹے کے ساتھ زیادتی کرنے لگی تھی۔ مجھے عادت رہی تھی ساری عمر خود کو پیچھے رکھنے کی۔ اور یوسف میرے وجود کا حصہ تھا، اس لیے وہ میری قربانیوں میں حصہ دار بننے لگا تھا۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ سکندر کی من مانیاں اور میرے ساتھ بدتمیزی بڑھتی جا رہی تھی۔ یوسف کے ساتھ اس کا سلوک بھی اچھا نہیں تھا۔ یوسف فطرتاً دھیمے مزاج کا تھا اس لیے سکندر کے آگے دبتا چلا گیا۔

میرے لیے یہ اطمینان بخش تھا کہ وہ سکندر کے ساتھ کسی معاملے میں مقابلہ نہیں کرتا تھا اور اسے پلٹ کر جواب نہیں دیتا تھا ویسے بھی دونوں کی عمروں میں سات برس کا فرق تھا۔ سکندر کے رویہ سے ہرٹ ہو کر یوسف جب بھی میرے پاس آتا۔ میں اسے درگزر کا سبق پڑھاتی۔ ادب۔ تمیز۔ محبت، میرے پڑھائے ہوئے سبق اس نے ذہن نشین کر لیے تھے۔ ان پر عمل بھی کرتا تھا لیکن سکندر ہمیشہ اس کا دل دکھاتا تھا اور میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔

میں اسے اپنی توجہ پڑھائی پر مرکوز کرنے کو کہتی تھی۔ پڑھ لکھ کر جب وہ بڑا آدمی بن جائے گا تو کوئی اسے کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ یہ بات اس کے لیے بے حد حوصلہ افزا تھی۔ اس نے اپنے لیے میڈیکل کا پروفیشن منتخب کیا تھا۔

سکندر ایم بی اے کرنے کے بعد اپنا بزنس کر رہا تھا۔ اس نے مجھے کبھی ماں والی عزت اور مقام نہیں دیا تھا لیکن میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے کبھی اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی حتیٰ کہ اپنی سگی اولاد پر بھی اس کو ہمیشہ فوقیت دی تھی۔

یوسف میڈیکل کالج میں داخلے کے بعد زیادہ

www.pklibrary.com

مصروف ہوگیا تھا اور بڑی بات یہ تھی کہ وہ خوش تھا۔ بولتا اب بھی وہ زیادہ نہیں تھا لیکن اب اس کی شخصیت میں ایک عجیب سے اطمینان اور خوشی کا اضافہ ہوگیا تھا۔ جو عام دیکھنے والوں کو محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن میں ماں ہونے کے ناتے اسے دیکھ سکتی تھی۔

میں تو نظر لگ جانے کے ڈر سے اسے نظر بھر کر دیکھتی بھی نہیں تھی پھر بھی اسے نظر لگ گئی۔ نجانے کس ظالم کی نظر بد۔

☆☆☆

اور اس کی خوشی کی وجہ میں تھی۔ میں یعنی حورین آفندی۔ وہ بابا کے دوست زمان انکل کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کے بڑے بھائی سکندر میرے بھائی بلال آفندی کے دوست اور بزنس پارٹنر تھے۔ میں نے اسے پہلی بار تب دیکھا تھا جب میں میٹرک میں تھی۔ میرے چاچو کی شادی تھی۔ ان کی پوری فیملی انوائٹڈ تھی۔ اور وہ اتنا خوب صورت تھا کہ ہر محفل میں خود بخود نمایاں ہو جاتا تھا۔ میری ماما نے ان کی فیملی سے مجھے ملواتے ہوئے اس سے بھی میرا تعارف کروایا تھا۔

اس نے صرف ایک سرسری سی نظر مجھ پر ڈالی تھی اور بس یہی نظر مجھے لے ڈوبی تھی۔ میرا دل ایک دم زور سے دھڑکا تھا اور میں نروس ہوگئی تھی۔ وہ کم گو تھا اور کافی حد تک مغرور اور بے نیاز۔ اور یہ غرور اور بے نیازی اس پر سجتی بھی تھی۔ وہ بھی میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا یعنی میرا ہم عمر۔

فطری طور پر مجھے وہ بہت اچھا لگا تھا۔ ساری شادی میں میری نظریں اسی کا طواف کرتی رہی تھیں۔ آنے والے دنوں میں میری اس کے لیے پسندیدگی مزید بڑھ گئی تھی۔ اس نے اپنے لیے پری میڈیکل کے مضامین منتخب کیے تو میں نے بھی میڈیکل کے مضامین رکھ لیے۔

وہ ٹاپر تھا اور ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ میرا میڈیکل میں بالکل بھی انٹرسٹ نہیں تھا لیکن میں نے پاگلوں کی طرح دن رات پڑھائی کی اور آخر کار میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لینے میں کامیاب ہوگئی۔

کالج میں پہلے دن سے ہی اس کی ذہانت اور وجاہت کے چرچے ہوگئے تھے۔ اب وہ میرا کلاس فیلو تھا لیکن ہماری آپس میں بات چیت اب بھی نہیں تھی۔ وجہ اس کا سنجیدہ اور لیے دیے رہنے والا رویہ تھا۔ میں بس اسے دور دور سے دیکھتی تھی اور جتنا دیکھتی تھی میری اس کے لیے چاہت بڑھتی جاتی تھی اور اس معاملے میں میں اکیلی نہیں تھی۔ میری پوری کلاس ہی اس کی فین تھی۔ لڑکیاں تو ایک طرف وہ لڑکوں سے بھی صرف ضرورت کی بات ہی کرتا تھا۔ اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ وہ کسی دیوتا کی مانند بلندی پر ایستادہ تھا۔ مغرور اور اکیلا۔ میں اس کی نظر میں آنے کے لیے خاص طور پر تیار ہو کر کالج جاتی تھی، تن دہی سے پڑھائی کرتی تھی لیکن میری ہر کوشش ابھی تک بے سود ثابت ہو رہی تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ اتوار کا دن تھا۔ ماما اپنی سہیلی کی طرف جا رہی تھیں۔ میں لان میں جھولا جھول رہی تھی۔

"گیٹ بند کر لو حورین!" ماما نے جاتے ہوئے مجھے تاکید کی تھی۔ "تم گھر میں اکیلی ہو اور حالات آج کل بہت خراب ہیں۔"

"اوکے ماما!" میں نے اونچی آواز میں انہیں جواب دے کر تسلی کروادی تھی۔ موسم بہت اچھا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ میں اونچے اونچے جھولے لے رہی تھی۔

باغوں میں پڑے جھولے
تم بھول گئے ہم کو
ہم تم کو نہیں بھولے

میں نے گنگناتے ہوئے ایک لمبی اڑان بھری تھی کہ جھولے کی رسی ایک طرف سے کھل گئی۔ میں دھڑام سے نیچے جا کر گری تھی۔ گھومتے ہوئے سر کو بمشکل قابو میں کرتے ہوئے میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو میرے سامنے وہ کھڑا تھا۔ یوسف زمان اور میں عین اس کے قدموں میں گری ہوئی تھی۔

شرمندگی سے میرا برا حال ہوگیا تھا۔ یقیناً

www.pklibrary.com

گیٹ کھلا ہونے کی وجہ سے وہ اندر چلا آیا تھا اور میں اپنے گانے اور جھولے میں اس قدر مگن تھی کہ مجھے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"زیادہ زور سے تو نہیں لگی۔" وہ پنجوں کے بل میرے پاس بیٹھ کر تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" میں نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ لب دانتوں تلے دبا کر اٹھنے کی کوشش کی اور کراہ کر رہ گئی۔

اس نے کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے ایک پل کے لیے اس کے پھیلے ہاتھ کو دیکھا اور پھر جھجکتے ہوئے اسے تھام کر کھڑی ہوگئی۔ کھڑے ہوتے ہوئے میرے پاؤں میں اتنے زور سے ٹیس اٹھی تھی کہ میں لہرا کر رہ گئی تھی۔

گرنے سے بچنے کے لیے میں نے بے اختیار دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ کر سہارا لے لیا۔ اس کے سہارے چلتے ہوئے میں اندر لیونگ روم میں آئی تو اس نے مجھے صوفے پر بٹھا دیا۔ میں نے تشویش سے اپنے پاؤں کا جائزہ لیا۔ پاؤں مڑ جانے سے اچھی خاصی موچ آگئی تھی۔ یوسف لیونگ روم کے بیچوں بیچ کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"گھر میں کوئی نہیں ہے کیا؟" بالآخر اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ ماما ابھی ابھی اپنی فرینڈ کی طرف گئی ہیں۔ بھائی اور بابا آفس میں ہیں۔۔ آپ بیٹھیں ناں۔" میں نے تفصیلی جواب دیا اور ساتھ ہی آداب میزبانی نبھائے۔

"آپ گھر میں اکیلی ہیں اور بیرونی گیٹ کھلا تھا۔" اس نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے مجھے گھورا۔ "اگر اندر کوئی اور گھس آتا تو....."

"بس..... میں گیٹ بند کرنے ہی والی تھی۔ ابھی ابھی ماما گئی تھیں۔" میں نے نروس ہو کر پہلو بدلا۔

"بلال بھائی نے مجھے بھیجا ہے۔ ان کے کمرے میں سے ایک فائل لینی ہے۔ آپ تو اب چل نہیں سکتیں، مجھے بتا دیں ان کا کمرہ کدھر ہے۔ میں خود لے لیتا ہوں۔" اس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

میں نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر جا کر دائیں طرف۔ پہلا کمرہ۔"

وہ اوپر کی طرف بڑھا تو میں نے پہلی بار اپنا جائزہ لیا۔ صبح اپنا کمرہ صاف کیا تو کپڑے ملگجے ہوگئے تھے۔ اتوار ہونے کی وجہ سے آج میں نے بالوں میں بھی جی بھر کر تیل لگایا تھا اور پھر کس کر اوپر کر کے جوڑا باندھ لیا تھا۔ رہی سہی کسر اس سرے نے پوری کر دی تھی جو میں نے آنکھوں کو غذا فراہم کرنے کی غرض سے بھر بھر کر ڈالا ہوا تھا۔ اپنی حالت کا تصور کر کے مجھے اس قدر شرمندگی ہو رہی تھی کہ دل چاہ رہا تھا کہ سلیمانی ٹوپی پہن کر کہیں غائب ہو جاؤں۔ وہ شخص تو پہلے ہی میری طرف غور سے نہیں دیکھتا تھا۔ اب اس حلیے میں مجھے دیکھنے کے بعد کیا خاک توجہ کرے گا مجھ پر۔ میں دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ وہ فائل لے کر واپس آیا تو میں یونہی بیٹھی تھی۔ شرمندہ اور اداس۔

"بیرونی گیٹ کی چابی کہاں ہے۔" اب وہ پوچھ رہا تھا۔

"کیوں؟" میں چونکی۔

"آپ تو گیٹ بند کرنے آ نہیں سکتیں اور گیٹ کھلا رکھنا صحیح نہیں ہے۔ میں باہر سے لاک کر کے چابی پڑوسیوں کو دے جاتا ہوں۔ آپ آنٹی کو فون کر کے بتا دیں، وہ آ کر ان سے لے لیں گی۔"

میں نے سر اثبات میں ہلا کر سامنے والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کمرے کے دائیں طرف ایک ریک ہے، اس پر پڑی ہوگی۔"

اس نے جا کر چابی لی اور باہر کی طرف جاتے ہوئے ایک پل کے لیے میرے پاس رکا۔

"اپنا پاؤں یاد سے ڈاکٹر کو دکھا لینا۔ ٹیک کیئر اینڈ گیٹ ویل سون۔"

www.pklibrary.com

اس ملاقات سے مجھے اس کے بارے میں دو نئی باتوں کا پتا چلا تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ مغرور ہرگز نہیں تھا جیسا کہ اس کے بارے میں مشہور تھا اور وہ شکل سے لگتا بھی تھا اور دوسرا یہ کہ وہ اچھا خاصا کیئرنگ تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو فائل لیتا اور آرام سے چلا جاتا۔ اس کی بلا سے بیرونی گیٹ اگر کھلا تھا تو کھلا رہتا لیکن یوسف میری سیکیورٹی کا پورا بندوبست کر کے گیا تھا۔ میری پسندیدگی اس کے لیے مزید بڑھ گئی تھی۔ پاؤں میں موچ کی وجہ سے مجھے اگلے دو دن کالج سے چھٹی کرنی پڑی تھی۔ دو دن بعد میں کالج گئی تو میرا خیال تھا کہ اب تو یوسف کم از کم دعا سلام کرے گا مجھ سے لیکن اس کا وہی رویہ تھا۔ دیکھ کر بھی نہ دیکھنے والا۔ میں جل بھن کر رہ گئی تھی۔ اپنی ان ہی سوچوں میں گم میں لائبریری میں بیٹھی تھی جب میں نے اسے بک شیلف کے پاس کھڑے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے میں اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

''اوہ آپ۔'' وہ مجھے دیکھ کر چونکا اور پھر مسکرایا۔ ''کیسی ہیں آپ۔ اور آپ کا پاؤں۔ ٹھیک ہو گیا؟''

''بہت جلدی خیال آ گیا آپ کو میرا حال پوچھنے کا؟'' میں نے طنز کیا۔

اس نے قدرے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ہمارے درمیان ایسی کوئی بے تکلفی نہیں تھی کہ میں اس سے ناراض ہوتی یا طنز کرتی۔ لیکن میں بھی کیا کرتی۔ اتنا تو میں جان گئی تھی کہ اگر میں اس سے محبت کرتی تھی تو پہل مجھے ہی کرنی تھی۔

''چلیں، اب تو پوچھ لیا ناں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ دیر آید۔ درست آید۔'' اس نے مڑ کر اپنے لیے ریک سے کتاب نکالی۔

''میرے لیے درست تب ہی ہوگا جب آپ کل کے ٹیسٹ کے لیے میری مدد کریں گے۔'' میں نے احتیاط سے ایک قدم آگے بڑھایا تھا۔

اس نے کچھ سوچا اور پھر سر ہلا دیا۔ ''اوکے۔''

''ہرے۔'' میں نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا تھا۔ اب مجھے اس کے قریب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اور جوں جوں میں اسے جانتی گئی، مزید اس کی اسیر ہوتی گئی تھی۔

☆☆☆

میڈیکل کالج میں گزارے گئے سال میری زندگی کے بہترین سال تھے۔ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے۔ سارا دن کالج میں اور پھر گھر واپس آ کر فون پر ہم مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔

''اگر تمہارے پیرنٹس نہ مانے تو۔'' اسے اکثر خدشے ستاتے تھے۔

''ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔'' میں یقین سے کہتی تھی۔ ''میرے پیرنٹس بہت لبرل ہیں۔ انھوں نے مجھے پوری آزادی دے رکھی ہے کہ میں اپنی زندگی کے فیصلے اپنی مرضی سے کر سکتی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔''

میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اسے میٹرک کے زمانے سے پسند کرتی تھی اور میں نے میڈیکل بھی صرف اس کی وجہ سے رکھا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت حیران ہوا تھا۔

''تم مجھے پہلی نظر میں ہی بہت اچھے لگے تھے۔ اب تم کہو گے۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ میں تو سب کو ہی اچھا لگتا ہوں۔'' میں نے اسے چھیڑا تھا۔

''نہیں۔ میں سب کو اچھا نہیں لگتا۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''اچھا۔ میں پہلی بار کب اچھی لگی تھی تمہیں؟'' میں نے فوراً اس کا دھیان بٹایا تھا۔ مجھے وہ اداس اچھا نہیں لگتا تھا۔

''تم.....'' وہ مسکرایا۔ ''جب تم اونچا اونچا گاتے ہوئے جھولے لے رہی تھیں اور پھر اچانک جھولا ٹوٹ گیا تھا اور تم اڑتے ہوئے سیدھا میرے قدموں میں گری تھیں۔''

اس منظر کو یاد کرتے ہوئے میں جھینپ گئی۔ پھر ہم دونوں کی نظریں ملیں اور ہم ہنس پڑے۔ اتنا ہنسے کہ ہماری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

www.pklibrary.com

''میں تو اس دن بہت بری لگ رہی تھی۔ تمہیں کیسے اچھی لگ سکتی ہوں۔'' بالآخر میں نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے، تم نے لائٹ بلو کلر کے کپڑے پہن رکھے تھے اور تم بہت اچھی لگ رہی تھیں۔'' اس نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''اسی لیے تم باہر سے تالا لگا کر گئے تھے۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میری ماما نے اس دن واپس آ کر مجھے بہت ڈانٹا تھا۔ ساتھ ساتھ تمہاری تعریفیں کر رہی تھیں کہ کتنا اچھا اور سمجھ دار لڑکا ہے اور اس کے ساتھ میری خوب بے عزتی کی تھی انھوں نے۔''

''اوہ سوسیڈ۔ پھر تو تمھیں بہت برا لگا ہوگا۔'' اس نے مصنوعی طور پر افسوس کا اظہار کیا۔

''نہیں۔ تمہاری تعریف تو مجھے اچھی ہی لگی تھی۔'' میں نے جواب دیا تھا۔

☆☆☆

میں نے آخری سالگرہ جو اس کے ساتھ مل کر منائی تھی، وہ میری زندگی کی یادگار ترین سالگرہ تھی۔ اس دن کسی اسٹرائک کی وجہ سے کالج بند ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ ایک پکنک اسپاٹ پر چلے گئے تھے۔ ہم نے درختوں کے سائے میں گھاس پر بیٹھ کر کیک کاٹا تھا۔ یوسف نے مجھے وائٹ گولڈ کے بے حد نفیس سے ائر رنگز گفٹ کیے تھے جن میں خوب صورت ڈیزائن کے ساتھ انگریزی حروف ایچ اور وائے بے حد اسٹائلش انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

''واؤ۔'' میں نے ستائشی نظروں سے ائر رنگز کو دیکھ کر سراہا تھا۔

''پہن کر دکھاؤ۔'' اس نے فرمائش کی۔

میں نے پہن کر دکھائے تو وہ کتنی ہی دیر مبہوت سا دیکھتا رہا۔

''کیا ہوا۔'' میں نے جھینپ کر پوچھا۔

''بہت حسین لگ رہی ہو۔ میں نے ابھی ابھی نوٹس کیا ہے کہ تم جیولری بہت کم پہنتی ہو۔ ان کو ہمیشہ پہن کر رکھنا۔''

''ہماری انگیجمنٹ ہو جائے، اس کے بعد پہن کر رکھوں گی۔'' میں نے ائر رنگز اتارتے ہوئے وعدہ کیا۔

''اچھا پھر۔ کم از کم آج کا دن تو پہنے رکھو۔'' اس نے کہا۔

''اوکے۔'' میں نے اس کی بات مان کر اتارا ہوا جھمکا دوبارہ پہن لیا۔

''میں اپنی امی کو تمہارے گھر بھیجوں؟'' اس نے پوچھا۔

''کالج کمپلیٹ ہونے دو پھر بھیج دینا۔'' میں مسکرائی تھی۔ ''ورنہ تمہاری ڈھیروں فینز نے ہمیں نظر لگا دینی ہے۔''

''تمھیں بھی بچھڑنے سے ڈر لگتا ہے ناں۔''

''میں ایسی فضول باتیں نہیں سوچتی۔ تمھیں مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ میں تو مر کر بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ بھوت بن کر تمہارے ساتھ رہوں گی۔ اور اگر تم نے کسی اور لڑکی کی طرف دیکھا بھی نا تو ایسا بدلہ لوں گی کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔''

ہم یونہی باتیں کرتے رہتے تھے۔ ڈھیروں باتیں۔ کبھی بے مقصد اور فضول۔ کبھی دل کی اور جذبوں کی۔ کبھی خوابوں کی اور خیالوں کی۔ ہم نے ان دنوں میں اتنی باتیں کیں کہ شاید ساری عمر کی باتوں کا کوٹہ ختم کر لیا۔ ہم نے وہ سارے گیت گا لیے جو کبھی لکھے ہی نہیں گئے تھے۔ وہ سارے جزیرے گھوم لیے جن پر کبھی کسی کے قدم نہیں گئے تھے۔ وہ ساری کہانیاں ایک دوسرے کو سنا دیں جو ابھی تک ان کہی تھیں۔

ہماری ہاؤس جاب اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ بس اب کچھ دنوں میں یوسف نے اپنی امی اور پاپا کو میرا رشتہ مانگنے کے لیے میرے گھر بھیجنا تھا۔ اس کے پاپا لاہور گئے ہوئے تھے بس ان کی واپسی کا انتظار تھا۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ اچانک ایک دن

www.pklibrary.com

سب کچھ بدل گیا۔

☆☆☆

اگلے دو دن میں میں سب کچھ جان چکا تھا۔ یوسف افیئر چلا رہا تھا اور وہ بھی کسی اور کے ساتھ نہیں بلکہ میرے ہی عزیز از جان دوست بلال آفندی کی بہن کے ساتھ۔ میری ناک کے نیچے یہ کھیل پتا نہیں کب سے کھیلا جا رہا تھا اور مجھے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔ سوچ سوچ کر میرا خون کھول رہا تھا۔ مجھے کسی صورت چین نہیں آ رہا تھا۔ میں آفس سے جلدی واپس آ گیا تھا۔ امی کچن میں تھیں۔

''امی! باہر آئیں۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' میں نے ان کے پاس جا کر کہا۔

''خیریت ہے بیٹے؟'' وہ پریشان ہو کر سب کام چھوڑ کر میرے ساتھ کچن سے باہر نکل آئیں۔

''یہاں بیٹھیں۔'' میں نے انہیں لیونگ روم میں بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''آپ نے آج بلال کے گھر جانا ہے۔ میرا رشتہ لے کر۔''

امی نے گہری سانس لی اور مسکرائیں۔ ''اچھا تو یہ بات ہے۔ میں بھی پتا نہیں کیا ہو گیا۔ بلال کی تو ایک ہی بہن ہے۔ حورین۔ میں نے دیکھا ہوا ہے اسے۔ بہت پیاری بچی ہے۔''

''جی۔ اسی کے لیے جانا ہے آپ نے۔ آپ تیار ہو جائیں۔ پھر میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔''

''لیکن بیٹا! اپنے پاپا کو تو واپس آنے دو۔ ان سے بات کیے بغیر میں کیسے جا سکتی ہوں'' امی ہچکچائیں۔ پاپا لاہور گئے ہوئے تھے اور دو دن بعد ان کی واپسی تھی۔ لیکن میرے دل میں جو آگ لگی ہوئی تھی، اسے مزید دو دن برداشت کرنا میرے لیے مشکل تھا۔

''آپ پاپا کو فون پر بتا دیں۔ وہ منع نہیں کریں گے۔'' میں نے مسئلے کا حل نکالا۔ ''بس آپ تیار ہو جائیں۔ میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔''

''اچھا۔'' امی جانتی تھیں کہ جو بات میں ایک دفعہ ٹھان لوں کر کے رہتا ہوں۔

امی کو بلال آفندی کے گھر چھوڑ کر میں واپس آیا تو میں اتنا خوش تھا کہ میرا بس چلتا تو میں ناچنے لگ جاتا۔ مجھے یقین تھا اس دفعہ میں یوسف کو جو چوٹ پہنچانے جا رہا تھا، اس سے سنبھلنے میں اسے ایک عرصہ لگ جانا تھا۔

میں لیونگ روم میں بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا جب یوسف نے اندر جھانکا۔ وہ شاید امی کو ڈھونڈ رہا تھا۔

''آؤ آؤ۔ اندر آ جاؤ۔ کبھی ہم سے بھی مل لیا کرو۔'' اسے واپس مڑتے دیکھ کر میں نے پکارا۔

وہ اندر چلا آیا۔ ''میں امی کو دیکھ رہا تھا۔ شاید اپنے کمرے میں ہیں۔''

''امی کو تو میں کچھ دیر پہلے بلال کے گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔'' میری خوش مزاجی عروج پر تھی۔

''اچھا'' اس نے کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے بلال کی فیملی کے ساتھ ہمارے فیملی ٹرمز تھے۔ امی ان کے گھر جا سکتی تھیں۔ اس میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مسئلے والی بات تو میں اب اسے بتانے والا تھا۔ میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

''پوچھو گے نہیں کیوں؟'' میں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''امی دراصل میرے رشتے کے لیے گئی ہیں وہاں۔ تم تو جانتے ہو، بلال اور میں گہرے دوست اور بزنس پارٹنرز ہیں۔ اب ہم اپنے تعلق کو رشتہ داری میں بدلنا چاہتے ہیں۔''

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر بے یقینی سے میری طرف دیکھتا رہا جیسے میری بات سمجھنے میں اسے دشواری ہو رہی ہو پھر وہ باہر نکل گیا۔ بغیر ایک بھی لفظ کہے۔ باہر نکلتے ہوئے اس کا کندھا زور سے دروازے سے ٹکرایا تھا۔

''دیکھ کے۔'' میں نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ ''میری شادی کی خوشی تمہارے دماغ کو چڑھ گئی ہے کیا۔''

میں باقی کا منظر دیکھنے کے لیے گلاس وال کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ ڈرائیو وے پر اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا گاڑی میں بیٹھا اور زن سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ چوکیدار نے بھاگ کر بمشکل گیٹ کھولا تھا۔

www.pklibrary.com

میں ہنستے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

"لگتا ہے، اس بار یوسف زمان کے دل پر لگی ہے۔ اور کیا خوب لگی ہے۔"

میں نے ٹائم دیکھا۔ امی کو لینے بھی جانا تھا۔ پہلے تو میں انہیں باہر سے چھوڑ کر آ گیا تھا۔ اب ہو سکتا تھا کہ اندر جانا پڑ جاتا۔

"میرا خیال ہے، میں شاور لے کر ذرا اچھے سے تیار ہو جاؤں۔ آخر میرے سسرال کا معاملہ ہے۔"

میں سیٹی بجاتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔ باہر نکلا تو فون زور و شور سے بج رہا تھا۔ میں نے بال تولیے سے رگڑتے ہوئے فون ریسیو کیا۔

"یہ یوسف زمان کے گھر کا نمبر ہے۔" دوسری طرف سے کوئی تصدیق کر رہا تھا۔

"جی ہاں۔ خیریت؟" میں تولیہ بیڈ پر پھینک کر اب آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"یوسف زمان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ آپ پلیز ہاسپٹل آ جائیں۔" اطلاع دینے والے نے پروفیشنل انداز میں بتایا۔

میرا دل ایک دم خاموش ہوا تھا۔

"کیسی حالت ہے اس کی؟ کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے۔"

"آپ کون بات کر رہے ہیں؟"

"میں۔ سکندر زمان۔ یوسف کا بھائی۔"

"سکندر صاحب۔ ہی از بیڈلی انجرڈ۔ آئی سی یو میں ہے۔"

میں نے فون رکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری ٹانگوں سے جان نکل رہی تھی۔ میں بے دم سا ہو کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ میں اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ میں یوسف کو تکلیف اور دکھ دے کر ہمیشہ خوش ہوتا تھا تو پھر آج اسے اذیت کی آخری حدوں پر دیکھ کر میرا دل کیوں بیٹھا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں ہاسپٹل میں تھا۔ یہ وہی ہاسپٹل تھا جہاں یوسف ہاؤس جاب کر رہا تھا۔ جائے حادثہ سے قریب ہونے کی وجہ سے اسے یہیں پر لایا گیا تھا۔

میں آئی سی یو کے باہر کھڑا تھا۔ اندر وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ ہمیشہ اس کی ہار کی خواہش رکھنے والا میں۔ سکندر زمان۔ آج چاہتا تھا کہ وہ یہ جنگ جیت جائے۔

کچھ دیر بعد امی کاریڈور میں داخل ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ حورین تھی۔ میں تیزی سے ان کی طرف بڑھا اور امی کو اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی۔ امی نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہی تھیں لیکن ان کے پورے وجود سے جھلکتی میرے لیے نفرت صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ سب جان گئی تھیں۔ حورین کی خستہ حالت سب کچھ واضح کر رہی تھی۔

اگلے دو گھنٹوں میں سب کچھ بدل گیا۔ یوسف چلا گیا۔ میرا آخری وار اس کے لیے مہلک ثابت ہوا تھا۔ اب کوئی نہیں تھا جس کو میں دکھ دیتا۔ کوئی نہیں تھا جس کی میں تذلیل کرتا۔ جس کی خوشیاں چھیننے کی کوشش کرتا۔ وہ چلا گیا۔ چپ چاپ۔ کوئی شکوہ کیے بغیر۔ کوئی طعنہ، کوئی الزام دیے بغیر۔

☆☆☆

میں نے اس کی پسند کے کریلے گوشت بنائے تھے۔ وہ یونہی پڑے رہ گئے اور میرا یوسف مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

میں گہری دھند میں کھڑی ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جو راستہ طے کر کے آئی ہوں کیا وہ غلط تھا؟ میں ساری عمر اپنے بیٹے کو درگزر اور صبر کا درس دیتی رہی۔ کیا یہ میری غلطی تھی؟ میں سکندر کو ہمیشہ اپنے بیٹے پر فوقیت دیتی رہی کہ وہ بن ماں کا بچہ ہے اس کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔ کیا یہ میرا قصور تھا؟

شاید میں قصوروار ہوں۔ میں سکندر کے لیے سوتیلی بے شک نہ بنتی لیکن اپنے بیٹے کی سگی ماں تو بنتی۔ مرغی کے بچے کو بھی کوئی چھیڑے تو وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتی ہے لیکن میں نے کبھی اپنے بیٹے کا کھل کر ساتھ نہیں دیا۔

www.pklibrary.com

اگر اسے میرے ساتھ کا یقین ہوتا تو سکندر سے میرے حورین کے گھر جانے کا سن کر وہ کبھی اتنا بے حوصلہ نہ ہوتا کہ جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا۔

میں جتنا سوچتی ہوں میری غلطیاں اور پچھتاوے بڑھتے جاتے ہیں۔ میرے دکھ کی کوئی حد نہیں ہے۔ میری اذیت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ میرا دل ایک زخم بن گیا ہے جس میں سے ہر وقت خون رستا رہتا ہے۔

سکندر بدل گیا ہے۔ شاید اسے بھی اپنے کیے کا احساس ہو گیا ہے لیکن اب اس کی شکل دیکھنا بھی میری برداشت سے باہر ہے۔ میں نے زمان سے کہہ کر اسے الگ گھر میں شفٹ کروا دیا ہے۔

میرا دل چاہتا ہے۔ میں ہر ماں سے کہوں۔ تم جتنی بھی کمزور ہو۔ جس قدر بھی حالات کی چکی میں پسی ہوئی ہو۔ شوہر کی بے اعتنائی کا شکار ہو یا سسرال کے مظالم برداشت کر رہی ہو لیکن اپنی اولاد پر ظلم مت ہونے دو۔ ان کے حق میں بولو۔ ان کے لیے چٹان بن جاؤ۔ اولاد کو مضبوط ماں کی ضرورت ہوتی ہے۔

کاش میں بھی اپنے بیٹے کے لیے مضبوط سہارا بن پاتی۔ کاش..... کاش۔

☆☆☆

اسے بچھڑ جانے سے ڈر لگتا تھا۔ میں اسے یقین دلاتی تھی کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ مجھے اس سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ وہ کہتا تھا کہ خوشی اسے راس نہیں آتی۔ میں کہتی تھی کہ یہ اس کا وہم ہے۔ کاش وہ میرا یقین کرتا۔ کاش وہ کچھ دیر تو ٹھہر جاتا۔ وہ دیکھتا کہ میں کہیں نہیں گئی تھی۔ میں اس کی تھی ہمیشہ سے، اور مجھے اسی کے لیے رہنا تھا۔ ہمیشہ.....

میں نے اس کے دیے ہوئے ایر رنگز پہن لیے ہیں۔ میری ٹیبل پر اس کی تصویر ہے۔ مجھے اب کسی کا ڈر نہیں ہے۔ سب کو پتا ہے۔ میں یوسف کی ہوں۔ مجھے اب کسی کا انتظار نہیں ہے۔ ماما، بابا کو میری فکر ہے لیکن میں یوسف سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔ میرے پاس اس کی یادیں ہیں اور ان یادوں میں اتنی طاقت ہے کہ میں ان کے سہارے ساری عمر گزار سکتی ہوں۔

محبت کسی معجزے کی صورت
میرے حصے میں آئی ہے
میں اپنا عکس دیکھوں تو
آئینے میں اس کی آنکھیں مسکراتی ہیں
اکیلے راستے پر چلتے ہوئے
وہ بے آواز قدموں سے
میرے ساتھ ہو لیتا ہے
میں آنکھیں موندوں تو
میرا سر اس کے شانے پہ جا ٹکتا ہے
آخری بار اس کا چہرہ دیکھے
مدت ہوئی لیکن
میرے دھیان میں اس کے خدوخال
ماند پڑنے کے بجائے
نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔

☆☆☆

میرے گناہوں نے ایک آگ کی بھٹی تیار کی ہے اور مجھے اس کے اندر دھکیل دیا ہے۔ میرے ارد گرد آگ ہے۔ آگ کے بھڑکتے شعلے، اس کی اونچی ہوتی لپٹیں اور ان میں جلتا میرا وجود۔ میں ہر وقت اپنے ہی جہنم میں جل رہا ہوں۔ اور اس جہنم سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

میں امی سے ملنے جاتا ہوں لیکن وہ مجھ سے نہیں ملتیں۔ اب وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ میرے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ میں جانتا ہوں۔ میں اسی نفرت کا حق دار ہوں۔ لیکن اس لڑکی۔ حورین کی اداس آنکھیں دیکھ کر میری اذیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس کی تنہا، اجاڑ زندگی کا ذمہ دار بھی میں ہی ہوں۔

کاش وقت کبھی پلٹ سکتا تو میں نفرت کے بجائے محبت کے بیج بوتا۔ میں یوسف پر وار کرنے کے بجائے اسے گلے سے لگاتا۔ اس کا بھائی تھا تو بھائی ہونے کا ثبوت دیتا۔ دشمن نہ بنتا۔ کاش وقت کبھی پلٹ سکتا..... کاش.....!!

www.pklibrary.com

مریم عزیز

وہ گزری مسافتیں

مکمل ناول

بریانی کو دم دینے کے بعد اس نے کاؤنٹر پر پھیلا کچرا سمیٹا اور سنک میں رکھے برتن دھو کے کاؤنٹر کو تولیے سے صاف کیا۔ فریج کھول کر اس نے ایک نظر ساری تیار چیزوں کو دیکھا۔ ٹرائفل، رائتہ، سلاد فروٹ چاٹ سب تھے۔ اس نے مطمئن انداز میں گہرا سانس لیا۔

ہلکی سی دستک دے کر اس نے دروازہ کھولا تو اے سی کی ٹھنڈک اس کے تپتے چہرے سے ٹکرائی تھی۔ اس نے بے اختیار آنکھیں بند کر کے جیسے اس احساس کو محسوس کیا تھا اور اگلے ہی پل اس نے آنکھیں کھول کر قدم آگے بڑھائے۔

سونیا بھابھی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنے چہرے کی کلینزنگ کر رہی تھیں۔ انہوں نے شیشے میں دروازے سے اندر آتی، عنایہ کو دیکھا تو تیزی سے چلتے ان کے ہاتھ رک گئے تھے اور ان کی سوالیہ نظریں محسوس کر کے ان کے قریب جاتی عنایہ کے قدم بھی رک گئے تھے۔ انہوں نے ابرو اچکا کر سوالیہ نظروں سے شیشے میں نظر آتی عنایہ کو دیکھا۔

"بھابھی! میں نے سب تیار کر دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ جواب دے کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھیں تو وہ ایک نظر انہیں دیکھ کر مڑ گئی تھی۔

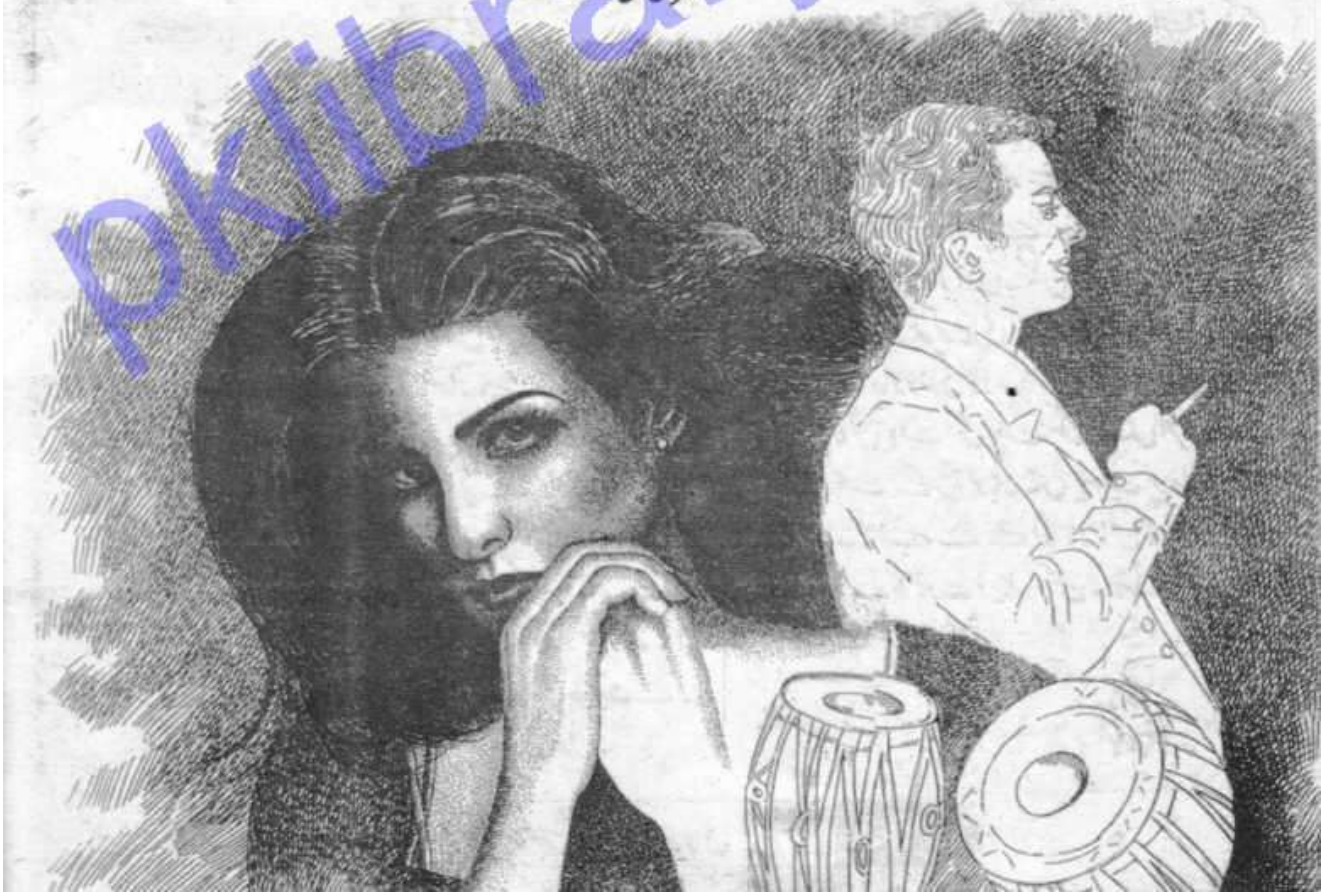

pklibrary.com

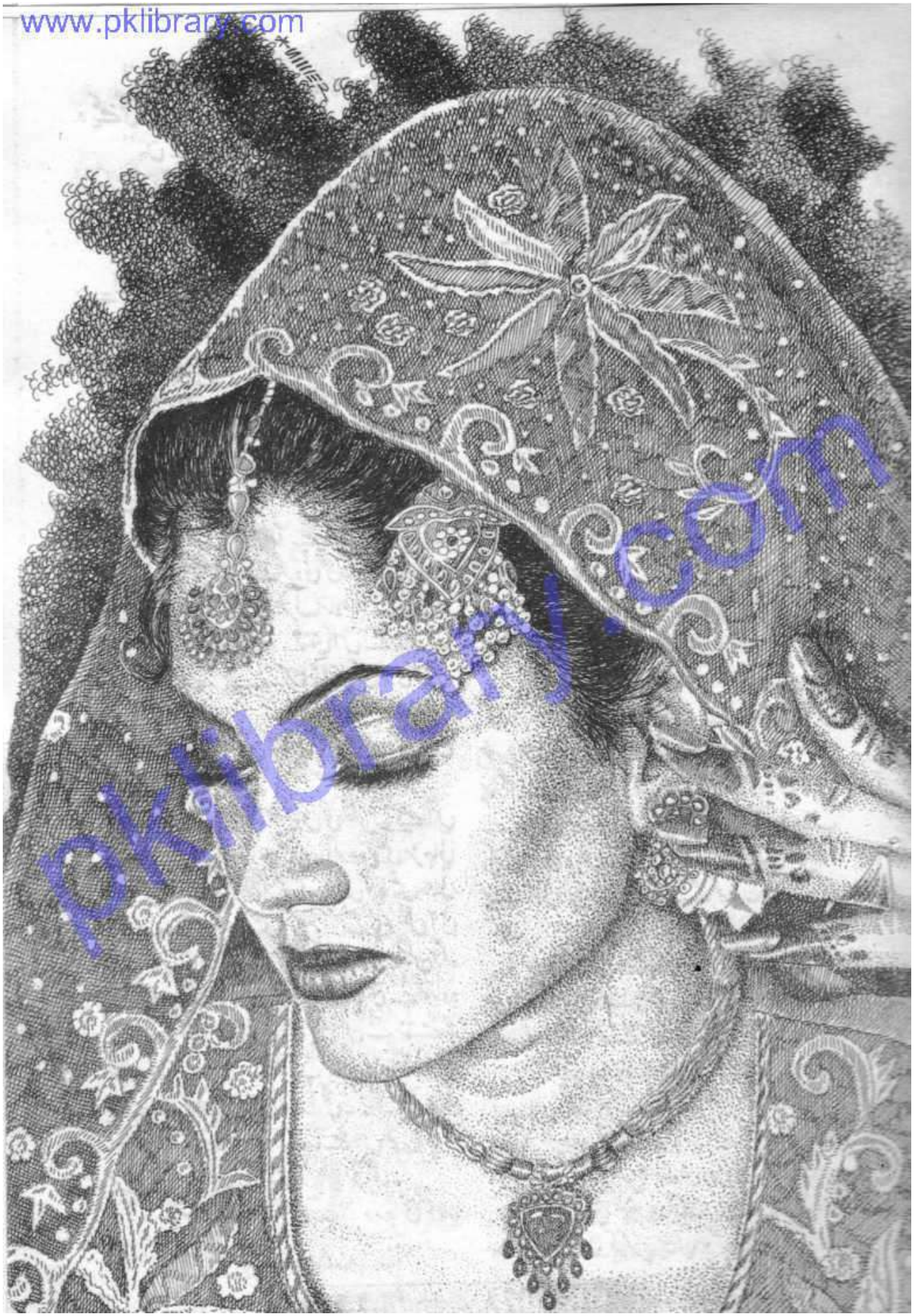

www.pklibrary.com
pklibrary.com

www.pklibrary.com

"عنایہ!" ان کے آواز دینے پر وہ مڑ کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"میں نے بتول کو بھی کال کر دی ہے، وہ کھانا سرو کر کے برتن بھی دھو جائے گی۔ لیکن پلیز تم چائے کا ارینجمنٹ خود دیکھ لینا۔"

"جی!" وہ اثبات میں جواب دے کر کمرے سے نکل آئی۔

کمرے میں آ کر وہ پسینہ سکھانے کے لیے پنکھے کے نیچے بیٹھ گئی اور کتنی دیر غائب دماغی سے سامنے دیوار کو دیکھتی رہی تب ہی اس کی نظر دیوار پر لگی گھڑی پر پڑی اور وہ تیزی سے کھڑی ہو گئی۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

وہ نیچے آئی تو مہمان آ چکے تھے بتول نہ صرف آ چکی تھی بلکہ ٹیبل بھی سیٹ کر دی تھی۔ وہ اپنی ساری تسلی کر کے ڈرائنگ روم کی طرف سلام کرنے کی نیت سے آئی لیکن اندر داخل ہوتے ہی اس کے نہ صرف قدم رکے تھے بلکہ چہرے کے تاثرات بھی بڑی تیزی سے بدلے تھے۔

"آؤ عنایہ!" اس کو دیکھ کر سونیا بھابھی خوش دلی کے ساتھ بولی تھیں۔

سامنے بیٹھی تینوں ہستیوں کی نظریں جیسے اس کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں۔ اگر وہ یونہی مڑ جاتی تو بھابھی اس بات کو پکڑ کر پورا ہفتہ اس کو باتیں سناتی رہتیں۔ وہ دھیمی آواز میں سلام کر کے باہر نکل آئی اسے اتنا پتا تھا بھابھی کی کوئی سہیلی آ رہی ہے لیکن اگر اسے پتا ہوتا کہ اس دوست کو وہ بھی جانتی ہے اور وہ بھی بہت اچھی طرح تو وہ کبھی یوں ان کے سامنے نہ جاتی۔ وہ دروازے کے قریب کھڑے ہو کر اپنے اڑے ہوئے حواس بحال کرنے لگی۔ کیونکہ نبیل بھائی گھر آ چکے تھے۔ وہ ان کے سامنے اس طرح جا کر مزید کسی نئی سچویشن کو ہوا نہیں دینا چاہتی تھی۔

"یہ تمہارے ساتھ رہتی ہے؟" وہ جانتی تھی یہ سوال کس نے کیا ہے۔

"فی الحال تو یہیں ہے۔" سونیا بھابھی کی اکتائی ہوئی آواز آئی تھی۔

"ہمت ہے تمہاری جو اسے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے تم نے۔" یہ اب دوسری آواز تھی۔

"ہمت تو خیر بہت ہے مجھ میں۔" سونیا بھابھی کی اترائی ہوئی آواز آئی "لیکن مجبوری بھی ہے۔ نبیل کی بہن ہے وہ بھی لاڈلی، سو وقتاً فوقتاً محبت کے دورے پڑتے رہتے ہیں، پر میں بھی اب سمجھ گئی ہوں کہ یہ کھیل ہی منافقت کا ہے۔ میں بھی اب نبیل کے سامنے بہت اچھی بھابھی کا رول پلے کرتی ہوں۔"

"تو عنایہ کچھ نہیں بتاتی نبیل کو؟"

"نہیں، اب وہ وقت نہیں رہا کہ وہ جو کہتی تھی وہی ہوتا تھا۔ اب وقت بدل چکا ہے۔ وہ ناقابل اعتبار ہو چکی ہے اور وہ خود بھی یہ جانتی ہے اس لیے خاموش رہتی ہے۔"

عنایہ کا ڈر، دکھ میں ڈھل گیا آنسو جو آنکھوں میں جمع تھے گالوں پر پھیل گئے تھے۔

"شادی کروا دو اس کی۔" تیسری آواز آئی تھی۔ "ہوں، کون کرے گا اس سے شادی۔ خاص طور پر تب جب کہ اس کا ماضی اتنا شاندار ہے۔" سونیا بھابھی کے طنزیہ انداز میں کاٹ تھی اور وہ اس کاٹ سے لہولہان ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے آنسو صاف کرتی ہوئی وہاں سے ہٹی تھی۔ لاؤنج خالی تھا، وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں عبور کر کے کمرے میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

دروازے پر دستک ہوئی تھی لیکن وہ ایسے ہی لیٹی رہی۔ لیکن جب دستک میں تیزی آئی تو اسے اٹھنا پڑا دروازہ کھولتے ہی اسے رمیض کا چہرہ نظر آیا۔

"کیا بات ہے پھوپھو! شام سے رات ہو گئی، آپ اب تک کمرے میں بند ہیں۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔" بولتے بولتے اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے پھوپھو۔" وہ نو سال کا بچہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

www.pklibrary.com

"میں ٹھیک ہوں، بس سر میں تھوڑا درد ہے۔" وہ کنپٹی کو مسلتے ہوئے بولی۔

"میں ماما سے آپ کے لیے میڈیسن لے کر آؤں۔" اس کی پریشانی دیکھ کر وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ "نہیں بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ، صبح اسکول بھی جانا ہے۔"

"لو میں بھول گیا۔ پاپا نے آپ کو بلایا ہے۔" وہ ایک دم سر پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ میں آتی ہوں۔" اس کے کہنے پر وہ سر ہلا کر مڑ گیا تھا۔

منہ اچھی طرح دھو کر وہ نیچے آئی تو نبیل بھائی چائے پیتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی پہلے وہ مسکرائے لیکن اس کے قریب آنے پر ان کی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔ سونیا نے بغور یہ منظر دیکھا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" نبیل نے پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی!" وہ سر جھکا کر بولی۔

"لگ تو نہیں رہا ٹھیک ہو۔ آنکھیں سوجی ہوئی ہیں تمہاری، جیسے روتی رہی ہو۔" وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

صرف ایک لمحے کی گھبراہٹ تھی جو سونیا کے چہرے پر آئی تھی۔ اگلے ہی پل وہ اٹھ کر عنایہ کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا نا آج سارا دن عنایہ کچن میں مصروف رہی۔ اتنا منع کیا میں نے لیکن آپ کو پتا ہے نا، اس کو کوکنگ کا کتنا شوق ہے۔" انہوں نے کہنے کے ساتھ اسے خود سے لپٹا لیا۔

"بتول کہاں تھی؟" وہ اب بھی سنجیدہ تھے۔

"وہ آج لیٹ آئی تھی۔" جواب سونیا کی طرف سے آیا تھا۔

"عنایہ! جب بتول ہے تو تمہیں کیا ضرورت ہے اتنی گرمی میں خود کو خوار کرنے کی۔"

اب وہ کیا کہتی آپ کی بیوی کو میں کچن میں ہی اچھی لگتی ہوں۔ لیکن وہ سوچ ہی سکی کہہ نہیں سکی۔

"اب آرام کرو اور کوئی ضرورت نہیں خود کو تھکانے کی۔" وہ اس کا سر تھپک کر کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"بھائی! مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔"

"ہاں بولو۔" وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"بھائی میں نوید بھائی کی طرف جانا چاہتی ہوں۔" "کیوں خیریت؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"صبح سعدیہ بھابھی کی کال آئی تھی۔ وہ اداس ہو رہی تھیں اور پھر مجھے یہاں آئے کافی دن ہو گئے ہیں اس لیے میں سوچ رہی تھی کل چلی جاؤں۔"

"ٹھیک ہے، میں کل تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

ان کے جانے کے بعد وہ سونیا پر نظر ڈالے بغیر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

"گھر تو بہت خوب صورت ہے بھابھی۔" سارا گھر دیکھنے کے بعد وہ ستائشی انداز میں بولی تو سعدیہ نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا اور پھر کتنی دیر تک دیکھتی رہیں۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں بھابھی؟"

"کتنی ویک لگ رہی ہو۔"

"اچھا!" وہ دھیمے سے مسکرائی۔ "آپ کو لگ رہا ہے ورنہ میں تو ہٹی کٹی ہوں خیر مجھے چھوڑیں۔ آپ یہ بتائیں دل لگ گیا آپ کا؟"

"ہاں، اچھا ہے سب، مارکیٹ بھی قریب ہے گھر کے تھوڑا آگے پارک ہے۔ شام میں، میں اور سبین اکثر واک پر چلے جاتے ہیں۔ تمہارے بھائی کا آفس بھی قریب ہے اور سبین کا کالج بھی۔"

وہ سر ہلا کر پالک کے پتے چننے لگی جو سعدیہ لے کر آئی تھیں۔

"تمہارے ساتھ سونیا کا رویہ ٹھیک تھا؟"

www.pklibrary.com

پالک کے پتے جمع کرتا اس کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔

''جی ٹھیک تھا اور ویسے بھی میں اب عادی ہوگئی ہوں ان کے رویے کی۔'' وہ خود کو نارمل ظاہر کرنا چاہتی تھی لیکن آزردگی پھر بھی اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔

''ہاں، کتنی عادی ہو گئی ہو، وہ نظر آ رہا ہے۔'' سعدیہ کو اس کا جھوٹ بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ لیکن وہ کیا کرتی، بتا کر بھی کچھ حاصل نہ تھا۔

''چھوڑیں یہ باتیں میں آپ کو اپنے ہاتھ کی چائے پلواتی ہوں۔ یقیناً آپ نے مس تو کی ہوگی۔''

''ایسی ویسی!'' سعدیہ مسکرا کر بولیں۔

''میں نے پوری کی پوری عنایہ کو مس کیا تھا۔ تمہارے بھیا کا حکم تھا تم نبیل کی طرف چلی جاؤ۔ میرے بس میں ہوتا تو تمہیں کبھی وہاں جانے نہ دیتی۔''

عنایہ نے پیار سے انہیں دیکھا وہ جانتی تھی وہ سچ کہہ رہی ہیں۔ وہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

رات کو شاید بارش ہوئی تھی۔ اس لیے موسم خوش گوار ہو گیا تھا۔ اس نے یونہی لیٹے لیٹے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ آسمان پر کالے بادلوں کا راج تھا۔ وہ اٹھ کر بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوگئی۔ سامنے ہی پارک تھا جہاں دور تک پھیلا سبزہ آنکھوں کو عجیب سا سکون دے رہا تھا۔ اکا دکا لوگ ٹریک پر واک کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔ منہ دھو کر جب وہ نیچے آئی سب سو رہے تھے۔ وہ کچھ دیر تو تذبذب کی کیفیت میں کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر واپس مڑی تب ہی بھابھی جمائی لیتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر آئی تھیں اور اس پر نظر پڑتے ہی وہ حیران ہوئی تھیں۔

''خیریت ہے؟'' انہوں نے اسی حیرت سے پوچھا۔

''باہر اچھا موسم لگ رہا تھا تو میں نے سوچا۔ کچھ دیر پارک چلی جاؤں۔''

''ارے تو اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔''

''وہ میں نے سوچا، پہلے بھائی سے پوچھ لوں۔'' وہ کچھ جھجک کر بولی۔ سعدیہ کو اس کا چہرہ دیکھ کر ترس آیا تھا۔

''عنایہ ان باتوں کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تم جاؤ، میں خود انہیں بتا دوں گی۔'' انہوں نے اس کا گال تھپتھپایا تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

باہر کا موسم واقعی بہت خوش گوار تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے ساتھ بارش کی ہلکی سی پھوار نے موڈ خوش گوار کر دیا تھا۔ وہ سب بھلائے بس قدرت کی رعنائیوں کو محسوس کرتے ہوئے واکنگ ٹریک پر ہلکے ہلکے چل رہی تھی۔ کچھ لوگ اسی کی طرح چہل قدمی کر رہے تھے۔ جبکہ کچھ لوگ دوڑتے ہوئے اس سے آگے نکل رہے تھے تب ہی دائیں طرف دیکھتے ہوئے اسے عجیب سا احساس ہوا تھا۔

گھاس پر چلتا وہ شخص نیچے کی طرف جھکا کچھ تلاش کر رہا تھا اس کے انداز میں تیزی کے ساتھ اضطراب اسے دور سے ہی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر وہاں سے گزر جانا چاہتی تھی لیکن وہ چند قدم چلی تھی جب اس نے اس شخص کو لڑکھڑا کر بیٹھتے ہوئے دیکھا اور اب کی بار وہ خود کو روک نہیں سکی تھی۔ بھاگنے والے انداز میں وہ ان کے قریب آئی تھی جو جھکے گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ پریشانی سے انہیں دیکھنے لگی جو بمشکل سانس لے رہے تھے۔

انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ کیا عنایہ نے ان کا اشارہ دیکھا لیکن وہ سمجھ نہیں سکی۔ انہوں نے دوبارہ ہاتھ کو بند کر کے اسے منہ سے لگایا تو عنایہ کو ایک سیکنڈ لگا تھا سمجھنے میں کہ انہیں استھما کا اٹیک ہوا تھا اور یقیناً وہ پمپ کی بات کر رہے تھے۔ وہ تیزی سے اٹھی اور متلاشی نظروں

www.pklibrary.com

سے اردگرد دیکھنے لگی اور وہ اسے چند قدم کے فاصلے پر بنچ پر پانی کی بوتل کے ساتھ مل گیا۔

وہ دونوں چیزیں اٹھا کر ان کی طرف بھاگی تھی اور تیزی سے ان ہیلر پمپ ان کے ہاتھ میں دیا۔ دو تین مرتبہ ان ہیلر لینے سے وہ اب قدرے نارمل انداز میں سانس لے رہے تھے۔ عنایہ بغور انہیں دیکھ رہی تھی جن کی متغیر کیفیت اب نارمل ہو رہی تھی۔

عنایہ نے پانی کی بوتل ان کی طرف بڑھائی اب کے انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور بوتل اس کے ہاتھ سے لے لی ایک گھونٹ پی کر انہوں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''بہت شکریہ!'' وہ بمشکل مسکرا کر بولے تو عنایہ نے گہرا سانس لیا۔

''اب ٹھیک ہیں آپ۔'' انہیں اٹھتا دیکھ کر وہ بے ساختہ بولی۔

''میں اب ٹھیک ہوں نیک دل پری!'' ان کے شگفتہ انداز پر پہلے وہ حیران ہوئی اور پھر بے ساختہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''میں نے پہلے کبھی یہ چہرہ نہیں دیکھا یہاں؟'' وہ اب بھی اسے دیکھ رہے تھے۔

''جی میں کل ہی یہاں آئی ہوں۔ وہ سامنے میرا گھر ہے۔'' اس نے انگلی سے سامنے اشارہ کیا۔

''نوید طاہر کے گھر۔'' ان کے کہنے پر اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''آپ بھائی کو جانتے ہیں؟''

''اچھا تو تم نوید کی بہن ہو؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگے۔

''بھائی کو کیسے جانتے ہیں؟'' وہ الجھ کر بولی۔

''میں اس سوسائٹی کا چیئرمین ہوں اور دوسرا جس کنٹرکشن کمپنی سے نوید نے یہ گھر خریدا ہے وہ ہماری ہے اس لیے۔'' وہ اب نارمل انداز میں بات کر رہے تھے۔

''پڑھتی ہو؟'' ان کے سوال پر اس نے سر نفی میں ہلایا۔

''تو کیا کرتی ہو؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کچھ شرمندہ سی نظر آئی۔

''ارے بھئی اس میں شرمندہ ہونے والی کیا بات ہے جو کچھ بھی نہیں کرتے، وہ کمال کرتے ہیں۔''

''آپ یہاں رہتے ہیں؟''

''ہاں یہیں اے بلاک میں صبح یا کبھی شام میں واک کرتا ہوں۔ ہارٹ پیشنٹ ہوں نا تو ڈاکٹر کہتے ہیں چلتے پھرتے رہیں تو دل بھی ٹھیک رہے گا اوپر سے اسٹھما کا مسئلہ موسم سرد ہو تو یہ مسئلہ اور بھی تنگ کرتا ہے۔ آج بھی موسم سرد ہونے کی وجہ سے اٹیک کا مسئلہ ہوا، واک کرتے ہوئے مجھے دھیان نہیں رہا۔ چیزیں بنچ پر ہی رہ گئیں اگر آج تم نہ آتیں تو میں اللہ کو پیارا ہو گیا تھا۔''

''اللہ نہ کرے۔'' وہ بے ساختہ بولی اور انہوں نے بھی بے ساختہ اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیے۔

''نیک دل پری! تم نے اپنا نام تو بتایا نہیں۔''

''عنایہ۔''

''عنایہ!'' انہوں نے دہرایا۔ ''بڑا پیارا نام ہے بالکل تمہاری طرح خوب صورت۔''

اب کی بار عنایہ مسکرائی نہیں، یوں کوئی غیر آدمی اس کی تعریف کرے اسے اچھا نہیں لگا۔ اس کا چہرہ سخت ہو گیا تھا۔

''میں چلتی ہوں۔''

''تم سے مل کر اچھا لگا عنایہ! کیا کل آؤ گی؟''

ان کے پوچھنے پر عنایہ نے مڑ کر سنجیدہ نظروں سے انہیں دیکھا اور جواب دیے بغیر مڑ گئی اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے پرواہ نہیں تھی اس کی بدتہذیبی کا اگلے بندے پر کیا اثر پڑتا ہے۔

☆☆☆

''نہیں آئی سین۔'' اسے اکیلا آتا دیکھ کر سعدیہ بھابھی نے پوچھا۔

www.pklibrary.com

"کہہ رہی ہے بھوک نہیں ابھی لاؤنج میں گئی ہے بھائی کے پاس۔" سعدیہ غصے سے کاؤنٹر کی طرف مڑ گئیں۔

"اس لڑکی کی بھی مجھے سمجھ میں نہیں آتی سب کھانا کھا چکے ہیں اب اس کے لیے علیحدہ گرم کروں۔ میں نے تو سارا کھانا ڈونگے میں ڈال کر فریج میں رکھ دیا ہے۔ اب خود کھالے گی۔" وہ غصے سے بولتی جا رہی تھیں جبکہ وہ پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

تبھی سبین اندر آئی تھی۔

"پھوپھو! آپ کو پاپا بلا رہے ہیں۔" سبین کے کہنے پر پہلے وہ حیران ہوئی اور پھر پریشان ہو کر سعدیہ کو دیکھنے لگی وہ بھی کچھ حیران تھیں پھر اسے پریشان دیکھ کر مسکرا دیں۔

"جاؤ سن آؤ بات..... میں بھی آ رہی ہوں۔" ان کا انداز تسلی دینے والا تھا وہ جب اندر آئی وہ ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"آؤ عنایہ" ان کی آواز کے ساتھ ان کا انداز بھی سنجیدہ تھا اور ان کے اسی انداز سے ان کی جان جاتی تھی۔ وہ خاموشی سے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم آج پارک گئی تھیں؟"

عنایہ کا سانس رک سا گیا تھا وہی ہوا جس کا ڈر تھا تبھی بھابھی تیزی سے اندر داخل ہوئیں اور بغور شوہر کا چہرہ دیکھا۔

"جی بھائی! میں بھابھی سے پوچھ کر گئی تھی۔"

"آج مجھے راحت صاحب ملے تھے۔" وہ الجھ کر انہیں دیکھنے لگی۔ "بتا رہے تھے صبح ان کی طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی اور تم نے ان کی مدد کی، تمہارا بہت شکریہ ادا کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے تم ایک دم اچانک وہاں سے چلی گئی تھیں کہ وہ تمہارا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکے۔ اس لیے انہیں میرے آفس آنا پڑا۔"

بات ختم کر کے وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"مجھے تم سے اتنے روڈ بی ہیویئر کی امید نہیں تھی عنایہ! وہ بزرگ تھے کیا تمہیں ان کے ساتھ ایسا کرنا چاہیے تھا۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ تمہارے بارے میں، خاص طور پر میرے بارے میں میرے اچھے ٹرمز ہیں ان کے ساتھ۔ وہ اس سوسائٹی کے چیئرمین ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بنا کے رکھی جاتی ہے نا کہ بگاڑ کے۔" ان کو مسلسل بولتا دیکھ کر سعدیہ کو ٹوکنا پڑا۔

"انہوں نے کیا عنایہ کی شکایت کی ہے؟"

"نہیں، وہ تو تعریف کر رہے تھے لیکن ان کا یہ کہنا کہ وہ کچھ کہے بغیر اچانک چلی گئی مجھے اس بات پر اعتراض ہے۔"

"آپ خود تو کہہ رہے ہیں۔ وہ اچھے انسان ہیں۔ میرا نہیں خیال انہوں نے مائنڈ کیا ہوگا لیکن پھر بھی اگر آپ کو لگتا ہے تو عنایہ کل جا کر ان سے ایکسکیوز کر لے گی۔"

عنایہ نے چونک کر سعدیہ کی طرف دیکھا جنہوں نے آنکھ سے اشارہ کیا تھا تو اس نے دوبارہ نوید بھائی کی طرف دیکھا جو دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے انہیں ہمیشہ اپنی بات سے مطلب ہوتا تھا وہ اپنے مطلب کی بات کر چکے تھے جس کا مطلب تھا۔ محفل برخاست۔ وہ گہرا سانس لے کر اٹھ گئی۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" کی آواز پر انہوں نے مڑ کر دیکھا اور پیچھے کھڑی عنایہ کو دیکھ کر وہ نہ صرف مسکرائے بلکہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"وعلیکم السلام جیتی رہیں۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" عنایہ کے پوچھنے پر وہ مسکرا دیے۔ "اللہ کا شکر ہے، تم سناؤ۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ کیسے بات شروع کرے۔

"میں ایکچوئلی آپ سے سوری کرنے آئی تھی۔ اس دن میں ایسے ہی چلی گئی۔"

اس کی بات سن کر وہ ہنس دیے تھے۔

"نیور مائنڈ بیٹا! مجھے بالکل برا نہیں لگا۔ بلکہ اچھا لگا ایک لڑکی کو ایسا ہی محتاط ہونا چاہیے، ضروری تو نہیں کہ

www.pklibrary.com

اگر عمر زیادہ ہے تو انسان شریف ہی ہو۔"

ان کے انداز پر اس نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں لیکن میں ایک شریف انسان ہوں۔" اس کی مسکراہٹ وہ دیکھ چکے تھے۔ اس لیے وہ جلدی سے بولے تو وہ کھل کر مسکرائی تھی۔

اور یہیں سے ان کی دوستی کا آغاز ہوا تھا وہ اب اکثر شام کو جب بھی پارک آتی راحت صاحب پہلے سے موجود ہوتے وہ بہت دلچسپ باتیں کرتے تھے۔ وہ دونوں واک کرنے کے ساتھ سیاست، کھیل، ڈراموں، پرانی فلموں پر بات کرتے۔ اپنی اپنی رائے دیتے۔ وہ جو ہمیشہ اپنے خول میں رہتی تھی۔ اب باتیں کرنے لگی تھی اور وہ خود حیران ہوتی تھی کہ وہ اتنا اچھا بول سکتی ہے۔ اور یقیناً یہ راحت انکل کے دوستانہ مشفقانہ رویے کی وجہ سے تھا۔

☆☆☆

سبین اور رمیض لڈو کھیل رہے تھے۔ کھیل کم شور زیادہ کر رہے تھے وہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔ نبیل بھائی کی پروموشن ہوئی تھی۔ اسی لیے نوید بھائی نے ان کی دعوت کی تھی۔ وہ کھل کر مسکرا رہی تھی۔ اپنے موڈ میں تبدیلی وہ خود بھی محسوس کر رہی تھی۔ وہ نبیل بھائی کا لایا ہوا گفٹ کھول رہی تھی جب اسے خود پر کسی کی نظروں کا احساس ہوا تھا، اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا سونیا بھابھی کی گہری نظریں اس پر جمی تھیں۔

"کیا بات ہے عنایہ! بڑی خوش نظر آ رہی ہو بلکہ نکھری نکھری لگ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟"

وہ آنکھیں مٹکا کر بولیں تو اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر ساتھ بیٹھی سعدیہ کو دیکھا۔

"ماشاء اللہ کہو سونیا! اللہ اسے یونہی خوش رکھے اور نکھرنے کی کیا بات کی تم نے۔ ماشاء اللہ عنایہ شروع سے ہی خوب صورت ہے۔"

"جی بھابھی! صحیح کہا آپ نے، یہ سارے کمال اسی خوب صورتی کے کیے دھرے ہیں۔" اب کے سعدیہ نے سنجیدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"جاؤ عنایہ ٹرائفل لے آؤ۔ سونیا کو میٹھا کھانے کی اشد ضرورت ہے۔"

سعدیہ بھابھی کے طنزیہ انداز پر بھی سونیا کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا وہ ڈش لے کر جب لاؤنج میں آ رہی تھی جب سونیا بھابھی کی بات سن کر وہی رک گئی۔

"اوہو بھابھی! آپ تو فضول میں برا مان رہی ہیں۔ میں نے عنایہ کو کیا برا کہا۔ اتنا گلوکر رہی تھی۔ پوچھ لیا مجھے لگا شاید اسے پتا چل گیا ہے کہ حماد پاکستان آ گیا ہے۔ اسی خوشی میں اتنا روپ آیا ہے۔"

"خدا کا واسطہ ہے سونیا! آہستہ بولو۔" سعدیہ بھابھی کا انداز گھر کنے والا تھا۔ "نوید نے اس کا نام بھی سن لیا تو ہنگامہ کھڑا کر دیں گے اور حماد کا یہاں کیا ذکر، ہمارا واسطہ کیا ہے اس شخص سے۔"

"آپ کا نہیں لیکن عنایہ کا تو تھا نا؟"

"تم ہوش میں تو ہو نا سونیا!" اب بھابھی کی غصیلی آواز آئی۔ "وہ رشتہ تھا۔ اب ہے نہیں، اس لیے فضول مت بولو اور عنایہ کے سامنے ایسا کوئی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ عنایہ کی زندگی کا وہ باب ختم ہو گیا۔"

وہ مزید سن نہیں سکی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ ساری خوشی غارت ہو گئی تھی۔

"یہ ماضی اس کی جان کیوں نہیں چھوڑتا۔" اس نے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

☆☆☆

"میری سمجھ میں نہیں آتا انکل کہ لوگ کسی کی خوشی برداشت کیوں نہیں کرتے۔ کیوں بار بار ان کے زخموں کو کریدتے ہیں۔ جن کو مندمل کرنے کے لیے وہ دن رات کوشاں ہوتے ہیں۔ اپنا آپ مار ڈالو پھر بھی وہ معاف نہیں کرتے۔ ان کے لفظوں میں اتنی کڑواہٹ ہوتی ہے کہ وہ اگلے انسان کے وجود تک کو کڑوا کر دیتے ہیں۔"

www.pklibrary.com

وہ آج بہت دل برداشتہ تھی اس نے آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دیے تھے لیکن اس کا لہجہ اس کے اندر کا درد بیان کر رہا تھا۔ راحت صاحب جو کب سے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھ رہے تھے۔ اس کے کہنے پر کتنی دیر تک کچھ بول نہیں سکے پھر سر جھٹک کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"عنایہ! یہ دنیا ہے، دنیا کی مثال ایک درانتی کی سی ہے۔ درانتی جانتی ہو نا۔ ایک ایسا اوزار جس کے دونوں کونے نوکیلے ہوتے ہیں یہ دنیا بھی ایسی ہے کسی کو کسی بھی حال میں معاف نہیں کرتی اگر یہاں رہنا ہے تو باتوں کو درگزر کرنا سیکھو میں نہیں جانتا کس بات نے تمہیں اپ سیٹ کیا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کسی اپنے کی بات ہے جو تم اتنا ہرٹ ہوئی ہو۔ یہ بھی کچھ عجیب نہیں کیونکہ انسان کو سب سے زیادہ تکلیف اس کے اپنے ہی دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہے اور اپنے ہی ہوتے ہیں جو جانتے ہیں کہ آپ کو کس چیز سے تکلیف پہنچتی ہے غیروں کو کیا مطلب، انہیں کیا پتا آپ کا ٹریگر پوائنٹ کیا ہے۔ جہاں تک میں تمہیں سمجھا ہوں تم ایک اچھی اور بہادر لڑکی ہو۔"

ان کے کہنے پر وہ جو بہت غور سے انہیں سن رہی تھی مسکرا دی۔

"غلط کہہ رہا ہوں؟" اس کے مسکرانے پر وہ رک کر بولے۔

"میں نہ بہادر ہوں اور نہ اچھی۔"

"تمہیں ایسا لگتا ہے مجھے نہیں۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولے۔ "دیکھو بیٹا! غلطیاں سب سے ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے تم سے بھی ہوئی ہو۔ لیکن غلطیوں کو سدھارا جاتا ہے نہ کہ ان میں رہ کر خود کو ڈی گریڈ کیا جاتا ہے، جو تمہیں باتیں کرتے ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے، وہ خود بہت پرفیکٹ ہیں۔ یقیناً نہیں، انہوں نے بھی بہت سی غلطیاں کی ہوں گی۔ بس فرق یہ ہے کہ وہ غلطی کرتے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ تمہیں آج ایک راز کی بات بتاتا ہوں مجھ سے بھی ایک غلطی ہوئی تھی۔ غلطی میری بیوی کی نظر میں تھی۔ میرے لیے تو وہ محبت تھی۔ آنسہ میری کولیگ تھی۔ مجھے اچھی لگتی تھی لیکن میری اماں کو اپنی بہن کی بیٹی لانی تھی۔ کزن بھی اس زمانے میں اتنا کھلا ماحول نہیں تھا۔ بس سلام دعا یا کبھی کبھی کسی شادی میں آمنا سامنا، میں نے گھر میں آنسہ کی بات کی تو جیسے طوفان آ گیا۔ مجھے مارنے کی، دودھ نہ بخشنے کی دھمکیاں دی جاتی رہیں۔ اماں کو دفتروں میں مردوں کے ساتھ کام کرنے والی لڑکیاں پسند نہ تھیں۔" وہ دیدہ ہوائی ہوتی ہیں۔" کہہ کر جیسے وہ طنزیہ مسکرائے۔

"میں نے بہت کوشش کی لیکن کوئی نہ مانا۔ ادھر آنسہ بھی نہ مانی اس کے ماں باپ تھے۔ بہن بھائی تھے۔ ان کی بھی عزت تھی۔ اس نے اپنے ماں باپ کی عزت کو زیادہ ضروری سمجھا۔ اس نے اپنے ماں باپ کی مرضی سے شادی کر لی تو میں نے بھی ارمان کی اور سب کچھ بھول کر پوری رضامندی سے نائلہ کو اپنی زندگی میں شامل کیا لیکن اس کے دل میں زہر بھر گیا تھا جیسے تم نے کہا کڑواہٹ، ایسی کڑواہٹ جو لفظوں کی صورت میں روح تک کو لہولہان کر دیتی ہے۔ تینتیس سال ہو گئے ہیں ہماری شادی کو، بچے جوان ہو گئے ہیں لیکن وہ عورت مجھے طعنے دینے سے باز نہیں آتی۔ شروع میں تو میں کوشش کرتا تھا اسے سمجھانے کی تاکہ میرے بچے مجھے غلط نہ سمجھیں لیکن جب بچے بڑے ہوئے سمجھنے کے قابل ہوئے تو مجھے مزید سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑی، میرے بچے سمجھ دار تھے وہ سمجھ گئے تھے وہ باپ کا ماضی تھا جو گزر گیا۔ ماضی سب کا ہوتا ہے اس کو بھلا دیا جاتا ہے۔ اس میں جیا نہیں جاتا۔"

کہہ کر انہوں نے گہرا سانس لے کر بات ختم کی۔ تب ہی ان کے موبائل پر فون آیا تھا۔

"شیطان کا نام لیا وہ حاضر۔"

انہوں نے اسکرین اس کے سامنے کی جس پر وائف لکھا تھا۔ ان کی شکل دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

"ہیلو بس آ رہا ہوں۔" کہہ کر انہوں نے

www.pklibrary.com

موبائل آف کردیا۔

"آج میں اتنا خوش تھا لڑکی! لیکن تمہاری افسردہ صورت دیکھ کر سب بھول گیا۔"

"سوری انکل!" وہ افسردگی سے بولی۔

"سوری نہیں بیٹا! مجھے اچھا لگا۔ تم نے اپنا سمجھ کر مجھ سے بات کی، بات کرنے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے اور تم مجھے ایسی ہی پیاری ہو جیسے میری اپنی بیٹی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو بیٹے دیے۔ بیٹی کی بڑی خواہش تھی مجھے لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا۔ اس دن جب پہلی بار تمہیں دیکھا۔ یقین جانو، مجھے لگا میری بیٹی میرے پاس بیٹھی ہے۔ میں گھر میں تمہارا اتنا ذکر کرتا ہوں کہ میرے بیٹے چڑنے لگے ہیں۔ کون ہے جو ڈیڈی کو ان سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے۔"

وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ جو کہہ رہے تھے اس کی سچائی اسے ان کے چہرے سے محسوس ہو رہی تھی اور وہ اپنا پہلی ملاقات میں ان کے متعلق اپنے خیال پر شرمندہ ہو کر رہ گئی۔

"بات کرتے ہوئے مجھے ٹائم کا پتا نہیں چلا ایئرپورٹ جانا ہے اسی لیے نائلہ کا فون آیا ہے۔" وہ جلدی جلدی گیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔

"کون آ رہا ہے انکل؟" اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

"میرا چھوٹا بیٹا..... لاڈلا تو ماں کا ہے لیکن میرا بہت اچھا دوست ہے۔ اسی لیے تو اس کی ماں قابو میں رہتی ہے میرے۔" کہہ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنسے تو وہ بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

وہ فریش ہو کر باہر آیا تو سب ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے اور یقیناً اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ "گڈ مارننگ" وہ خوشگوار انداز میں کہتا ہوا اندر داخل ہوا اور ماں کا سر چوم کر ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آج کا اہتمام دیکھ کر لگ رہا ہے۔ ناشتا ماما نے تیار کیا ہے۔" ذیشان نے پراٹھا پلیٹ میں نکالتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"ہاں! اتنے ماہ بعد میرا بیٹا گھر آیا ہے اتنا تو اس کا حق بنتا ہے۔"

نائلہ کے کہنے پر افنان نے مسکرا کر شرارتی انداز میں فرضی کالر جھاڑ کر اپنے بھائی کو دیکھا۔

"اور میں جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہوں مجھے تو کبھی یوں پراٹھے بنا بنا کر نہیں کھلائے آپ نے۔" ذیشان کے شکوے پر انہوں نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں بھی بڑے پراٹھے کھلائے ہیں۔ وہ الگ بات ہے تمہیں اب یاد نہیں اور اب تمہاری بیوی آ گئی ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے تمہیں ناشتا اور کھانا بنا کر دے۔ لیکن وہاں تو ایسے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔"

اندر آتی حفصہ نے بغور اپنی ساس کا بیان سنا لیکن وہ خود کو لاعلم ظاہر کرتی ذیشان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ بیان جان بوجھ کر اس کو دیکھ کر دیا گیا ہے اور وہ صبح صبح بحث کر کے اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ذیشان نے ایک شاکی نظر خاموش بیٹھے باپ پر ڈالی جنہوں نے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا تھا افنان نے بھائی کی شکل دیکھی جس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"ماما! میری بھابھی یہاں پراٹھے بنانے نہیں آئیں۔ گھر میں نوکر کس لیے رکھے ہیں آپ نے۔"

اس کی بات پر حفصہ نے مسکرا کر اپنے دیور کو دیکھا۔

"تو میں کیا نوکر ہوں جو کھانا بناتی ہوں۔" نائلہ کو یہ بات بری لگی تھی۔ "ڈگریوں کا اچار ڈالنا ہے جب گھر داری نہیں آتی صبح اٹھو کالج چلے جاؤ۔ آؤ کھانا تیار ہے، کھایا کمرے میں چلے گئے شام کو شوہر آیا بن سنور کر نکل آئے۔ چائے پی باہر چلے گئے رات کو آئے پھر کھانا تیار ملے گا۔ کھایا اور شوہر کو لے کر کمرے میں چلے گئے۔"

انہیں کتنے دن کا غصہ تھا جو آج نکالنے کا موقع ملا تھا۔ "سارا دن میں اکیلی گھر میں پڑی رہتی ہوں

www.pklibrary.com

بہو کو کوئی پتا نہیں..... اس نے کچھ کھایا یا نہیں، چلو وہ تو بہو ہے۔ یہاں تو بیٹے کو کوئی ہوش نہیں کہ دو گھڑی ماں کے پاس بیٹھ جائے۔ بیٹے کو بھی چھوڑو یہاں خاوند کو کوئی خیال نہیں۔ روز صبح شام پارک کے چکر لگاتے ہیں اور گھنٹوں وہاں لگ جاتے ہیں اور مجھے یہ بھی پتا ہے۔ یہ گھنٹے کس کے ساتھ گزارے جاتے ہیں۔"

کب سے خاموش بیٹھے راحت صاحب نے اب غصے سے ان کی طرف دیکھا۔

"تمہیں خود تو سکون نہیں اور اگر کبھی اتفاق سے گھر والے اکٹھے بیٹھ جائیں تو تم ان کا سکون بھی برباد کرنے پر تل جاتی ہو۔ اتنے عرصے بعد افنان آیا ہے بجائے تم اچھی باتیں کرو اپنا ہی تماشا لگا دیا تم نے۔"

"میں نے کیا غلط کہا ہے؟" وہ غصے سے ان کی طرف مڑیں۔

"پلیز ماما، ڈیڈی۔" افنان نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ "آپ لوگ بھوکے پیٹ کیسے لڑ لیتے ہیں مجھ سے تو ایسا نہیں ہوتا، ایسا کرتے ہیں، پہلے ناشتا کر لیتے ہیں اس کے بعد آپ لوگ اپنی اپنی توپوں کے منہ کھولیں۔ میں بھی تب تک آپ لوگوں کا ساتھ دے سکوں گا۔"

"بھابھی! بھائی آپ لوگ شروع کریں آپ لوگوں کو آفس جانا ہے اور ماما آپ کو تو میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گا۔"

کہنے کے ساتھ وہ نوالے بنا کر ان کے منہ میں ڈالنے لگا۔

راحت صاحب نے ایک محبت بھری نظر افنان پر ڈالی۔ اسے سچویشن کو ہینڈل کرنا آتا تھا اور اب بھی اس نے ٹیبل پر بیٹھے سارے لوگوں کے موڈ ٹھیک کر دیے تھے۔

☆☆☆

"ایک تو گفٹ کی سلیکشن بڑا مشکل مرحلہ ہے۔" وہ بیگ سے چیزیں نکالتے ہوئے بولا۔ "ماما کی لسٹ تو سب سے لمبی ہوتی ہے۔ انہیں اپنی کم اپنی سہیلیوں کی زیادہ فکر ہوتی ہے یہ پرفیومز دیکھ رہے ہیں آپ۔" اس نے آٹھ نو پرفیومز کی بوتلیں نکال کر بیڈ پر رکھیں۔ "یہ سب ماما کی فرینڈز کے لیے ہیں۔ یہ گھڑی، پرفیوم، سویٹر بھائی کے لیے اور یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔" وہ باتیں کرتے ہوئے ان کی طرف مڑا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں یار! تمہاری ماں کبھی سکون نہیں لینے دیتی۔" وہ بے دلی اور بے زاری سے بولے۔

"ڈیڈی! آپ جانتے تو ہیں ماما کی عادت کو، پھر بھی دل سے لگا لیتے ہیں۔"

"ہر چیز کی حد ہوتی ہے افنان! میرے ساتھ جو مسئلہ ہے مجھ تک رکھے، اپنے غصے میں اولاد کو بھی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اب صبح ہی دیکھ لو ذیشان اور حفصہ کے ساتھ کیا کیا۔ وہ لڑکی اچھی ہے جو جواب نہیں دیتی اگر دے دے تو کیا عزت رہے گی تمہاری ماں کی۔"

افنان نے گہرا سانس لیا۔ اتفاق تو وہ بھی کرتا تھا اس بات سے لیکن وہ کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ وہ بیگ سے اب دوسری چیزیں نکال رہا تھا جبکہ راحت صاحب بیڈ پر رکھے پرفیومز دیکھ رہے تھے۔

"افنان سب سے اچھا پرفیوم کون سا ہے؟" وہ اب ایک ایک کر کے سب کے نام پڑھ رہے تھے۔

"سب ہی اچھے ہیں ڈیڈی۔ لیکن یہ لیڈیز پرفیوم ہیں۔"

"جانتا ہوں۔ میں یہ ایک لے رہا ہوں۔"

"ہیں۔" افنان حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"خیریت ڈیڈی! کہیں ماما کے علاوہ کوئی اور تو نہیں۔" افنان کے ابرو اچکانے پر وہ کھل کر مسکرائے تھے۔

"بکو مت، یہ میں عنایہ کے لیے لے رہا ہوں۔"

"او مائے گاڈ! عنایہ آخر یہ عنایہ ہے کون؟ پچھلے دو ماہ سے جب بھی آپ سے بات کروں میں عنایہ کا ذکر ضرور نکل آتا ہے۔ ملوا کب رہے ہیں اپنی

www.pklibrary.com

عنایہ سے۔"

"ملوا بھی دوں گا کسی دن، پر تم مل کر کرو گے کیا۔"

"وہی جو آپ کرتے ہیں۔"

"میں یہ چاکلیٹ کا پیکٹ بھی لے رہا ہوں۔"

افنان کے چہرے پر حیرت حد سے سوا ہوگئی تھی۔

"ڈیڈی کہیں ماما کا شک ٹھیک تو نہیں آپ نے گرل فرینڈ تو نہیں بنالی۔"

"بکومت افنان۔" وہ غصے سے بولے۔

"تمہاری ماں کے دماغ میں کچرا بھرا ہوا ہے اور اسے ہر طرف گند ہی نظر آتا ہے۔ عنایہ بائیس تیئس سال کی لڑکی ہوگی اور میں پینسٹھ سال کا بوڑھا آدمی جس کو اس بچی میں بیٹی کی جھلک نظر آتی ہے جن باتوں کو سننے کے لیے میرے بیٹوں اور بیوی کے پاس ٹائم نہیں وہ میری باتیں بڑے دھیان سے سنتی ہے۔ میری کام کی باتیں میری بیوی کو بے کار لگتی ہیں جبکہ میری بے سروپا باتوں کو بھی بہت دھیان سے سنتی ہے۔ اس کے ہر انداز میں میرے لیے عزت جھلکتی ہے۔ مجھے وہ اچھی لگتی ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں، تم لوگوں کو جو سمجھنا ہے سمجھتے رہو۔" وہ چاکلیٹ اور پرفیوم وہیں بیڈ پر پھینک کر باہر نکل گئے جبکہ ان کے ردعمل پر افنان پریشان ہونے کے ساتھ حیران تھا۔

☆☆☆

فون پر بات سنتی سعدیہ کی اونچی آواز پر لاؤنج میں بیٹھے وہ تینوں نفوس حیران ہو کر اس طرف دیکھنے لگے جہاں سے سعدیہ کی آواز آئی تھی جب وہ اندر آئیں۔ غصہ ان کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔

"کیا ہوا کس کا فون تھا؟" نوید صاحب نے سوالیہ نظروں سے اپنی بیوی کا غصیلا چہرہ دیکھا۔

"باجی نسرین کا فون تھا۔"

"تو؟" نوید صاحب کے سوال پر انہوں نے ایک نظر عنایہ کو دیکھا۔ وہ بھی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"سعدیہ! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔"

وہ غصے سے بولے کیونکہ زیادہ دیر صبر کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے ان کا غصہ بڑھتا وہ مصلحت کو ایک سائیڈ پر رکھ کر بولیں۔

"وہ سوموار کو مسز عرفان کی فیملی آئی تھی پرسوں فون کر کے انہوں نے عنایہ کے لیے سنجیدگی بھی ظاہر کر دی تھی آج انکار بھجوا دیا ہے۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا ان لوگوں کا گلا دبا دیں۔ نوید نے ایک نظر عنایہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے سے وہ اندازہ لگانے سے قاصر تھے۔ کہ اسے برا لگا یا نہیں۔

"ٹھیک ہے نہیں تو نہ سہی۔ مجھے بھی وہ لڑکا اتنا پسند نہیں تھا۔ کوالیفکیشن بھی کوئی اتنی خاص نہیں تھی اور کام بھی مجھے اتنا پسند نہیں تھا۔"

پتا نہیں اب وہ سچ کہہ رہے تھے یا عنایہ کی تسلی کے لیے کہہ رہے تھے۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن مجھے غصہ زیادہ اس بات پر آ رہا تھا کہ آنٹی زرینہ نے ان کے گھر جا کر کچھ باتیں کی ہیں۔"

"زرینہ!" نوید کا انداز سوالیہ تھا۔ سعدیہ نے دزدیدہ نظروں سے عنایہ کو دیکھا جس کا رنگ بدلا تھا۔

"حماد کی ماں۔" ان کی آواز دھیمی تھی لیکن نوید صاحب کے اعصاب تن گئے تھے۔

"وہ وہاں تک کیسے پہنچیں۔"

وہ سونیا کا نام لینا چاہتی تھیں کیونکہ سونیا کی تائی تھیں لیکن وہ غلط بھی ہو سکتی تھیں۔ اب غلط ہو یا صحیح دونوں صورتوں میں دونوں گھروں میں لڑائی ہو سکتی تھی۔ سو انہوں نے خاموش رہنے کو بہتر سمجھا تھا۔

"وہ ذلیل آ گیا ہے پاکستان اب یہی ہوگا۔"

وہ دانت پیس کر بولیں۔ جبکہ عنایہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی۔

تب ہی ڈور بیل بجی تھی اور اسے اٹھنے کا بہانا مل گیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی گیٹ کھلتے ہی نبیل بھائی

www.pklibrary.com

کے ساتھ سونیا کو دیکھ کر وہ بمشکل مسکرائی تھی۔ جبکہ پیچھے آتی سعدیہ نے بے ساختہ دانت پیسے تھے ان کے شک کی تصدیق ہوگئی تھی یہ رشتہ بھی تڑوانے والی سونیا ہی تھی۔ وہ اندر پلٹ گئیں۔ اپنے تاثرات نارمل کرنے کے لیے انہیں وقت چاہیے تھا۔

☆☆☆

"تم تیار نہیں ہوئیں؟" اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر سعدیہ نے پوچھا۔

"بھابھی پلیز میرا بالکل دل نہیں کر رہا باہر جانے کو۔" اس کے بے زار انداز پر سعدیہ اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔

"ابھی نہیں بھی دل کر رہا تو بھی تمہیں جانا ہوگا اور وہ بھی خوش گوار موڈ کے ساتھ کیونکہ سونیا جو دیکھنے آئی ہے۔ تم وہ اسے نہیں دکھاؤ گی۔" عنایہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"بھابھی! وہ میری ساری زندگی تو برباد کر چکے ہیں۔ اب مجھ سے اور کیا چاہتے ہیں۔ آتی جاتی سانسیں ہیں۔ وہ بھی چھیننا چاہتے ہیں تو ایک ہی دفعہ میرا گلا کیوں نہیں دبا دیتے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو سعدیہ نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"عنایہ! میری چند امریں تمہارے دشمن۔ ایسی بری باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ کسی انسان کے برا کرنے یا سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ نے لکھ دیا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ اور ثابت قدم رہنے والوں کو صلہ ضرور ملتا ہے۔ تم تو میری بہادر بہن ہو، چلو شاباش منہ دھو کر اچھا سا ڈریس پہن کر میک اپ کر کے آؤ، یہی سونیا کی چال کا جواب ہے آتی سمجھ۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگیں تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

افنان نے گاڑی چلاتے ہوئے گردن موڑ کر ساتھ بیٹھے باپ کو دیکھا جو سامنے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ افنان نے مڑ کر پیچھے بیٹھے ذیشان اور حفصہ کو دیکھا وہ بھی خاموش تھے۔

"ڈیڈی! آپ اب تک ناراض ہیں؟"

افنان نے اس خاموشی کو توڑا وہ پھر بھی خاموش تھے۔

"انکل!" حفصہ بولی۔

"میں ناراض نہیں۔" اب کے انہوں نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ کل سے خاموش کیوں ہیں؟" ذیشان کی طرف سے سوال آیا وہ پھر خاموش تھے۔

"ڈیڈی! ایم سوری میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔ وہ بس ایک مذاق تھا۔" اب راحت صاحب نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"کیا باپ سے کوئی اتنا چیپ مذاق کرتا ہے۔ باپ کو مذاق سمجھ لیا ہے، جیسے تمہاری ماں فضول بکواس کرتی ہے ویسے ہی اب تم لوگ بھی کرنے لگے ہو۔ مجھے تو حفصہ سے شرم آ رہی تھی۔ وہ کیا سوچتی ہوگی۔ اس کا سسر کس قدر گھٹیا آدمی ہے جو آدھی عمر کی لڑکی سے افیئر چلا رہا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ!" حفصہ بے ساختہ بولی۔

"انکل! میں بھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتی میں نے اپنی ساری زندگی آپ سے زیادہ اچھا انسان نہیں دیکھا۔" تھوڑی دیر کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی تھی۔

"اپنے مذاق میں تم لوگوں نے ایک معصوم لڑکی کو بھی گھسیٹ لیا۔ کتنی شرم کی بات ہے کسی پر تہمت لگانا، چاہے وہ مذاق ہی کیوں نہ ہو۔"

"آئی ایم ویری ویری سوری ڈیڈی! یقین کریں وہ صرف مذاق تھا ورنہ کیا میں آپ کو جانتا نہیں ہمیں تو فخر ہے ہم آپ کے بیٹے ہیں۔"

"بالکل!" افنان کے کہنے پر ذیشان جلدی سے بولا تو ان کے تنے ہوئے اعصاب نارمل ہوئے تھے۔

☆☆☆

اپنے چہرے پر جمی سونیا کی نظریں وہ کب سے

www.pklibrary.com

محسوس کر رہی تھی لیکن مسلسل اسے اگنور کیے اردگرد دیکھ رہی تھی۔ ہال میں موجود فوڈ کارنر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ تیز میوزک اور لوگوں کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ لوگ کھانا کھا چکے تھے۔ سونیا بھابھی کی وجہ سے اس سے بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔

"بھابھی! میں کولڈ ڈرنک لینے جا رہی ہوں۔"

وہ سعدیہ کو بتا کر تیزی سے وہاں سے ہٹی تھی۔

☆☆☆

وہ چاروں طرف نظر گھما رہا تھا۔ لیکن کوئی ٹیبل خالی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"آج تو بہت رش ہے۔" حفصہ نے منہ بنا کر سامنے دیکھا۔

"ویک اینڈ جو ہے آج....." ذیشان بھی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خالی ٹیبل تلاش کر رہا تھا۔

"یہ ڈیڈی کہاں رہ گئے۔"

"وہ رہے۔" افنان کے پوچھنے پر حفصہ نے اشارہ کیا جہاں وہ کسی سے مل رہے تھے۔

"یہ کون ہے؟"

"عنایہ کے بھائی۔" ذیشان کے کہنے پر ان دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"پھر تو عنایہ بھی ہوگی۔" حفصہ کی مسکراتی آواز پر وہ دونوں بھی مسکرا کر ادھر دیکھنے لگے۔

"یہ عنایہ ہے؟" افنان کی آواز میں حیرت کے ساتھ افسوس بھی تھا۔

"پاگل ہو، انکل نے کیا بتایا تھا وہ بائیس تیئس سال کی ہے جبکہ پینتیس یا چالیس کی ہوں گی۔"

"ہوں۔" افنان نے ہنکارا بھرا۔

"یہ عنایہ ہے؟" ذیشان کے کہنے پر وہ غور سے دیکھنے لگا جہاں اسی عمر کی لڑکی کھڑی تھی اور راحت صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"یہ عنایہ تھی؟" ذیشان کو جیسے افسوس ہوا تھا۔

"اچھی ہے لیکن ویسی نہیں جیسی میں سمجھی تھی۔ انکل تو ایسے تعریف کرتے تھے جیسے حسن اسی پر ختم ہوتا ہے۔" حفصہ کو بھی افسوس ہوا۔

"چھوڑیں ہمیں کیا۔ وہ دیکھیں وہ ٹیبل خالی ہو رہی ہے جائیں اس پر قبضہ کریں۔ میں ذرا کھانے پینے کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے فوڈ کاؤنٹر کی طرف مڑا جہاں انسانوں کا ایک ہجوم تھا۔ وہ راستہ بناتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ کب سے وہاں کھڑی تھی۔ اتنا رش تھا کہ وہ آگے جانے سے گھبرا رہی تھی۔ واپس جاتی تو سونیا بھابھی کا سامنا کرنا پڑتا جو وہ نہیں چاہتی تھی۔ گہرا سانس لے کر اس نے آنے جانے کا سوچا تھا۔

تب ہی اپنا نام پکارے جانے پر وہ پلٹی تھی اور اپنے بے حد قریب کھڑے شخص کو دیکھ کر زمین اور آسمان اس کے سامنے گھوم گئے تھے۔ وہ اتنا ڈر گئی تھی کہ ہل بھی نہیں سکی تھی۔ وہ اتنے غور سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے آنکھوں میں سما لینا چاہتا ہو۔

"بالکل ویسی ہو بلکہ اس سے زیادہ خوب صورت لگ رہی ہو۔" اس کے مزید قریب آنے پر وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس کا بھاگنے کا ارادہ دیکھ کر اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا تھا۔

"تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو؟" اس کے چہرے پر لطف لینے والی مسکراہٹ تھی اور اتنے لوگوں میں اس کی اتنی جرات پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ اس نے نوید بھائی اور نبیل بھائی کی تلاش میں گردن گھمائی تھی۔

"کسے ڈھونڈ رہی ہو؟" وہ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے بولا۔

اس نے تیزی سے بازو چھڑایا تھا وہ اس سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی جس ہجوم سے وہ ڈر رہی تھی اب اس میں گھس کر پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تبھی سامنے سے آتے شخص سے وہ بری طرح ٹکرائی تھی اور اس کے ہاتھ میں جو ٹرے تھی وہ زمین بوس ہو گئی تھی اور گلاسوں میں موجود کچھ کوک اس کے کپڑوں پر گر کے داغدار کر گئی اور باقی زمین پر گر گئی

www.pklibrary.com

تھی۔

اس تصادم پر اردگرد موجود لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ لیکن وہ اردگرد دیکھنے سے گریز کر رہی تھی اور جس طرح گری تھی اسی اینگل میں بیٹھی رہی۔ ایک بار پھر اس کا تماشا بن گیا تھا۔ اسے بری طرح رونا آیا تھا۔

''محترمہ! آپ نے آنکھوں کی جگہ بٹن فٹ کروا رکھے ہیں جو اتنا لمبا انسان نظر نہیں آیا آپ کو۔'' افنان نے افسوس سے گری ہوئی چیزوں کو دیکھنے کے بعد غصے سے اس لڑکی کو دیکھا جس کا سر جھکا تھا۔

''او بھائی! تمہیں اپنی چیزوں کا افسوس ہے، لڑکی کو تو دیکھو۔ اس کو شاید چوٹ آئی ہے۔''

ہجوم میں موجود کسی فرد کو اس کی فکر ہوئی تھی۔ عنایہ کو اب اکورڈ پوزیشن کا احساس ہوا تھا اس نے سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا جس سے وہ ٹکرائی تھی اس کے یوں دیکھنے پر وہ جو کچھ بولنے لگا تھا ایک دم ہونٹ بھینچ لیے۔

اس کے مسلسل گھورنے پر عنایہ نے نظروں کا زاویہ بدل کر اردگرد دیکھا تھا وہ اسے کہیں نظر نہ آیا اس نے گہرا سانس لے کر اپنے حواس بحال کیے اور آنسو صاف کرتے ہوئے سامنے دیکھا۔

''آئے ایم سوری غلطی میری ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے معذرت بھرے لہجے میں بولی۔

''نقصان تو میرا ہوا ہے اور رو آپ رہی ہیں۔''

اس کے کہنے پر اس کی نظریں نیچے گرے فرائز برگر تک گئی وہ پھر سے شرمندہ ہوگئی۔ ان دونوں کو بات کرتا دیکھ کر لوگ دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے تھے اس نے ایک بار پھر دور تک نظر دوڑائی اور اس کے تعاقب میں افنان نے، اس کا انداز اتنا ڈرا ہوا تھا۔ وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکا۔

''کوئی پریشانی ہے؟'' عنایہ نے چونک کر اسے دیکھا اور سر نفی میں ہلایا۔ ''افنان کہاں رہ گئے تم'' ذیشان کی آواز پر ان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ اور دونوں کا حلیہ دیکھ کر ذیشان حفصہ اور اس کے پیچھے آتے راحت صاحب چونکے تھے اس سے پہلے وہ کچھ کہتا راحت صاحب جلدی سے آگے بڑھے۔

''عنایہ! تم ٹھیک ہو؟''

ان کے نام لینے کی دیر تھی، ان تینوں کی نظریں اس لڑکی پر ٹھہر گئی تھیں راحت صاحب کو دیکھ کر جہاں اسے تسلی ہوئی تھی وہی ان تینوں کے گھورنے پر وہ گھبرا گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں انکل!'' وہ حواس بحال کرتی ہوئی بولی تب ہی اسے سعدیہ کی آواز سنائی دی تھی ''کہاں رہ گئی تھیں عنایہ! میں پریشان ہوگئی تھی اور یہ کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشانی سے کہتے ہوئے حیرت سے اس کے حلیے کو دیکھنے لگیں۔

سعدیہ بھابھی کو دیکھ کر اس کا دل چاہا ان کے گلے لگ کر رونے لگے لیکن پیچھے نوید بھائی نبیل بھائی سونیا کو دیکھ کر وہ ضبط کر گئی۔

''کچھ نہیں بھابھی پاؤں سلپ ہوگیا تھا۔''

''ایک تو تم لوگوں کو ہیل پہننے کو کون کہتا ہے۔''

نوید کے غصے سے بولنے پر راحت صاحب کے ساتھ افنان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کوئی بات نہیں نوید! ایسا ہو جاتا ہے آؤ بیٹھتے ہیں۔'' راحت صاحب نے انہیں ساتھ بیٹھنے کی آفر کی تھی۔

''نہیں راحت صاحب! کافی دیر ہوگئی ہے ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔'' وہ اب باری باری سب سے ہاتھ ملا رہے تھے۔

''چلو تم لوگ۔'' انہوں نے کہتے ہوئے غصے سے عنایہ کو دیکھا جس کا رنگ مزید سفید پڑ گیا تھا۔

راحت صاحب کے ساتھ ان تینوں نے بغور یہ منظر دیکھا تھا۔

☆☆☆

سعدیہ بھابھی کو سن کر اتنی حیرت ہوئی تھی کہ کتنی دیر تک وہ کچھ بول ہی نہیں سکیں جبکہ سامنے بیٹھی عنایہ کی آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں ان کی حیرت اب

www.pklibrary.com

غصے میں بدل گئی تھی۔

''اس میں اب بھی اتنی ہمت ہے کہ تمہارے سامنے آسکے۔''

''بھابھی۔'' وہ دکھ سے بولی۔ ''وہ نہ صرف میرے سامنے آیا بلکہ اتنے ہجوم میں اس نے میرا ہاتھ بھی پکڑا۔ وہی بے خوفی اس کے چہرے پر تھی کہ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''عنایہ! تم بے وقوف ہو، تمہیں اسی وقت شور مچا دینا چاہیے تھا نہیں تو کم از کم تھپڑ مار دیتیں۔'' سعدیہ بھابھی نے مٹھیاں بھینچ کر غصہ کنٹرول کیا۔

''بھابھی! اس وقت مجھے لگ رہا تھا جیسے میرے وجود سے جان ختم ہوگئی ہے اسے دیکھ کر پانچ سال پہلے کے سارے منظر سامنے آنے لگے تھے۔ مجھے لگا میں بولی تو یہ پھر میری ذات کے پرخچے اڑا دے گا۔ ابھی سب لوگ اکٹھے ہوکر سنگ باری کریں گے۔''

اس کی آنکھوں سے دہشت جھلکنے لگی تھی۔ سعدیہ بھابھی نے بے اختیار اسے کندھوں سے تھاما تو وہ چونک کر انھیں دیکھنے لگی۔ انہوں نے اس کا سر چومتے ہوئے اسے ساتھ لگالیا۔

''میں نوید سے بات کرتی ہوں۔'' ان کے کہنے پر وہ تیزی سے سیدھی ہوئی۔

''نہیں بھابھی! بھائی بہت جذباتی ہیں اور اب میں کوئی مزید نقصان برداشت نہیں کرسکتی۔'' اس کے لہجے میں جو کھو دینے کا ملال تھا وہ جانتی تھیں

''پھر نبیل سے بات کروں کہ وہ سونیا سے بات کرے، یہ سب کیا دھرا سونیا کا ہے ورنہ اسے الہام ہوگا تم کہاں ہو۔''

''کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ دل گرفتی سے بولی۔

''سونیا بھابھی کبھی اپنی غلطی نہیں مانیں گی الٹا مجھے جھوٹا بنا دیں گی، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بھابھی!'' اس نے بے بس ہوکر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔

''عنایہ! تم پریشان نہ ہو میں ابھی زندہ ہوں اور حقیقت کیا ہے۔ میں سب جانتی ہوں۔ میں اب تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے پرسوچ انداز میں دیوار کو دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

''بھائی صحیح کہتے ہیں انسان کو اتنا بزدل بھی نہیں ہونا چاہیے۔ پتا نہیں میں اتنا کیوں ڈر جاتی ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوئے خود کلامی کی۔

''یہ دوسری دفعہ ہے جب میں نے انکل کو اگنور کیا ہے وہ کیا سوچتے ہوں گے میرے بارے میں، میں کتنی بدتمیز ہوں۔ وہ مجھ سے اتنی شفقت سے پیش آتے ہیں اور میں نے ایسے ری ایکٹ کیا جیسے میں انہیں جانتی نہیں۔''

''اف!'' اس کا دل چاہا اپنا ماتھا پیٹ لے۔

''وہ اب پارک بھی نہیں آتے۔'' وہ ٹیرس کے دروازے کے پاس کھڑی ہوکر پارک میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگی۔ ان کی مخصوص بینچ پر کوئی نہیں تھا۔

''یقیناً وہ مجھ سے ناراض ہوں گے۔'' وہ اور پریشان ہوگئی۔

''مجھے انکل کے گھر جانا چاہیے۔'' وہ کمرے میں دائیں بائیں چلتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی۔ تب ہی سعدیہ بھابھی اندر داخل ہوئی تھیں۔

''عنایہ! تمہارے بھائی کا فون آیا تھا شام کو سوسائٹی کے کلب میں کوئی پارٹی ہے وہاں جانا ہے ہم کو۔''

''بھابھی! پلیز آپ کو پتا ہے مجھے یہ پارٹی وارٹی پسند نہیں آپ چلی جائیں۔''

''میں تو جاؤں گی ہی لیکن تم بھی ساتھ چل رہی ہو سبین بھی جا رہی ہے اور تمہارے بھائی تمہیں بالکل بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے اور میں بھی اس کے حق میں نہیں۔''

وہ قطعی انداز میں بولیں تو عنایہ ان کا منہ دیکھنے لگی۔ اس کا لٹکا منہ دیکھ کر سعدیہ کو ہنسی آئی تھی۔

www.pklibrary.com

"آدم بیزار لڑکی! لوگوں سے ملا کرو اس طرح اندر چھپ کر زندگی آگے نہیں بڑھتی اور جہاں تک حماد کی بات ہے۔ وہ اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لیے اس کا خیال دماغ سے نکال دو۔" ان کے کہنے پر اس نے گہرا سانس لیا۔

"اور پھر سے کہہ رہی ہوں اچھے سے تیار ہونا۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"اس سے جو بھی ہوگا۔ تمہیں پتا چل جائے گا۔" ان کا مطلب سمجھ کر وہ سر جھٹکتی ہوئی باتھ روم میں آ گئی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے غور سے اپنا چہرہ دیکھا۔

"خوب صورت چہرہ اچھی قسمت کی ضمانت نہیں ہوتا۔" یہ بات شاید اسی کے لیے تھی۔

"اچھے کپڑوں سے کچھ نہیں ہوتا بھابھی! جب دل مردہ ہو گیا ہو۔" وہ دل میں ان سے مخاطب ہوئی اور نل کھول کر چہرے پر پانی ڈالنے لگی۔

☆☆☆

ہال میں داخل ہوتے ہی تیز میوزک نے ان کا استقبال کیا تھا۔ چاروں طرف لوگوں کا ہجوم دیکھ کر وہ نروس ہونے لگی تھی۔ جبکہ اس کے برعکس بھابھی اور سبین خوش تھے۔ کیونکہ وہ ان پارٹیوں کے عادی تھے جبکہ وہ پہلے بھی سوشل نہیں تھی لیکن پانچ سال سے وہ بالکل تنہائی پسند ہو کر رہ گئی تھی۔

"ارے نوید کیسے ہو۔" تب ہی دائیں طرف سے آتی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا جہاں کوئی بھائی کا ہم عمر ان سے گلے مل رہا تھا اس نے بھائی کو مسکراتے دیکھا یعنی وہ شخص بھائی کی گڈ بک میں تھا۔

"یہ عرفان ہے میرا کولیگ اور دوست۔" وہ اس شخص کا تعارف کروا رہے تھے تھوڑی دیر بعد وہ لوگ اس ٹیبل کی طرف جا رہے تھے جہاں عرفان صاحب کی بیوی اور بیٹا بیٹھے تھے وہ لوگ کافی بے تکلف تھے اور باتونی بھی سب شامل گفتگو تھے بس وہی خاموشی سے اردگرد دیکھ رہی تھی۔

"عنایہ لگتا ہے بور ہو رہی ہے۔" عرفان صاحب کے کہنے پر اس نے بے ساختہ نوید بھائی کی طرف دیکھا جو سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جیسے اس نے ان کے مہمانوں کی شان میں گستاخی کر دی ہو۔

"نہیں ایسی بات نہیں میں آپ کو سن رہی تھی۔" وہ بمشکل مسکرائی اور سامنے رکھا کوک کا گلاس اٹھا لیا۔

وہ سامنے دیکھ رہی تھی لیکن دھیان بار بار بھٹک رہا تھا۔ وہ بے آرام سی تھی وجہ سامنے بیٹھے شخص کی نظریں تھیں۔ عرفان صاحب کا بیٹا مسلسل اسے گھور رہا تھا۔ اس نے ایک دو دفعہ غصیلی نظر ڈالی بھی لیکن وہ ڈھیٹ ثابت ہوا تھا۔ نوید بھائی نے اس سے کچھ پوچھا وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے گہرا سانس لیا۔ تب ہی اسے کچھ دور ٹیبل پر راحت انکل کا گمان ہوا تھا اس نے گردن اٹھا کر اپنے شک کی تصدیق کرنا چاہی اور یقین ہونے پر وہ ساتھ بیٹھی سعدیہ کی طرف مڑی۔

"بھابھی وہاں راحت انکل بیٹھے ہیں میں ذرا ان سے مل آؤں۔"

"ہاں جاؤ۔"

"وہ بھائی۔" وہ آہستہ سے بولی تو سعدیہ نے آہستہ سے نوید کے کان میں کچھ کہا تب ہی انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"السلام علیکم!" کی آواز پر راحت صاحب نے مڑ کر دیکھا اور عنایہ پر نظر پڑتے ہی وہ بے ساختہ کھڑے ہوئے تھے۔

"ارے میری بیٹی بھی آئی ہے۔ آؤ بیٹھو۔" وہ ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اکیلی آئی ہو؟" وہ اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"نہیں، سب ہیں اور آپ۔" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی کیونکہ وہ اکیلے بیٹھے تھے۔

"سب ہی آئے ہیں لیکن سب کے فرینڈز ہیں

www.pklibrary.com

انہی سے مل رہے ہوں گے۔" کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں انکل۔" اس کے سوال پر وہ حیران ہوئے۔

"میں کیوں اپنی بیٹی سے ناراض ہوں گا؟"

"پھر آپ اتنے دن پارک کیوں نہیں آئے۔"

"میں شہر میں نہیں تھا نوید کو پتا تھا پر تمہیں کیوں لگا میں ناراض ہوں۔"

"میں اس دن فوڈ سینٹر میں آپ سے ٹھیک طرح سے ملی بھی نہیں اس دن میں پریشان تھی اور بھائی کا موڈ بھی خراب ہو گیا تھا۔ تو میں ایسے ہی چلی گئی۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے اپنی کیفیت بیان کرے۔

"ہاں میں نے دیکھا تھا اور مجھے عجیب لگا تھا اس میں نوید کو موڈ آف کرنے کی ضرورت نہیں تھی انسان کا پاؤں سلپ ہو جاتا ہے۔"

"نہیں ان کی غلطی نہیں مجھے دھیان سے چلنا چاہیے تھا۔" راحت صاحب اسے دیکھ کر رہ گئے۔ تب ہی حفصہ کے ساتھ ذیشان آیا تھا۔

"عنایہ! یہ میرا بڑا بیٹا ذیشان اور اس کی وائف حفصہ اور یہ عنایہ۔"

"ہم جانتے ہیں انکل! کیسی ہو عنایہ؟" حفصہ خوش دلی سے اس سے ملی۔

"ڈیڈی بہت ذکر کرتے ہیں آپ کا۔" ذیشان بھی مسکراتے ہوئے بولا۔

"ماں کہاں ہے تمہاری؟" رحمت صاحب نے ذیشان سے پوچھا۔

"وہ نگہت آنٹی کے ساتھ کھڑی ہیں۔" اس نے میرون جوڑے میں کھڑی عورت کی طرف اشارہ کیا وہ مسکرا کر انہیں دیکھ رہی تھی جب اسے اپنے قریب کسی کے کھڑے ہونے کا احساس ہوا اس نے گردن گھما کر دیکھا اور کچھ پل کے لیے وہ نظریں نہیں ہٹا سکی۔ جبکہ سامنے کھڑا شخص اس کے یوں دیکھنے پر مسکرا دیا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے تم۔" ذیشان کے کہنے پر وہ یونہی مسکراتا ہوا بالکل اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ عنایہ ابھی بھی حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ افنان ہے میرا دوسرا بیٹا۔" انکل کے تعارف کروانے پر وہ بڑے ادب سے جھک کر سلام بجا لایا جبکہ اس نے تیزی سے نظروں کا زاویہ بدلا۔

"لگتا ہے مس عنایہ نے مجھے پہچانا نہیں۔ حالانکہ ہم پہلے مل چکے ہیں کیوں مس عنایہ؟" وہ تھوڑا سا آگے ہو کر اسے دیکھنے لگا جو اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

"ڈیڈی! یہ وہی لڑکی ہے جس نے ٹکر مار کر میری چیزیں گرا دی تھیں بلکہ اتنی زور سے میرے سینے پر ٹکر ماری کہ ابھی تک درد نہیں جا رہا۔" کہنے کے ساتھ اس نے سینے پر ہاتھ بھی رکھا تو عنایہ نے بے ساختہ اسے دیکھا۔

"آپ کو زیادہ زور سے لگی تھی۔" اس کے پریشان انداز پر افنان نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

"ایسی ویسی، اس ٹکر کی وجہ سے میں جوانی میں مریض دل ہو گیا ہوں۔" عنایہ کے تاثرات ایسے ہو گئے تھے جیسے اب روئی تب روئی۔ راحت صاحب نے افنان کی شکل دیکھی اور افسوس سے سر ہلایا۔

"عنایہ ایسا کچھ نہیں، مذاق کر رہا ہے۔" ان کے کہنے پر عنایہ نے پھر اسی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ڈیڈی کو کیا پتا درد تو مجھے ہوتا ہے۔" وہ مظلوم بن کر بولا۔

"آئے ایم سوری میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے اسے صفائی دے۔

"بس بھی کرو افنان۔" عنایہ کا چہرہ دیکھ کر ذیشان کو ٹوکنا پڑا۔ کیونکہ اس کی آنکھ میں چمکتے آنسو صاف نظر آ رہے تھے راحت صاحب نے آنکھ سے

www.pklibrary.com

حفصہ کو اشارہ کیا تھا۔

"آؤ عنایہ! ذرا ریفریشمنٹ میں دیکھتے ہیں۔ کیا ہے مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔" عنایہ تیزی سے اٹھی تھی۔

"ریلیکس یار! افنان مذاق کر رہا تھا۔" حفصہ نے پیار سے اس کا بازو سہلایا تو وہ مسکرا دی۔

"یہ لڑکی کون تھی۔" نائلہ نے بیٹھتے ہوئے پوچھا جبکہ نظر عنایہ پر تھیں۔

"یہ عنایہ تھی ماما!" جواب ذیشان کی طرف سے آیا تھا۔

"یہ عنایہ تھی۔" وہ حیران ہو کر بولیں "میں تو سمجھی تھی" وہ کہہ کر رکیں "یہ تو بہت چھوٹی ہے۔"

"تم کیا سمجھ رہی تھیں۔" راحت صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"آپ جو دن رات ایک ہی لڑکی کا ذکر کرتے تھے اور نگہت بھی بتا رہی تھی آپ کتنی کتنی دیر پارک میں واک کرتے ہیں اس لڑکی کے ساتھ، میں سمجھی پتا نہیں کیا چکر ہے۔"

راحت صاحب نے افسوس سے انہیں دیکھ کر اپنے دونوں بیٹوں کو دیکھا۔

"ماما! آپ آنٹی نگہت سے دوستی ختم کر دیں، نہیں تو کسی دن وہ ڈیڈی کے ساتھ آپ کی شادی ختم کروا دیں گی۔ میں بچپن سے دیکھ رہا ہوں ہر تھوڑے دن بعد وہ ڈیڈی کا کوئی نیا افیئر آپ کو سناتی ہیں جو ڈیڈی کو بھی پتا نہیں ہوتا۔" افنان نے کافی سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"مجھے پتا ہے، کیا لگتا ہے نگہت آنٹی، ماما کو ڈیڈی کے خلاف اس لیے بھڑکاتی ہیں کہ ماما ڈیڈی سے علیحدہ ہو جائیں اور ان کی جگہ نکل آئے، آفٹر آل کسی زمانے میں انہیں ڈیڈی پر کرش تھا۔" ذیشان دور کی کوڑی لایا تھا۔

"بالکل صحیح کہہ رہے ہیں بھائی آپ!" افنان آنکھیں پھیلا کر بولا۔ جبکہ نائلہ کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں چھا گئیں۔

راحت صاحب نے مسکرا کر اپنے ذہین بیٹوں کو دیکھا۔

"ڈیڈی! ماما کو آپ سے پیار نہیں اور آنٹی کو دیکھیں، آپ کو پانے کے لیے کتنی کوشش کر رہی ہیں۔ بہتر ہے آپ ان سے نکاح کر لیں۔ ویسے بھی انہیں بیوہ ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں۔ بے چاری اکیلی اکیلی بھی لگتی ہیں۔" ذیشان نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

"اور ڈیڈی! ماما نگہت آنٹی سے پیار بھی کرتی ہیں اور آپ ایک ٹائم میں دو بیویاں آسانی سے افورڈ کر سکتے ہیں۔"

اب کے افنان کے بولنے پر نائلہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"حد ہوتی ہے کب سے فضول بکے جا رہے ہو تم دونوں کو شرم نہیں آتی اس عمر میں باپ کی شادی کرواتے ہوئے۔"

"تو آپ کو کون سا لحاظ آتا ہے اس عمر میں میرے باپ پر جھوٹے افیئر کے الزام لگاتے ہوئے۔" افنان دوبدو بولا تھا۔ وہ جو راحت صاحب کے ماضی کی ایک حقیقت کو لے کر اب تک ان پر الزام لگاتی اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے میں خود کو حق بجانب بھی سمجھتی رہیں انہیں پتا ہی نہیں چلا کہ ان کے اس رویے کی وجہ سے نہ صرف ان کا شوہر بلکہ بچے ان کے بارے میں کیا رائے رکھ رہے ہیں۔ آج جس طرح ذیشان اور افنان نے انہیں آئینہ دکھایا تھا وہ اس میں اپنی صورت دیکھ کر شرمندہ ہو گئی تھیں۔

ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ذیشان نے افنان کو اشارہ کر کے مزید کچھ بولنے سے روک دیا تھا۔ تب ہی حفصہ پلیٹ لے کر واپس آ گئی تھی۔

"عنایہ کدھر ہے؟" راحت صاحب کے پوچھنے پر حفصہ نے آنکھوں سے سامنے اشارہ کیا۔ جہاں وہ تین لوگوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

"یہ تو عرفان صاحب کی فیملی ہے۔" راحت صاحب نے بغور دیکھنے کے بعد کہا۔

www.pklibrary.com

"لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ عنایہ کو کیوں گھیرے کھڑے ہیں۔ وہ آنٹی ایسے عنایہ کا انٹرویو لے رہی تھیں جیسے اپنے بیٹے کا رشتہ کرنا ہو۔" حفصہ کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

"ہو سکتا ہے انہیں عنایہ پسند آئی ہو کیونکہ عرفان صاحب اپنے بیٹے کا رشتہ ڈھونڈ رہے تھے۔"

راحت صاحب بتا کر اپنے سامنے رکھی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئے جبکہ افنان نے چونک کر وہاں دیکھا جہاں وہ کھڑی تھی۔

نوید بھائی کے اٹھنے پر اس نے شکر ادا کیا تھا۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے اس ٹیبل کی طرف دیکھا جہاں راحت صاحب بیٹھے تھے وہ ٹیبل خالی تھی۔ اس نے افسوس سے اردگرد متلاشی نظروں سے دیکھا لیکن شاید وہ جا چکے تھے۔ عرفان صاحب کے بیٹے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر آ کر کار میں بیٹھ گئی اور نوید بھائی کے ساتھ بھابھی اور سبین کو آتا دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا۔

"نوید! گھر جانے سے پہلے ذرا گروسری اسٹور پر رکیے گا۔"

نوید نے غصے سے انہیں دیکھا۔ "یہ چیزیں تم پہلے نہیں لے سکتی تھیں۔"

"کس وقت لیتی شام کو آپ آئے تو ہم ادھر آ گئے ویسے بھی زیادہ دیر نہیں لگے گی صبح ناشتے کے لیے بریڈ، دودھ اور انڈے لینے ہیں۔"

نوید بھائی کا منہ پھولا ہوا تھا لیکن وہ چلے گئے تھے۔ عنایہ نے رشک بھری نظروں سے بھابھی کو دیکھا جو کتنے آرام سے بھائی کا غصہ برداشت کر لیتی تھیں۔

"ہیلو!" اچانک شیشے کے پاس آ کر کسی نے کہا تھا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اسے جھٹکا لگا تھا۔ وہ بے ساختہ پیچھے ہٹی اور ساتھ بیٹھی سبین سے ٹکرا گئی اس نے مضبوطی سے اس کا بازو تھاما تھا جس کا مطلب تھا وہ بھی اسے پہچان گئی تھی۔

"کیسی ہو عنایہ۔" وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" نوید بھائی کی آواز پر جہاں وہ مڑا تھا وہیں اس کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

"تم!" اس کے مڑتے ہی نوید بھائی اتنے حیران ہوئے کہ بول ہی نہیں سکے۔

"کیسے ہو نوید بھائی۔" اس نے مسکرا کر مصافحہ کے لیے ہاتھ ان کی طرف بڑھایا جسے ایک نظر دیکھ کر نوید صاحب نے نظر انداز کر دیا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو۔" وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولے۔

"وہی جو آپ کر رہے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا لیکن نوید صاحب کے ماتھے پر نظر آتے بلوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"میں یہاں شاپنگ کرنے آیا تھا آپ نظر آ گئے تو سوچا سلام دعا کر لوں۔"

"ہنہ۔" نوید صاحب نے طنزیہ انداز میں ہنکارا بھرا "تم میں اب بھی ہمت ہے کہ ہمارا سامنا کر سکو۔ اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو تم بہت ہی ڈھیٹ اور بے شرم آدمی ہو۔"

"آپ جو بھی مجھے کہہ دیں مجھے برا نہیں لگے گا۔ مجھے پتا ہے کہ غلطی میری ہے اور میں اس غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"غلطی!" نوید صاحب نے غصے سے دہرایا۔

"گناہ کیا ہے تم نے اور اس گناہ کا کوئی کفارہ نہیں۔"

"ہر گناہ کا کفارہ ہوتا ہے نوید بھائی اور اس گناہ کا کفارہ ہے۔ آپ مجھے موقع تو دیں۔ میں عنایہ سے بہت محبت کرتا ہوں میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

نوید صاحب کا دماغ جیسے الٹ گیا تھا۔ انہوں نے طیش کے عالم میں اسے گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی ایسی بے ہودہ بکواس کرنے کی، بے شرم تو تم پہلے بھی تھے اب بے غیرت بھی ہو گئے ہو۔"

"نوید چھوڑیں، اسے تو اپنی عزت کی پروا

www.pklibrary.com

نہیں۔ آپ ہی کچھ خیال کرلیں۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔" سعدیہ نے نوید کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچتے ہوئے کہا۔

"دور رہو ہم سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

انہوں نے انگلی اٹھا کر جیسے اسے وارن کیا تھا لیکن وہ ان کی دھمکی کے جواب میں مسکرا رہا تھا۔ نوید صاحب نے اندر بیٹھتے ہوئے زور سے دروازہ بند کیا اور جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ اب بھی وہیں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اتنا گھٹیا آدمی میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔ اس کی وجہ سے ہم اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آئے تھے تاکہ کسی کو پتا نہ چلے۔ پھر اسے کیسے پتا چلا؟"

وہ غصے سے بولتے ہوئے سعدیہ کو دیکھنے لگے اور سعدیہ نے عنایہ کی طرف دیکھا جس نے سرگوشی میں ہلا کر انہیں منع کیا تھا۔

"اور یہ ذلیل پاکستان سے دفع ہو گیا تھا پھر واپس کب آیا؟" ان کے پاس سوالوں کی لمبی قطار تھی لیکن ان کو جواب کون دیتا۔

"مجھے اس کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔" سعدیہ بھابھی نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ نوید صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اب کیا کر سکتا ہے جتنا ہمارا برا کرنا تھا وہ کر چکا ہے، اس سے زیادہ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔" کہنے کے ساتھ انہوں نے بالکل خاموش بیٹھی عنایہ کا چہرہ دیکھا۔ دوسری نظر انہوں نے سبین پر ڈالی۔

"تم رشتے والی سے کہو، جتنی جلدی ہو سکے کوئی اچھا رشتہ بتائے میں اب مزید کوئی رسک نہیں لینا چاہتا کچھ عرصہ بعد ہمیں سبین کی شادی کرنی ہے۔ میں نہیں چاہتا سبین کے لیے کوئی مسئلہ پیدا ہو۔"

نوید صاحب کے کہنے پر عنایہ جو اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہی تھی اپنے بھائی کو دیکھنے لگی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہے تھے عنایہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"یا اللہ ابھی میرے کتنے امتحان باقی ہیں۔"

☆☆☆

وہ پائپ لیے کیاریوں میں پانی دے رہا تھا ساتھ گاہے بگاہے راحت صاحب کو بھی دیکھ رہا تھا جو بہت انہماک کے ساتھ کتاب پڑھ رہے تھے۔

اس نے منہ بنا کر ہاتھ پر بندھی گھڑی کو دیکھا جہاں شام کے چھ بج رہے تھے، وہ پائپ کیاری میں رکھ کر راحت صاحب کے پاس آ گیا۔

"ڈیڈی آپ آج کل واک پر نہیں جا رہے۔" چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اس نے سرسری سا انداز اختیار کیا۔

"دو دن ہی تو ہوئے ہیں نہیں جا رہا ورنہ روز جاتا ہوں۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"کیونکہ میں سوچ رہا تھا۔ میں بھی آپ کے ساتھ واک پر چلتا۔"

"ٹھیک ہے تھوڑی دیر میں چلتے ہیں۔"

"پھر کیا فائدہ۔" وہ بڑبڑایا۔

"کچھ کہا۔" وہ غور سے اسے دیکھنے لگے۔

"کچھ نہیں بس سوچ رہا تھا آج کل عنایہ بھی واک پر نہیں آ رہی۔"

"تمہیں کیسے پتا؟" وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ "ایک پل کے لیے وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

"اندازاً کہہ رہا ہوں، وہ نہیں آ رہی ہوگی اسی لیے آپ بھی نہیں جا رہے۔"

"ہم پلاننگ کر کے واک کرنے نہیں نکلتے۔" وہ کہہ کر دوبارہ کتاب میں گم ہو گئے۔ تو افنان منہ بسور کر رہ گیا تب ہی راحت صاحب کے موبائل کی بیل بجی تھی وہ موبائل کان سے لگا کر کھڑے ہو گئے جبکہ وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا اور ان کی رکھی ہوئی کتاب اٹھالی جب وہ فون سن کر واپس آئے تو کسی گہری سوچ میں تھے۔

"خیریت ہے ڈیڈی؟"

"ہاں خیریت ہی ہے۔ وہ عرفان صاحب کا فون تھا۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟"

www.pklibrary.com

"میں نے بتایا تھا نا وہ اپنے بیٹے کا رشتہ ڈھونڈ رہے تھے۔ انہیں عنایہ پسند آئی ہے کہہ رہے تھے آپ کے اچھے تعلقات ہیں۔ اس سے پہلے ہم رشتہ لے کر جائیں۔ آپ بات کر دیں۔"

"پھر؟" وہ سنجیدگی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"پھر کیا.....؟ کروں گا بات نوید سے، اچھا لڑکا ہے ویل سیٹلڈ ہے عنایہ کے لیے اچھا رہے گا۔"

کہہ کر انہوں نے افنان کی طرف دیکھا جو تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"ڈیڈی آپ کو میں نظر نہیں آتا؟"

"مطلب؟" وہ حیران ہوئے۔

"ایک غیر آدمی کا رشتہ لے کر آپ جا رہے ہیں۔ اچھا لڑکا ہے عنایہ خوش رہے گی۔ کیا آپ کا بیٹا اچھا نہیں یا میں عنایہ کو خوش نہیں رکھ سکتا۔"

وہ اتنے حیران ہوئے کہ کتنی دیر تک بول نہیں سکے۔

"افنان تم سیریس ہو؟"

"ڈیڈی! آپ کو لگتا ہے میں مذاق کر رہا ہوں۔" وہ برا مان کر بولا۔

"کب سے آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن آپ کو اپنا بیٹا نہیں دوسروں کا نظر آ رہا ہے۔" وہ قدرے ناراضی سے بولا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"تم نہیں جانتے افنان! مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے یہ سن کر۔"

"اگر آپ کی یہی خوشی تھی تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔"

"عنایہ میری بہو بنتی، یہ میری خوشی تھی لیکن مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ اس میں تمہاری بھی خوشی ہے۔ میں اپنی مرضی تھوپ کر تمہاری زندگی خراب کرنا چاہتا تھا نہ عنایہ کی۔ تم جانتے ہو، میں نے کبھی تم دونوں بھائیوں کو کسی بات سے منع نہیں کیا۔ ذیشان نے بھی جب حفصہ سے شادی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے تمہاری ماں کی مخالفت کے باوجود پوری طرح اس کی حمایت کی تھی کیونکہ مجھے میرے بیٹے کی خوشی عزیز تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا وہ ماں کے کہنے پر شادی کر لے اور پھر ساری زندگی سمجھوتے کے تحت گزار دے۔"

وہ شاید بات کرتے کرتے اپنی ماضی میں چلے گئے تھے۔ "خیر۔" پھر سر جھٹک کر مسکرائے۔ "میں آج ہی نوید کی طرف جاتا ہوں۔ عرفان صاحب کا میسج بھی دے آتا ہوں اور تمہاری بات بھی کر آتا ہوں پھر جو اللہ کو منظور۔"

"ڈیڈی!" وہ تقریباً چیخا تھا "یہاں عرفان صاحب کا کیا ذکر ہے؟"

"بیٹا! بات تو مجھے کرنی پڑے گی۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ مجھے پتا ہے کیا کرنا ہے لیکن اپنی ماں کا کیا کرو گے وہ نیا بکھیڑا کھڑا کر دے گی۔"

"کیوں؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"وہ جانتی ہے، عنایہ مجھے پسند ہے اور میری پسند سے اختلاف کرنا اس کا اولین فرض ہے۔"

"وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ بس انکار نہیں ہونا چاہیے۔" راحت صاحب نے بغور بیٹے کی شکل دیکھی۔

"بات اتنی آگے چلی گئی مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ ابرو اچکا کر بولے تو وہ مسکرا دیا۔

"دوسری طرف بھی ایسی سچویشن ہے؟" ان کو پوچھنے پر وہ سر کھجانے لگا۔

"مجھے نہیں لگتا۔" اس کے کہنے پر وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

مہمان جا چکے تھے۔ لیکن وہ اب تک الجھن کا شکار تھی۔ کیونکہ آنے والے مہمان راحت انکل تھے۔ لیکن الجھن کی وجہ ان کا آنا نہیں تھا۔ بلکہ اس سے ملے بغیر چلے جانا تھا۔

وہ برتن دھو رہی تھی جب سبین اندر آئی اور آتے ہی اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں، اس کے لاڈ پر وہ مسکرا دی تھی۔

www.pklibrary.com

"آپ کے لیے گڈ نیوز ہے۔"

"اچھا!" وہ مسکرا کر اس کی طرف مڑی اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ کا پروپوزل آیا ہے وہ بھی ایک نہیں دو۔" وہ پرجوش انداز میں بتا کر عنایہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ لیکن اس کی توقع کے برعکس اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔

"کیا ہوا پھوپھو آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔"

"کیا یہ خوشی والی بات ہے۔" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"بالکل خوشی والی بات ہے۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولی۔

"چلیں آپ کو پاپا بلا رہے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟" وہ پریشانی سے اپنا بازو چھڑواتے ہوئے بولی۔

"پھوپھو!" سبین نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"ڈرنے والی کیا بات ہے۔ پاپا نے بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔ کھا نہیں جائیں گے آپ کو۔" وہ خوشی خوشی آئی تھی لیکن اب اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

"سبین!" اس نے پیار سے اس کا گال چھوا۔

"کیا پھوپھو! میں اتنی خوش ہوں اور آپ ایسے پریشان ہیں جیسے شادی نہیں پھانسی کی سزا ملنے والی ہو۔"

"سب جاننے کے باوجود تم ایسا کہہ رہی ہو۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"گزر گیا پاسٹ پھوپھو سب بھول جائیں۔" وہ چھوٹی ہو کر اسے سمجھا رہی تھی وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

کافی دیر خاموشی کے بعد نوید بھائی نے گلا کھنکھار کر بات کا آغاز کیا تھا۔

"ماضی میں جو ہوا نہ میں اسے یاد کرنا چاہتا ہوں اور نہ اس بات کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ عرفان صاحب نے اپنے بیٹے کا رشتہ دیا ہے اور راحت صاحب بھی اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔ دیکھا جائے تو دونوں ہی اچھے ہیں۔ میرا خیال تھا عرفان صاحب کا بیٹا ٹھیک رہے گا کیونکہ وہ امریکہ سیٹل ہے اور تمہیں بھی ساتھ لے جائے گا یہاں سے اور یہاں کے لوگوں سے تمہارا واسطہ نہیں رہے گا۔ لیکن تمہاری بھابھی کا خیال ہے۔ راحت صاحب کا بیٹا ٹھیک رہے گا کیونکہ راحت صاحب تمہیں بیٹیوں کی طرح چاہتے ہیں۔ اب تم بتاؤ تمہیں کیا ٹھیک لگتا ہے۔" ان کے خاموش ہونے پر اس نے جھکی نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"بھائی میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"کیوں؟" وہ ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ دوبارہ سر جھکا گئی۔

"کیا کوئی اور تماشا لگوانا چاہتی ہو تم؟" ان کے پوچھنے پر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"نوید!" سعدیہ نے بے اختیار انہیں ٹوکا تھا تو انہوں نے گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔

"دیکھو کبھی نہ کبھی شادی کرنی ہے۔ شاید میں کچھ دیر اور اس بات کو نظر انداز کر دیتا لیکن اب جب میں نے اس منحوس حماد کی شکل دیکھ لی ہے اور بکواس بھی سن لی ہے، میں مزید کوئی رسک نہیں لے سکتا یہ تو اچھا ہے دونوں رشتے اچھے ہیں ورنہ میں اس وقت کسی سے بھی تمہاری شادی کرنے کو تیار ہوں۔"

اس نے دکھ سے سعدیہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"نوید مجھے لگتا ہے راحت صاحب والا پروپوزل ٹھیک رہے گا۔" سعدیہ کے کہنے پر نوید نے دوبارہ عنایہ کو دیکھا۔

"کیا آپ نے انہیں میرے بارے میں بتایا۔"

"نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔" نوید کے دو ٹوک انداز پر وہ ہکا بکا ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

"لیکن بھائی ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔" وہ زور دیتے ہوئے بولی۔

"جان کر جانتی ہو کیا ہو گا وہ کبھی پلٹ کر دیکھیں

www.pklibrary.com

گے بھی نہیں، وہ بات جو یہاں کوئی نہیں جانتا سب کو پتا چل جائے گی جو میں بالکل نہیں چاہتا۔ اس لیے تم بھی کوئی بات نہیں کروں گی اور سعدیہ تم بھی یہ دھیان رکھنا، عنایہ کے ماضی کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ ان سے کہہ دینا ہم نکاح سادگی سے کریں گے صرف ہماری فیملی ہوگی کوئی رشتہ دار نہیں ہوگا۔ حق مہر کی بھی بات پہلے کرنی ہے ہمیں ایک بڑی رقم حق مہر میں لکھوانی ہے جو عنایہ کی سیکورٹی کا کام کرے گی۔"

وہ کچھ اور بھی کہہ رہے تھے لیکن اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ ساری رات سو نہیں سکی۔ اس کا ضمیر یہ گوارا نہیں کر رہا تھا کہ وہ ایک شریف انسان کو دھوکا دے۔ جو شخص اس سے شادی کر رہا تھا اس کا حق تھا کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جانے پھر اس کی قسمت وہ اسے اپناتا ہے یا ٹھکرا دیتا ہے۔ اور بھائی حق مہر کی بات کر رہے ہیں۔ کیا ایک بڑی رقم اس کے پرسکون مستقبل کی ضمانت ہے جب اسے میری حقیقت پتا چلے گی تو کیا وہ حق مہر اسے طلاق دینے سے روک سکے گا۔

کتنے سوال تھے جو اس کے سامنے تھے۔ اسے یہ بھی پتا تھا بھائی اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اور بھابھی ان کے خلاف نہیں جائیں گی۔

"میں کیا کروں۔" اس نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔ اور صبح ہونے تک وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

اس نے بہت ہمت کر کے راحت صاحب کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ "السلام علیکم انکل!"

"عنایہ!" اس کی آواز پہچان کر وہ خوش بھی ہوئے تھے اور حیران بھی۔ "آج انکل کی یاد کیسے آ گئی؟" عنایہ نے زور سے آنکھیں میچ کر خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔

"انکل! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں بولو بیٹا۔"

"فون پر نہیں انکل....."

"خیریت ہے عنایہ؟" اب انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"جی خیریت ہے کیا آپ مجھ سے مل سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں میں گھر آ جاتا ہوں۔"

"نہیں انکل! بھائی اور بھابھی کو پتا نہیں چلنا چاہیے کہ میں نے آپ سے بات کی ہے۔" وہ ایک دم تیزی سے بولی تو راحت صاحب اب کچھ پریشان ہو گئے۔

"ٹھیک ہے میں گھر پر ہوں تم آ جاؤ۔" اس نے فون بند کر دیا تھا۔

پہلی بیل پر گیٹ کھل گیا تھا۔

"سب ٹھیک ہے عنایہ..... میں پریشان ہو گیا ہوں۔" انہوں نے کہنے کے ساتھ بغور اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا۔

اس کو خاموش دیکھ کر وہ اسے لان میں رکھی کرسیوں کی طرف لے آئے۔ موسم سرما کی آمد آمد تھی سورج کی تمازت جسم کو سکون بخش رہی تھی۔ راحت صاحب اس کے سامنے بیٹھے اس کے بولنے کے منتظر تھے۔

"کل آپ گھر آئے تھے۔" کہہ کر وہ رک گئی تھی جیسے الفاظ ڈھونڈ رہی ہو۔ راحت صاحب خاموشی سے اس کی جھکی نظروں کو دیکھ رہے تھے۔

"میرا پروپوزل لے کر بھائی چاہتے ہیں کہ آپ کو ہاں کہہ دی جائے لیکن....." وہ پھر رکی تو راحت صاحب نے گہرا سانس لیا۔

"لیکن تمہیں یہ رشتہ پسند نہیں۔" ان کے سنجیدہ انداز پر عنایہ نے جھٹکے سے نظریں اٹھائیں۔

"انکل میرے پاس یہ اختیار نہیں کہ میں کسی کو ریجیکٹ کروں بلکہ یہ اختیار آپ کے پاس ہے۔" اس کی مبہم باتوں سے راحت صاحب الجھ گئے تھے۔

"عنایہ بیٹا! اگر تم کھل کر بات کرو تو میرے لیے سمجھنا آسان ہو جائے گا۔"

www.pklibrary.com

"آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے انکل! میرا ایک ماضی ہے جس کا جاننا آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔ میری فیملی میرے ماضی کو آپ سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے جبکہ میں آپ کو کوئی دھوکا نہیں دینا چاہتی۔" پتا نہیں ایسی کیا بات تھی جس نے اس لڑکی کو ایک دن میں نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"میں....." وہ شروع میں ہی اٹک گئی تھی۔

"میں طلاق شدہ ہوں انکل! میری پہلے بھی شادی ہو چکی ہے۔" کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

اس ایک جملے کو بولنے کے لیے وہ ساری رات خود سے لڑتی رہی تھی۔ دوسری طرف راحت صاحب کو بھی جھٹکا لگا تھا۔ روتے روتے بولتے ہوئے وہ اپنا سارا ماضی ان پر افشا کر رہی تھی۔

"میری غلطی اتنی بڑی نہیں تھی انکل! لیکن میں قصور وار ٹھہری تھی۔ میری وجہ سے میرے اپنوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مجھے بس وہی یاد کروایا جاتا ہے میرے جسم اور میری روح پر جو زخم لگے ہیں۔ اس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں۔ میں نہیں چاہتی آپ کے ساتھ کچھ برا ہو۔ آپ اچھے ہیں یقیناً آپ کے بیٹے بھی اچھے ہوں گے اور وہ ایک اچھی لڑکی ڈیزرو کرتے ہیں۔"

ایک بوجھ تھا جو اس کے ضمیر سے اترا تھا۔

"طلاق اگرچہ بہت بری چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں میں سے ایک ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسا عیب نہیں کہ اسے زندگی کا روگ بنا دیا جائے یا اسے چھپایا جائے۔"

راحت صاحب کے کہنے پر وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"آپ کو بتایا نا انکل! بات طلاق کی نہیں بات جس طرح نکاح ہوا جس طرح مجھے لوگوں کے سامنے برا بنا کر پیش کیا گیا جس طرح میرے ساتھ سلوک ہوا اور جس طرح جن الفاظ کے ساتھ مجھے طلاق دی گئی۔ وہ بات چھپانے لائق ہے۔"

تین سال پہلے بھابھی نے میری شادی کی کوشش کی جب یہ بتایا جاتا ہے کہ میں طلاق یافتہ ہوں تو سب بھاگ جاتے ہیں اگر اس طلاق یافتہ کے لیے کوئی طلاق یافتہ یا ادھیڑ عمر یا بچوں والا آتا ہے تو ہمارے ہی رشتہ دار میرے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں وہ مڑ کر نہیں آتے۔ اسی لیے بھائی وہ شہر چھوڑ کر یہاں آ گئے جہاں ہمیں کوئی نہیں جانتا اور اب بھی آپ کو نہ بتانے کی وجہ یہی ہے کہ آپ انکار نہ کر دیں اور میں پھر ان کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لیے یہاں نہ رہ جاؤں۔"

کہہ کر وہ کھڑی ہوئی تھی۔

"امید ہے انکل یہ جان کر آپ مجھ سے نفرت نہیں کریں گے۔" راحت صاحب کی مسلسل خاموشی پر اسے جواب مل گیا تھا۔

"انکل بھائی آپ کو فون کریں گے۔ آپ انکار کرتے وقت کوئی بھی وجہ دے دیں لیکن میرا مت بتایئے گا کہ میں آپ کے پاس آئی تھی۔"

اسے پتا تھا کہ انجام یہ ہی ہوگا لیکن پتا نہیں کیوں اسے پھر بھی بہت رونا آ رہا تھا۔ وہ ان سے نظریں ملائے بغیر تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تبھی گیٹ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا دونوں ایک دوسرے پر نظر ڈالتے ہی چونک گئے تھے۔ اس سے پہلے وہ اس سے کچھ پوچھتا عنایہ تیزی سے اس کی سائیڈ سے نکلی تھی۔ وہ اسی حیرت سے راحت صاحب کی طرف آیا جن کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیں واضح تھیں۔

"سب ٹھیک ہے ڈیڈی؟" وہ کچھ حیران ان کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔"

"تو عنایہ کیوں آئی تھی۔"

"یہ بتانے آئی تھی کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ کہتے ہی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کیوں؟" وہ بے ساختہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ "کیا اسے کوئی اور پسند ہے؟" اس کے پوچھنے

www.pklibrary.com

پر انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔

"تو کیا میں اسے پسند نہیں؟"

"ایسی بات نہیں۔" وہ جھنجھلا کر بولے۔

"تو پھر کیا بات ہے۔" وہ بھی جھنجلا کر بولا۔

راحت صاحب کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے جیسے کچھ اندازہ لگانا چاہتے ہوں۔

"دنیا میں اور بھی بہت سی اچھی لڑکیاں ہیں۔ دنیا عنایہ پر تو ختم نہیں ہوتی۔" افنان جی بھر کر حیران ہوا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں ڈیڈی!" وہ خاموش تھے۔

"آخر ایسا کیا ہو گیا ہے مجھے بھی تو پتا چلے۔"

"یہ ٹاپک ختم ہو گیا افنان اب اس بارے میں بات نہیں ہوگی۔" وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ کر کھڑے ہو گئے لیکن اس نے ان کا بازو تھام کر انہیں روک لیا تھا۔

"میں وجہ جاننا چاہتا ہوں۔" راحت صاحب پھر سے کشمکش کی کیفیت لیے اسے دیکھنے لگے کہ اسے حقیقت بتائی جائے یا نہیں۔

"مجھے نہیں پتا ڈیڈی کیا بات ہے لیکن مجھے پتا ہونا چاہیے۔ مجھے کیوں ریجیکٹ کیا گیا ہے۔"

"اس نے تمہیں ریجیکٹ نہیں کیا، وہ بس تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ تمہیں کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی۔" وہ جو پتا نہیں کیا سننے کی امید کر رہا تھا گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"یہ اسے کیسے لگا اس کے ساتھ سے مجھے تکلیف ہوگی یا اس کا ساتھ میرا امتحان لے گا۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"اس کے گھر والوں کی بڑی بڑی شرائط ہیں۔ لاکھوں پر مشتمل ان کا حق مہر ہے۔ ہزاروں میں ماہانہ خرچ چاہیے، نکاح سادگی سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی پتا نہیں کیا گیا؟" وہ بیزاری سے بولے۔

"اس میں ٹینشن کیا ہے مجھے سب منظور ہے۔" وہ خوش دلی سے بولا راحت صاحب نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"یہ اتنا آسان افنان! تمہاری ماں کبھی نہیں مانے گی۔ ابھی تمہیں یہ معمولی لگ رہا ہے کل کو یہ باتیں تم لوگوں کے مابین وجہ تنازع بن سکتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا عنایہ کو کوئی تکلیف ہو۔ وہ بچی پہلے ہی بڑی مشکل سے گزری ہے۔" آخری بات انہوں نے خود کلامی کے انداز میں کی تھی۔

"ڈیڈی! مجھے عنایہ اتنی پسند ہے کہ اس کی خاطر میں سب ہینڈل کر لوں گا اس کی فیملی کو بھی اور اپنی ماما کو بھی۔" راحت صاحب نے اسے چونک کر دیکھا یہ تو وہ جانتے تھے وہ چیزوں کو آسانی سے ہینڈل کر لیتا تھا اب اگر وہ کہہ رہا تھا وہ ہینڈل کر لے گا تو وہ کر لے گا۔

"افنان! عنایہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بہت سادہ اور بہت پرخلوص۔ اس کی قدر کرنا اور اسے ہمیشہ اپنا مان دینا۔ تم پر بھروسا کر کے یہ رشتہ کر رہا ہوں۔ مجھے امید نہیں یقین ہے، تم مجھے عنایہ کے سامنے شرمندہ نہیں کرواؤ گے۔" افنان مزید حیران ہوا۔

"کیا ہو گیا ہے ڈیڈی! میں کون سی دنیا سے انوکھی شادی کرنے جا رہا ہوں، جو آپ اتنا ڈر رہے ہیں اور مجھے اس وقت لگ رہا ہے میں اپنے باپ کے سامنے نہیں، عنایہ کے باپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔" اب کے وہ ناراضی سے بولا تو راحت صاحب کھل کر مسکرائے تھے انہوں نے سوچ لیا تھا انہیں کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

وہ ابھی تک ایک شاک کے عالم میں بیٹھی اپنے سامنے بیٹھے شوہر اور بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

"مجھ سے پوچھے بغیر..... مجھے بتائے بغیر آپ میرے بیٹے کا رشتہ لے کر گئے۔ میری کوئی حیثیت ہے یا مجھے مرا ہوا سمجھ لیا تھا آپ نے؟" وہ شاک کی کیفیت سے نکل آئی تھیں اور غصے سے ان کی بری

www.pklibrary.com

حالت تھی۔

''رشتہ ابھی کون سا ہوگیا ہے جو تم اتنا آگ بگولہ ہورہی ہو۔ ابھی بات کی ہے۔ ان کی آمادگی ابھی ظاہر ہوئی ہے تو ظاہر ہے، بات تو اب ہوگی تم ماں ہو۔ تم ہی شگن کر کے آؤ گی۔'' راحت صاحب رسانیت سے بولے۔

''شگن.....'' وہ زہر خندہ انداز میں بولیں۔ ''جوتی جاتی ہے میری وہاں رشتہ لے کر وہ ہی لڑکی رہ گئی ہے۔ یتیم مسکین۔ سگے بھائی اس کو جہیز دینے کو تیار نہیں۔ بارات میں سو لوگ بلانے کی حیثیت نہیں اور حق مہر پچیس لاکھ..... کیا سرخاب کے پر لگے ہیں اس لڑکی میں۔ میری جوتی جاتی ہے وہاں رشتہ لے کر۔ ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ موجود ہے میرے شہزادے بیٹے کے لیے۔'' راحت صاحب نے ایسی نظروں سے افنان کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں میں نے کہا تھا نا۔

افنان نے خاموشی سے ماں کو دیکھ رہا تھا جب بولا تو اس کا انداز دوٹوک تھا۔

''میں فیصلہ کر چکا ہوں، میں عنایہ سے ہی شادی کروں گا۔''

''یہ سب تمہارے باپ کا کیا دھرا ہے جس میں تم بھی شامل ہوگئے ہو لیکن میں اس کا حصہ بالکل بھی نہیں بنوں گی۔'' افنان نے گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک ہے، آپ کی مرضی ہے۔''

''مطلب؟'' نائلہ کو جھٹکا لگا تھا۔

''میں آپ کو مجبور نہیں کرسکتا اور نہ زبردستی کرسکتا ہوں۔ جب آپ کو ماں ہو کر اپنے بیٹے کی خوشی کا احساس نہیں، یہاں بھی آپ کو ڈیڈی کے خلاف جا کر اپنی انا کو تسکین دینی ہے تو آپ کی مرضی ہے۔ لیکن یہ سوچ لیں کہ میں عنایہ کے سوا کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔''

''تم اس کے لیے جوگ لے لو گے؟'' اب کے نائلہ کی آواز میں پسپائی تھی۔

''میرا نہ ایسا ارادہ ہے نہ خواہش لیکن آپ مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہیں۔''

''افنان! تمہیں ہو کیا گیا ہے۔'' وہ اب کھڑی ہوگئی تھیں اور اس کے سامنے آگئیں۔ ''ایک عام سی لڑکی کے لیے تم اپنی ماں کے خلاف جا رہے ہو۔''

''وہ لڑکی میرے لیے خاص ہے ماما۔'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ اس کے لفظوں کی گہرائی اس کی آنکھوں میں محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے بے اختیار گہرا سانس لیا اور مڑ کر خاموش بیٹھے حفصہ اور ذیشان کو دیکھا۔

''تم دونوں کو بھی پتا تھا؟'' ان کے پوچھنے پر وہ دونوں جو مسکرا رہے تھے سٹپٹا کر سر نفی میں ہلانے لگے تو گھوم کر راحت صاحب کو دیکھنے لگیں۔

''پھر کب جانا ہے عنایہ کی طرف۔'' ان کے پوچھنے پر افنان نے بے ساختہ انداز میں انہیں بانہوں میں لے کر گھما ڈالا تھا۔

☆☆☆

اسے ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ اسے قبول کرلیا گیا تھا۔ وہ بھی اتنی عزت اور چاہت کے ساتھ۔ وہ مسکراتی نظروں سے بائیں ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھنے لگی۔

اگلے ہفتے اس کا نکاح تھا اور سب کچھ بھائی کی شرائط کے مطابق ہو رہا تھا۔ سب اس کی بات طے ہوجانے پر خوش تھے۔ اسے اس بات پر حیرت نہیں تھی حیرانی اس بات پر تھی کہ سونیا بھابھی خوش تھیں۔ ان کے اس رویے پر وہ حیران سے زیادہ پریشان تھی لیکن وہ اب کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی بس خوش ہونا چاہتی تھی۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے ایک چہرہ نظر آیا تھا۔

''افنان۔'' وہ دھیمے سے بولی تھی اور بند آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

''بھابھی! اتنا بھاری جوڑا۔'' عنایہ نے کام سے بھرے ہوئے لہنگے کو دیکھ کر بے ساختہ کہا تھا۔

''بھاری کہاں ہے؟'' سعدیہ بھابھی لاپروائی

www.pklibrary.com

سے بولیں۔ ''شادی ہو رہی ہے تمہاری۔''

''لیکن بھابھی! سادہ سا نکاح ہے، سادہ کا مطلب سمجھتی ہیں آپ۔''

''سمجھتی ہوں لیکن یہ فرمائش تمہارے ہونے والے شوہر کی طرف سے آئی ہے۔'' اور وہ جو انہیں منع کرنا چاہ رہی تھی چپ کی چپ رہ گئی۔

''کیوں..... کیا ہوا؟''

سعدیہ بھابھی نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا جو اب لہنگے کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''اگر پسند نہیں تو منع کر دیتی ہوں، بھائی صاحب یہ واپس رکھ لیں۔''

''نہیں، یہ ٹھیک ہے۔'' اس کے منع کرنے پر سعدیہ کھل کر مسکرائی تھیں۔

☆☆☆

''یہ سبین کہاں چلی گئی؟'' دوکان سے باہر نکل کر سعدیہ نے متلاشی نظروں سے اردگرد دیکھا جو انہیں ایک جیولری شاپ میں نظر آ گئی تھی۔

''میں نے فرحانہ سے بھی ٹائم لے لیا ہے۔'' انہوں نے اپنی دوست کا نام لیا جس کا بیوٹی پارلر تھا اسے منہ کھولتا دیکھ انہوں نے فوراً ٹوک دیا۔

''ہر وقت سادگی اچھی نہیں لگتی۔ اتنا اچھا لہنگا بغیر میک اپ کے پہنو گی اور ہاں مہندی دونوں ہاتھوں میں بھر بھر کے لگوانی ہے۔''

اس نے نروٹھے پن سے انہیں دیکھا تو وہ مسکرا دیں۔

''یہ بھی تمہارے ہونے والے شوہر کی فرمائش ہے۔'' اس کی مسلسل خاموشی پر سعدیہ نے موبائل سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' عنایہ نے مسکراہٹ روک کر سر نفی میں ہلایا۔

''یہ فرمائشیں کس وقت ہوتی ہیں؟'' کچھ دیر بعد وہ سعدیہ سے پوچھ رہی تھی۔

''جب وہ تم سے بات کرنے کے لیے فون کرتا ہے اور فون میں اٹینڈ کرتی ہوں۔''

''آپ نے مجھے نہیں بتایا۔'' ان کی شرارت پر وہ بے چینی سے بولی۔

''جان بوجھ کر نہیں بتایا کیونکہ میں تمہیں جانتی ہوں، اگر بات ہوتی تو تم انہیں اپنی ڈائیورس کے بارے میں بتا دیتیں، جو ہم نہیں چاہتے۔ یہ رشتہ شروع ہونے سے پہلے ختم ہو جاتا اور آج جو تمہارے چہرے پر اتنے سالوں بعد خوشی دیکھی ہے، وہ کیسے دیکھنے کو ملتی۔''

ان کی بات پر وہ مسکرا دی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھیں، سچ وہ بتا چکی ہے۔ اس لیے تو مطمئن ہے تب ہی سبین تیز تیز چلتی ان کی طرف آئی تھی۔

''کتنی دیر لگا دیتی ہیں ممی آپ کب سے آپ دونوں کا ویٹ کر رہی ہوں۔''

''کیوں بتایا تو تھا اس شاپ پر ہوں۔'' سعدیہ نے پیچھے اشارہ کیا۔

''وہ سونیا چچی بار بار فون کر رہی تھیں، انہیں بھی شاپنگ کرنی ہے، لوکیشن پوچھ رہی تھیں۔'' سعدیہ نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

''تو میں نے سینڈ کر دی۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔ عنایہ نے پریشانی سے سعدیہ کو دیکھا۔

''بھابھی! میں نہیں چاہتی سونیا بھابھی یہاں آئیں۔ مجھے ان کی نظروں سے خوف آتا ہے۔''

''تم پریشان نہ ہوں، میں اسے ہینڈل کر لوں گی۔ تم سبین کے ساتھ پارلر جاؤ، فرحانہ کا دو دفعہ فون آ چکا ہے۔''

''جی۔'' وہ سر ہلا کر مڑ گئی تھی۔

☆☆☆

''پھوپھو! آپ یہیں ویٹ کریں کیونکہ ممی نے یہی آنا ہے۔ میں کار لے کر یہیں آتی ہوں۔'' سبین کے کہنے پر اس نے سر ہلا کر اپنے دونوں ہاتھ دیکھے اور کتنی دیر تک اپنے ہاتھوں پر مہندی کے نقش و نگار کو دیکھ کر مسکراتی رہی۔

''بہت خوش لگ رہی ہو۔'' پیچھے سے آتی آواز وہ مڑے بغیر بھی پہچان گئی تھی۔ اس کے لب بھنچ گئے

www.pklibrary.com

اس نے ڈرتے ڈرتے پیچھے دیکھا اور اس کے دیکھنے پر وہ کھل کر مسکرایا تھا۔ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"شادی کر رہی ہو؟" اس کے سوال پر عنایہ نے اس طرف دیکھا جہاں سے سعدیہ بھابھی کو آنا تھا۔

"آج بھی تم مجھ سے نظریں نہیں ملاتیں اور آج بھی مجھے تمہاری آنکھوں میں دیکھنا اچھا لگتا ہے۔" عنایہ کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔

"ڈرو نہیں عنایہ! میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے نہیں آیا۔ بس یہ بتانے آیا ہوں، آج بھی میں تمہارا منتظر ہوں۔"

اب کی بار عنایہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

"یہ بات کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔"

"تم جانتی ہو، مجھے شرم نہیں آتی۔" وہ ڈھٹائی سے بولا تو عنایہ فٹ پاتھ سے نیچے اتر گئی۔ تب تک سعدیہ بھابھی تیز تیز چلتی ان تک پہنچ گئی تھیں۔

انہوں نے قہر بھری نظر حماد پر ڈالی، جواباً وہ مسکرایا تھا۔

"السلام علیکم بھابھی! کیسی ہیں؟ سنا ہے بڑے زور شور سے شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔" اس نے ان کے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا۔

"حماد! تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ ہمارے درمیان جو رشتہ تھا، ختم ہو چکا ہے بلکہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے سب کچھ تباہ کیا ہے۔ اب بچا کیا ہے جو بار بار آ جاتے ہو۔ چھوڑ دو عنایہ کا پیچھا، بخش دو ہمیں۔" سعدیہ بھابھی نے تنگ آ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ارے بھابھی! آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔" اس نے جیسے ان کی جھنجلاہٹ کا مزہ لیا تھا۔

"مجھے جتنی عنایہ کی شادی کی خوشی ہے، شاید اتنی عنایہ کو بھی نہیں ہوگی۔" اس نے ایک بھرپور نظر عنایہ پر ڈالی جو سامنے دیکھ رہی تھی۔ سعدیہ بھابھی نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ اور اس نے بھی جیسے ان کی نظریں پڑھ لیں۔

"میرا ذہنی توازن ٹھیک ہے ابھی تک بھابھی! ویسے عنایہ کا ممپریری ہسبنڈ کرتا کیا ہے۔"

"تمہیں مطلب؟" سعدیہ بھابھی غصے سے بولیں۔

"مجھے ہی تو مطلب ہے، خیر نہ بتائیں۔ یہ پتا کروانا میرے لیے کیا مشکل ہے۔" عنایہ بظاہر سامنے دیکھ رہی تھی لیکن اس کی باتیں سن کر اس کا دل کانپ رہا تھا۔ وہ شاید پھر اس کی خوشیاں چھیننا چاہتا تھا۔

"میری بات سنو حماد! کوئی فضول حرکت کرنے کی سوچنا بھی مت۔ اگر عنایہ کی شادی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا اس کا بھگتان سونیا کو بھگتنا پڑے گا۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا تھا۔

"بے فکر رہیں بھابھی! میں ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والا۔ ان شاء اللہ شادی خیریت سے ہوگی۔ میں صرف مبارک باد دینے آیا تھا۔" وہ ایک دم بات ختم کر کے مڑ گیا تھا۔

"یہ بالکل پاگل ہو گیا ہے۔" سعدیہ بھابھی بڑبڑا کر اس کی طرف مڑیں جس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"عنایہ! اب تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔ منہ کیوں نہیں توڑ دیتیں اس کا؟" سعدیہ کو اس کی بزدلی پر غصہ آیا تھا۔ عنایہ نے جب ان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

"بھابھی! جب میں اسے دیکھتی ہوں تو اس کا وہی چہرہ سامنے آتا ہے جو آپ نے نہیں دیکھا جو بہت خوف ناک ہے۔ مجھے اس کے پاگل پن سے ڈر لگتا ہے۔ آج بھی اپنے جسم پر وہ درد محسوس ہوتا ہے جو اس نے اپنے پاگل پن میں مجھے دیا تھا۔"

وہ ہاتھ میں لگی مہندی جس کو دیکھ کر وہ خوش رنگ خیالوں میں کھو گئی تھی۔ سب بھول گئی تھی وہی درد جاگ اٹھا تھا جس کے ساتھ وہ پچھلے پانچ سالوں سے جی رہی تھی۔

سعدیہ کو اپنے سخت لہجے پر افسوس ہوا تھا۔

www.pklibrary.com

"مجھے معاف کردو عنایہ! میں کچھ لمحوں کے لیے بھول گئی تھی جو تم پر گزرا ہے۔ لیکن میرے بچی! وہ باب ختم ہوگیا۔ اب نئی زندگی شروع ہونے والی ہے۔ اس کے بارے میں سوچو۔ اب وہ کچھ نہیں کرسکتا، وہ بس تمہیں پریشان کررہا ہے۔"

"لیکن بھابھی! وہ اس طرح کیوں کررہا ہے۔ ان سب باتوں کا کیا مقصد ہے۔ وہ کیوں واپس پاکستان آیا ہے۔" وہ بہت پریشان تھی۔

"تمہیں یاد ہے نا ایک دفعہ سونیا نے بتایا تھا کہ امریکا میں اس کا ٹریٹمنٹ چل رہا ہے اور تم نے بھی بتایا، وہ کتنا جنونی تھا۔ مجھے لگتا ہے اس کا مرض بڑھ گیا ہے، تب ہی ایسی باتیں کررہا ہے۔" سعدیہ کا انداز پرسوچ تھا جبکہ وہ پریشانی سے ہتھیلیوں کو مسلنے لگی جہاں مہندی سوکھ چکی تھی۔

☆☆☆

کچھ دنوں سے وہ سب بھلائے آنے والی زندگی کو لے کر خوش تھی۔ دوبارہ اسی کیفیت میں چلی گئی تھی۔ ہر فون، ہر آہٹ پر اسے گمان ہوتا تھا۔ ابھی افنان کے گھر سے کوئی آئے گا اور اسے بے عزت کرکے ریجیکٹ کرجائے گا۔ صرف دو دن رہ گئے تھے اور اسے لگتا تھا جیسے وہ سولی پر لٹک رہی ہے۔ اسے حماد سے کوئی اچھی امید نہیں تھی۔ وہ کچھ بھی کرسکتا تھا' وہ سونیا بھابھی کے تایا کا بیٹا تھا۔ سونیا بھابھی کا دودھ شریک بھائی۔

حماد سے اس کی پہلی ملاقات سونیا بھابھی کی مہندی پر ہوئی تھی۔ اس کے بھائی کی شادی تھی۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ تھی، ان سب کزنوں نے مل کر دو ہفتے لگا کر لڈی پریکٹس کی تھی۔ وہ سب لڈی ڈال رہی تھیں۔ جب سونیا بھابھی کی طرف سے بورنگ بورنگ کی صدا آئی۔ وہ سب رک کر ادھر دیکھنے لگیں۔ جہاں لڑکوں کا ٹولہ کھڑا تھا جنہوں نے اتنا طوفان بدتمیزی مچایا وہ سب گھبرا کر ایک طرف ہوگئیں۔

اس کا موڈ ایک دم خراب ہوگیا تھا تب ہی اس نے حماد کو اپنی طرف آتے دیکھا وہ اس سے معذرت کررہا تھا۔

وہ یوں اس پر نظریں جمائے کھڑا تھا کہ وہ گھبرا کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ اور پھر شادی اور ولیمے پر جیسے اس کا سایہ بن کر اس کے اردگرد ہی رہا اور وہ جس نے فنکشن کے بارے میں بہت کچھ سوچ رکھا تھا اس کی نظروں کی وجہ سے سارا ٹائم اس سے چھپتی رہی اور پھر اس کے اندیشے کے مطابق بھابھی کی شادی کے ایک ماہ بعد اس کا رشتہ بھی آگیا تھا لیکن اس کے ابا جو اس وقت حیات تھے۔ انہوں نے منع کردیا تھا کیونکہ وہ اس وقت بیس سال کی تھی اور حماد بھی بمشکل تیئیس چوبیس سال کا تھا۔ کوئی جاب بھی نہیں تھی۔

تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ ایک لمبی جائیداد تھی۔ جس پر وہ عیش کررہا تھا لیکن ان لوگوں نے اس انکار پر یہ سلسلہ ختم نہیں کیا۔ بلکہ سونیا اور مزید رشتہ داروں کے توسط سے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی اور حماد ہر اس جگہ پہنچ جاتا جہاں وہ ہوتی۔

ہر روز وہ اسے کالج کے باہر نظر آتا وہ جتنا اسے نظرانداز کرتی وہ اتنا اس کے پیچھے آتا۔ گھر میں نامعلوم کالز کی تعداد بڑھنے لگی۔ ایک دن اس نے کالج کے باہر اس کا راستہ روک لیا تھا۔

پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا کہ وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ لیکن وہ اردگرد سے بے نیاز اس سے محبت کا اظہار کررہا تھا اور پھر وہ بار بار اس کے سامنے آنے لگا تھا۔

وہ اب اسے فون بھی کرنے لگا تھا اور اس سے بات کرتے ہوئے وہ بہت جذباتی ہوجاتا تھا۔ اور وہ ڈر جاتی تھی۔ اگر وہ کالج نہ جاتی یا اس کا فون نہ سنتی تو وہ اسے مرنے کی دھمکی دے کر بات کرنے پر مجبور کرتا۔

اس نے دوبارہ رشتہ بھیجا تھا لیکن ایک بار پھر ابا نے انکار کردیا تھا جواباً اس کی ماں نے ابا کو طعنہ دیا آپ کی بیٹی کی رضامندی سے آئے ہیں۔ اور یہ سن کر اس کے ابا اور دونوں بھائی طیش میں آگئے تھے۔

وہ جو ابا کی بڑی لاڈلی تھی جنہوں نے اسے کبھی

www.pklibrary.com

ڈانٹا نہیں تھا۔ وہ اس سے سختی سے باز پرس کر رہے تھے اور اپنے سامنے کھڑے اپنے جان چھڑکنے والے بھائی اور باپ کی آنکھوں میں شک ناراضی دیکھ کر اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔ اس پر پابندی لگادی گئی تھی۔ وہ باہر نہیں جاسکتی ایسے میں صرف سونیا بھابھی تھیں جو اس کی دل جوئی کرتی تھیں وہ ہمدردی کے نام پر بہت اچھی طرح اس کا برین واش کر رہی تھیں کہ کسی کو پسند کرنا گناہ تو نہیں۔ وہ اتنی لکی ہے کوئی ایسے اتنا چاہتا ہے۔ وہ روز اسے حماد کا حال دل سناتی تھیں اور اس کی تکلیف کا ایسا نقشہ کھینچتیں کہ وہ اس کے لیے پریشان ہو کر رہ جاتی۔

اسے بھی اب یقین آنے لگا تھا کہ اس کے بھائی اور باپ اس کی خوشی نہیں چاہتے صرف حماد ہی ہے جو اسے چاہتا ہے۔ اس دن گھر میں کوئی نہیں تھا وہ اکیلی تھی تب ہی سونیا بھابھی روتی ہوئی آئی تھیں۔ ان کے بری طرح رونے سے وہ گھبرا گئی تھی اور ان کی بات سن کر اس کا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔ حماد نے اپنی نس کاٹ لی تھی۔ وہ آخری بار اس سے ملنا چاہتا تھا اور وہ شدید کشمکش کی کیفیت میں سونیا بھابھی کو دیکھ رہی تھی۔

آخر کار اتنے عرصے سے کی جانے والی برین واشنگ باپ بھائیوں کی عزت پر حاوی ہوگئی تھی۔ اور وہ سونیا کے ساتھ حماد سے ملنے چلی گئی تھی اور یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

اس کی کلائی پر پٹی بندھی تھی لیکن وہ بالکل ہشاش بشاش تھا۔ اپنی پریشانی میں اس نے غور ہی نہیں کیا۔ سونیا بھابھی اب اس کے ساتھ نہیں تھیں۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے رو رہا تھا وہ اب اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اسے وہاں رکنے کا کہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کھینچنے پر وہ جارحیت پر اتر آیا تھا اس نے اپنی مدد کے لیے سونیا کو بلانا چاہا تب ہی دروازہ جھٹکے سے کھلا تھا وہ سونیا بھابھی تھیں اور اس کے پیچھے ابا اور نوید اور نبیل بھائی اس نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ کھینچے تھے۔

''دیکھیے ابا جی! میں نے اسے کتنا منع کیا لیکن یہ کچھ بھی سنے بغیر یہاں آگئی۔ میں تو آپ لوگوں کی خاطر اپنے بھائی کے خلاف چلی گئی تھی لیکن عنایہ خود حماد سے شادی کرنا چاہتی ہے۔'' یہ سونیا بھابھی تھیں۔ مظلومیت کا لبادہ اوڑھے اس کی عزت کا جنازہ نکالتے ہوئے وہ دکھ اور حیرت کے مارے ساکت ہو کر رہ گئی۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا ان کی نظروں میں دکھ تھا۔ وہ تڑپ کر ان کی طرف بڑھی۔

''ابا جی!'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی نوید بھائی نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ وہ لہرا کر زمین پر گری تھی لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی وہ درد بھلا کر اٹھی تھی۔

''ابا جی! میں نے کچھ نہیں کیا۔'' اس نے ساکت کھڑے ابا کا ہاتھ تھاما۔

''کچھ نہیں کیا تو یہاں کیوں ہو، منع کیا تھا نا تمہیں؟''

نوید بھائی اس کے قریب آکر چیخے۔

''نکاح کر رہے ہیں ہم۔'' اس سے پہلے وہ کچھ کہتی اس کے پیچھے مطمئن کھڑا حماد بولا تھا۔ سب کی نظریں حماد کی طرف گھوم گئی تھیں۔

''جھوٹ بول رہا ہے یہ'' وہ چیخ اٹھی تھی۔ تب ہی چار آدمی ایک مولوی اندر داخل ہوئے تھے۔

''آپ خود دیکھ لیں، کون جھوٹ بول رہا ہے۔'' سونیا نے نبیل کو جتاتے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''چلیں ابا! مرگئی یہ ہمارے لیے۔'' نوید بھائی نے ابا سے کہا لیکن وہ ویسے ہی کھڑے رہے۔

''اب ہم اسے دفنا کر ہی جائیں گے، مولوی صاحب پڑھائیں نکاح۔''

اس کے ابا کہہ رہے تھے۔ وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ اس کے اپنوں کی نظروں میں نفرت تھی اس کے لیے، اپنی صفائی میں کہنے والے سارے لفظ اس کے اندر ہی دفن ہو گئے۔

وہ چلے گئے تھے۔ اس کو دفنا کر اور وہ واقعی مرگئی تھی۔ لیکن اسے مارنے والا اپنی جیت کے زعم میں اتنا

www.pklibrary.com

مگن تھا کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ زندہ دل لڑکی کے احساس احساسات مردہ ہوگئے ہیں۔ اس کے والہانہ پن کے جواب میں اس کے پاس سرد مہری کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے کبھی اس سے محبت کا دعویٰ کیا تھا لیکن اسے تو محبت نظر نہیں آئی وہ تو بس ایک ضد تھی جو اس نے پوری کرلی تھی۔ اب وہ عام تھی۔ اس کے سرد رویے نے اس کی محبت کا نشہ اتار دیا تھا۔ عزت تو وہ پہلے بھی نہیں کرتا تھا اب تو جیسے ہر لحاظ ختم ہوگیا تھا۔ بات بات پر وہ اسے دھنک کر رکھ دیتا۔ وہ جو اتنی لاڈلی تھی۔ رل گئی تھی۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ نیل کے نشان تھے لیکن وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ اس سے غلطی ہوئی تھی۔ اور سزا اب اس کا مقدر تھی۔

وہ ہتھ چھٹ ہونے کے ساتھ شکی بھی تھا اسے اجازت نہیں تھی وہ کمرے سے بلا ضرورت باہر آئے۔ اس کی ماں بہنیں پہلے ہی اسے اچھا نہیں سمجھتی تھیں۔ حماد کا کزن جو اس کی بہن کا منگیتر تھا، اس کا وہاں بہت آنا جانا تھا۔ وہ خوش مزاج لڑکا تھا جو اس کی عزت کرتا تھا وہی زبردستی اسے سب میں بٹھاتا تھا۔

اس دن بھی وہ سب بیٹھے مووی دیکھ رہے تھے۔ حماد گھر میں — نہیں تھا۔ وہ ہی اسے بلانے آیا تھا اس نے انکار کردیا تھا لیکن وہ اصرار کرتا رہا تو مجبوراً اسے باہر آنا پڑا وہ چپ چاپ ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

سب ہنسی مذاق میں مصروف تھے ان کی باتیں سن کر وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے اس کی نظر سامنے پڑی تو نہ صرف اس کی مسکراہٹ سکڑی بلکہ اس کی روح فنا ہوگئی تھی۔ اسے ایک منٹ لگا تھا وہ اس کے سر پر کھڑا تھا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک کے بعد دوسرا تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا اس کے ساتھ باقی سب بھی ساکت ہوگئے تھے۔ وہ سلوک جو بند کمرے میں ہوتا تھا وہ اس نے سب کے سامنے کردیا تھا۔ اس کی پہلے بھی عزت نہیں تھی کہ گھر سے بھاگ کر آئی ہے لیکن یہ بھرم تھا حماد کی پسند ہے آج وہ بھی ختم ہوگیا۔

''حماد بھائی! آپ ہوش میں تو ہیں۔ کیا کررہے ہیں۔'' نومی سب سے پہلے سکتے سے باہر آیا تھا۔

''تم میرے معاملے سے دور رہو۔'' وہ انگلی اٹھا کر پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

''میری بیوی ہے ہاتھ اٹھاؤں یا گلا دباؤں..... تمہیں مطلب؟''

''بیوی ہے..... کوئی زرخرید غلام نہیں ہے۔''

''تمہیں بڑا درد ہو رہا ہے۔ کہیں تم بھی اس کی خوب صورتی کے عاشق تو نہیں ہوگئے۔'' عنایہ نے تڑپ کر اسے دیکھا جبکہ نومی چیخ اٹھا تھا۔

''بکواس بند کریں حماد بھائی!''

''میرے منہ لگتا ہے۔'' حماد اسے چھوڑ کر نومی پر پل پڑا تھا۔ اور اگلے پل دونوں گتھم گتھا ہوگئے تھے۔ حماد کی ماں بہنوں نے بڑی مشکل سے دونوں کو الگ کیا تھا۔ اس نے دبوچنے کے انداز میں عنایہ کا بازو پکڑا اور کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آیا۔

''چھوڑو مجھے حماد!'' کمرے میں آکر اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔ ''حد ہوتی ہے کسی بات کی، میں اب تک خاموش تھی لیکن اب نہیں رہوں گی۔''

''کیا کروگی۔'' وہ دونوں ہاتھ کمر پر ٹکاتے ہوئے بغور اسے دیکھنے لگا۔

''میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔'' اس کی بات پر وہ ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

''تمہاری واپسی کے سارے راستے خود بند کر آیا ہوں۔ اب تم نے مرنا بھی یہیں ہے اور جینا بھی یہیں ہے۔ یہی تمہارا مقدر ہے، جو حماد نے تمہارے لیے لکھا ہے۔''

اس کے تکبر بھرے انداز پر وہ کتنی دیر تک اسے دیکھتی رہی۔

''کیا دیکھ رہی ہو، کھا جاؤ گی مجھے۔ او..... میں تو ڈر گیا۔'' وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' اسے باہر جاتا دیکھ کر اس نے اس کا بازو تھاما۔

www.pklibrary.com

"چھوڑو مجھے۔"

"چھوڑ دوں تمہیں تاکہ تم نے جو نیا عاشق بنایا ہے اس کے پاس جا کر اپنے حسن کے قصیدے سن سکو اور ایک دن میرے منہ پر کالک مل کر چلی جاؤ۔ جیسے اپنے باپ بھائیوں کے منہ پر مل کر آئی ہو۔"

عنایہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ بڑے بے ساختہ انداز میں اس کا ہاتھ اٹھا تھا۔ اور یہ حماد کے لیے بالکل ناقابل یقین تھا اور جو اس کے بعد ہوا وہ عنایہ کے لیے ناقابل یقین تھا۔ کمرہ عنایہ کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔

☆☆☆

"عنایہ تو گھر پر نہیں۔" زرینہ آنٹی نے نظریں چراتے ہوئے طاہر صاحب سے کہا تھا۔

"عنایہ گھر پر ہی ہے، آپ سیدھی طرح بتاتی ہیں یا ہم پولیس لے کر آئیں۔"

نوید صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے بیٹھی عورت اور حماد کا گلا دبا دیں۔

"کہا نا، وہ گھر میں نہیں۔" حماد ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑی نخوت سے بولا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہیں یہ لوگ۔ بھابھی گھر پر ہی ہیں۔" نوید کے پیچھے کھڑا نومی غصے سے بولا تو زرینہ اور حماد نے قہر بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں بڑی تکلیف ہو رہی ہے ناکام عاشق! بے فکر رہو، تمہاری محبوبہ ابھی زندہ ہے۔" حماد کے زہر خند انداز پر طاہر صاحب کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ جبکہ نوید صاحب کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکلنے لگے تھے وہ بغیر کسی کا لحاظ کیے آگے بڑھے، نومی ان کے پیچھے تھا اور پیچھے چیختے ہوئے حماد اور زرینہ بیگم تھے۔ نومی کی نشان دہی پر نوید بھائی نے جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا اور فرش پر گرے وجود کو دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ دروازے کی دہلیز تھامی تھی۔ انہوں نے پلکیں جھپک کر دوبارہ دیکھا۔

وہ زخمی، خستہ حال ان کی لاڈلی بہن تھی۔ جس کی خوب صورتی کا ثانی نہیں تھا۔ وہ اتنے برے حالوں میں زمین پر لاوارثوں کی طرح پڑی تھی۔

"عنایہ..... گڑیا!" یہ دو نام لیتے ہوئے وہ باقاعدہ رو پڑے تھے۔

انہوں نے تیزی سے اسے بازوؤں سے تھام کر سیدھا کیا اس کا منہ سوجا ہوا تھا اس کی ایک آنکھ سوج کر بند ہو چکی تھی۔ اس کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے بال بری طرح الجھے تھے جیسے بالوں کو بری طرح کھینچا گیا ہو، بازو کمر سے قمیص پھٹی ہوئی تھی اور نیچے سے نظر آتی کھال سے خون رستا صاف نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

وہ نیم بے ہوش تھی لیکن وہ اس لمس اس آغوش کو پہچانتی تھی۔ اس نے ایک آنکھ کو بڑی مشکل سے کھولا تھا۔ وہ اس کا ماں جایا تھا۔ وہ رونا چاہتی تھی پھوٹ پھوٹ کر لیکن اس سے رویا بھی نہیں جا رہا تھا۔ نوید بھائی نے اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔

"آپ اسے لے کر نہیں جا سکتے۔" حماد دروازے کے درمیان میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ آج تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گے۔" ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

نومی نے دھکا دے کر حماد کو پیچھے کیا تھا۔ نوید کی گود میں عنایہ کو دیکھ کر طاہر صاحب کا سانس جیسے سینے میں اٹک گیا تھا۔

"دیکھیں ابو! دیکھیں..... اپنی لاڈلی کا حال۔" نوید بھائی چبا چبا کر بولے۔ "چلیں یہاں سے۔"

"رک جائیں، میری اجازت کے بغیر آپ میری بیوی کو نہیں لے جا سکتے۔"

"ذلیل آدمی..... تیری ابھی بھی اتنی ہمت ہے۔" نوید بھائی نے عنایہ کو صوفے پر بٹھایا اور ایک دم مکوں کی برسات اس کے منہ پر کر دی حماد کی بہنیں بھی کمرے سے نکل آئی تھیں۔ وہ سب اب حماد کو نوید سے چھڑا رہے تھے تھوڑی دیر میں نوید نے حماد کی حالات خراب کر دی تھی۔ وہ اب بری طرح ہانپ رہا تھا۔

www.pklibrary.com

''اپنی ذلیل اور آوارہ بہن کو سنبھال کر رکھ، میں لعنت بھیجتا ہوں اس پر اور تم لوگوں پر بھی۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ بسا کر دکھانا اپنی بہن کو۔ میں اسے کبھی بسنے نہیں دوں گا۔''

وہ اپنے ہونٹوں سے نکلتے خون کو صاف کرتے ہوئے انتقام بھرے انداز میں بولا۔ جبکہ نوید بھائی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے اٹھا کر باہر نکلے تھے۔ پیچھے سر جھکائے طاہر صاحب۔ اس رشتے کے ختم ہونے سے کسی کو دکھ نہیں ہوا تھا اور نہ صدمہ کیونکہ اس رشتے کے جڑنے سے کسی کو کوئی خوشی ملی تھی نہ سکون۔

اسے نارمل ہونے میں بڑا وقت لگا تھا اور جب وہ نارمل ہوئی اس نے سعدیہ کو سونیا کے دھوکے کے بارے میں بتا دیا تھا لیکن سعدیہ کو کسی کو بھی سونیا کا نام بتانے سے منع کر دیا تھا۔

وہ سب اب پچھتا رہے تھے کہ انہوں نے اپنی ہی بیٹی کا یقین نہ کیا اور اسے یوں لاوارث چھوڑ دیا۔ اور یہی دکھ اس کے باپ کی جان لے گیا۔

☆☆☆

نکاح ہو گیا تھا لیکن وہ بے یقین تھی اس کی نظریں اب بھی کسی انہونی کے ڈر سے خوف زدہ تھیں۔ سب خوش تھے لیکن وہ بار بار سونیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ جیسے سب سے زیادہ خوش تھیں اسی بے یقینی اور پریشانی میں سب رسمیں بھی ہو گئی تھیں اور وہ رخصت ہو کر افنان کے گھر بھی آ گئی تھی لیکن وہ ابھی تک بے یقین تھی لیکن بے یقینی اس وقت ختم ہو گئی جب افنان بالکل اس کے سامنے آ کر بیٹھا تھا۔ حقیقت کے روپ میں لیکن اب کیفیت مختلف تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ بیٹھ تو گیا تھا لیکن کافی لمحے خاموش بیت گئے تھے۔

عنایہ اس کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ تب ہی اس کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور عنایہ کی جھکی نظریں بے اختیار اٹھی تھیں اور اس کے یوں دیکھنے پر وہ کھل کر مسکرایا تھا۔ وہ جلدی سے نظریں جھکا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ میں اچھا نہیں لگا؟'' اس کے انداز میں شرارت محسوس کر کے وہ گھبراہٹ کے باوجود مسکرا دی تھی۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ اس طرح اس کے سامنے لیٹ گیا کہ وہ اب بڑے آرام سے اس کے جھکے چہرے اور نظروں کو دیکھ سکتا تھا۔

''میں تم سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا اور تم مجھے دیکھنا نہیں چاہتیں۔'' اس کے کہنے پر عنایہ کے چہرے پر آئی شرمگیں مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ جو کروٹ بدلے کہنی کے سہارے لیٹا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ اسے سنجیدہ دیکھ کر بمشکل بولی۔

''تو کیسی بات ہے۔'' وہ مزید سنجیدگی سے بولا۔

''آپ اچھے لگ رہے ہیں۔'' وہ گھبرا کر جلدی سے بولی تو وہ جو کب سے ضبط کر رہا تھا، قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ عنایہ نے حیرت سے اس کے بدلتے موڈ کو دیکھا۔

''بڑی بزدل ہو یار! اتنی جلدی ہار مان گئیں۔'' وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ اسے بہانا چاہیے تھا رونے کا وہ بہانہ اسے مل گیا تھا۔

''ارے!'' اسے روتا دیکھ کر وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''عنایہ!'' وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام کر مزید اس کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

''آئے ایم سوری یار! میں مذاق کر رہا تھا۔ تم اتنا گھبرا رہی تھیں، میں نے صرف تمہیں ریلیکس کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔''

''عنایہ!'' اسے مسلسل گھٹ گھٹ کر روتے دیکھ کر افنان نے اس کی تھوڑی کے نیچے انگلی رکھ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔

''یہ دیکھو۔'' اس کے کہنے پر عنایہ نے آنسو بھری نظروں سے اسے دیکھا جس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑے ہوئے تھے اور اتنا معصوم چہرہ

www.pklibrary.com

بنایا ہوا تھا کہ وہ روتی آنکھوں کے ساتھ مسکرادی تھی اور یہ منظر دیکھ کر افنان ایک لمحے کے لیے مبہوت ہو کر رہ گیا تھا اور اس کے یوں دیکھنے پر وہ ایک بار پھر نظریں جھکا گئی تھی۔

''اب تم اتنا شرما رہی ہو، ابھی تو میں نے اپنے دل کا حال بھی نہیں سنایا۔ وہ شروع کروں گا تو تم شرم کے مارے _____ تکیے میں چھپ جاؤ گی۔''

اس نے بے ساختہ سر نفی میں ہلایا۔ تو وہ مسکرادیا۔ اس کا انداز اتنا دوستانہ تھا کہ وہ ساری گھبراہٹ بھول گئی تھی۔

☆☆☆

''ماما! پھوپھو کتنی خوب صورت لگ رہی ہیں، بالکل شہزادی کی طرح۔''

سبین کے پراشتیاق انداز پر سعدیہ کھل کر مسکرائی تھیں۔

''وہ ہمیشہ سے خوب صورت تھی، بس نظر لگ گئی تھی لیکن اب میری شہزادی کو اس کا شہزادہ مل گیا ہے اب اسے کوئی دکھ نہیں ملے گا۔'' وہ ان دونوں کی نظر اتارتے ہوئے بولیں۔ تب ہی سونیا ان کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

''بھابھی کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔''

''کیوں خیریت تھی؟''

''جی خیریت ہی ہے۔'' کہہ کر وہ اسٹیج کی طرف دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی دوبارہ آواز سنائی دی۔

''نوید بھائی نے اچھا کیا کہ افنان کی فیملی کو عنایہ کی طلاق کے بارے میں نہیں بتایا ورنہ ہمیں یہ خوشی نصیب نہ ہوتی۔''

سونیا کے کہنے پر سبین اور سعدیہ نے بے ساختہ اردگرد دیکھا۔ سبین تو وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ سعدیہ نے ناراضی سے سونیا کو دیکھا جس کا سارا دھیان سامنے اسٹیج پر تھا۔

''ویسے بھابھی! نوید بھائی نے یہ زیادتی کی ہے کسی کو بھی نہیں بلایا۔ اتنی خوشی کا موقع تھا۔ پرانی رنجشیں بھلا کر نئی شروعات کرنی چاہیے تھی۔ زرینہ تائی کتنا گلہ کر رہی تھیں کہ کم از کم انہیں تو بلا لیتے۔''

سعدیہ نے اب غصے سے سونیا کو دیکھا۔

''ان کا گلہ بنتا تھا سونیا! تم خود بتاؤ۔ جو وہ کر چکے ہیں بہت ہے، تمہاری رشتہ داری ہے تم نبھاؤ۔ ہمارے وہ دشمن ہیں، ہاں ایک بات اور.....''

وہ کچھ یاد آنے پر سونیا کی طرف مڑیں۔

''اپنے بھائی سے کہو۔ اپنی حد میں رہے اور جو اسے وقتاً فوقتاً پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں، اس کا علاج کروائے۔''

''بھابھی!'' سونیا نے برا مانتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں اور سونیا! تم بھی یہ بات گرہ میں باندھ لو۔ اب اگر تم نے عنایہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو نقصان تمہیں ہوگا کیونکہ وہ عنایہ تھی جو چپ کر گئی، اب کی بار میں سب جانتی ہوں اور میں سب نبیل کو بتادوں گی اور پھر جو ہوگا۔ اس کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔'' ان کی دھمکی کے جواب میں سونیا نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا۔

☆☆☆

ان کی پیار بھری نظریں عنایہ پر جمی تھیں۔ جو بات بات پر کھلکھلا رہی تھی۔ دوسری نظر انہوں نے نوید کے ساتھ بیٹھے افنان پر ڈالی جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جبکہ چہرے پر کچھ پالینے کی چمک تھی۔ وہ مسکرا کر واپس مڑ گئیں۔ وہ چائے کے لوازمات ٹرالی میں سیٹ کر رہی تھیں جب عنایہ اندر آئی۔

''بھابھی! میں کچھ ہیلپ کروادوں۔'' وہ مسکرا کر اس کی طرف مڑیں۔

''نہیں میری جان! تم مہمان ہو۔'' انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ تھامے جن پر مہندی کا رنگ اب بھی نمایاں تھا۔

''آپ مجھے پرایا کر رہی ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی تو انہوں نے اسے گلے لگالیا۔

www.pklibrary.com

''بیٹیاں تو ہوتی ہی پرائی ہیں۔'' ان کا لہجہ رندھ گیا تو عنایہ نے الگ ہو کر ان کا چہرہ دیکھا۔

''آپ رو رہی ہیں بھابھی۔''

''ارے پاگل، یہ خوشی کے آنسو ہیں۔'' انہوں نے آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اب ایک بات سچ سچ بتانا۔''

''جی!'' ان کے انداز پر وہ چوکنی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

''تم خوش ہو؟'' ان کے سوال پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''میں خوش نہیں بھابھی! بہت خوش ہوں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کوئی مجھ سے اتنی بھی محبت کر سکتا ہے۔ اتنی چاہت کبھی تو میں نازاں ہو جاتی ہوں پھر ایک دم ڈر جاتی ہوں کہیں پھر کچھ ایسا نہ ہو جائے کہ افنان کی محبت نفرت میں بدل جائے۔'' اس کا دمکتا چہرہ ایک پل کے لیے تاریک ہوا تھا۔

''اللہ نہ کرے ایسا ہو۔'' وہ جلدی سے بولیں۔

''میں نے افنان کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت دیکھی ہے وہ کبھی حماد کی طرح نہیں کرے گا خیر یہ بتاؤ باقی سب کیسے ہیں۔''

''سب بہت اچھے ہیں۔ انکل، ذیشان بھائی، حفصہ بھابھی، آنٹی سب..... بس آنٹی بات کم کرتی ہیں لیکن انکل کہتے ہیں۔ وہ خود ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے، اب شادی کے بعد پہلی بار آئی ہو، ایک دن تو رک جاؤ۔ رات کو بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔''

''میرا خود بھی دل کر رہا ہے، میں آپ کے ساتھ رہوں لیکن افنان.....'' وہ ایک لمحے کو رکی تو سعدیہ نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''افنان کیا؟'' ان کی شرارت بھری آواز پر وہ جھینپ کر سر جھکا گئی۔

''کچھ نہیں، میں ان سے پوچھ لیتی ہوں۔'' وہ دونوں ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔

چائے پی کر افنان کھڑا ہو گیا تھا۔

''افنان! اگر تم اجازت دو تو عنایہ آج رات یہیں رک جائے۔'' سعدیہ بھابھی کے کہنے پر افنان نے عنایہ کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ضرور بھابھی! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن پرسوں ہم دونوں سنگاپور جا رہے ہیں تو ابھی پیکنگ کا سارا کام پڑا ہے۔ اگر عنایہ مینیج کر سکتی ہے تو رک جائے۔'' عنایہ نے حیرت سے افنان کو دیکھا کیونکہ کل تک تو ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

''ہنی مون کی تیاری ہے؟'' سعدیہ نے مسکرا کر افنان کو دیکھا۔

''جی بھابھی! سوچا عنایہ کو گھما پھرا لاؤں۔''

''پھر عنایہ رک جاؤ بیٹا!'' نوید نے عنایہ سے کہا تو اس نے پھر افنان کی طرف دیکھا اس نے بڑے بے ساختہ انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔

''اچھا پھر میں چلتا ہوں۔'' اسے پھنسا کر وہ خود مزے سے مڑ گیا تھا۔

''بھائی! میں پھر آ جاؤں گی۔ پیکنگ بھی کرنی ہے اور میں نے آنٹی سے بھی نہیں پوچھا۔ یہ نہ ہو وہ مائنڈ کر جائیں۔'' وہ جلدی جلدی سے بولتے ہوئے دروازے کو بھی دیکھ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! پھر آ جانا، کسی کو ناراض کرنے کی ضرورت نہیں۔''

نوید نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کیا تو وہ سبین اور سعدیہ سے گلے مل کر تیزی سے باہر آ گئی۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کیے یقیناً اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے خفگی سے اسے دیکھا جو شوخ مسکراہٹ لیے اس کی جھنجلاہٹ دیکھ رہا تھا۔

''اتنے غصے سے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''آپ نے جھوٹ کیوں بولا، ہم سنگاپور جا رہے ہیں۔''

''ہیں!'' افنان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''جھوٹ کیوں بولوں گا، ہم واقعی پرسوں سنگاپور جا رہے ہیں۔ تمہیں سرپرائز دینا تھا لیکن مجھے ایسے

www.pklibrary.com

بتانا پڑا۔" وہ اب سامنے دیکھ رہا تھا۔

"اتنے دن بعد میں بھابھی سے ملی تھی اگر ایک رات رک جاتی تو پرابلم کیا تھی؟"

"مجھے پرابلم تھی۔ میں نے نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر، ایک دن بھی نہیں، ایک رات بھی نہیں۔"

وہ اپنی بات پر زور دے کر بولا تو عنایہ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا جو سامنے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ اب خود بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لیے خود بھی مسکرا کر سامنے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

ذیشان بھائی کو اللہ حافظ کہہ کر جب وہ واپس آیا تو عنایہ اپنے ہینڈ بیگ کی زپ کو بار بار بند کرتی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ وہ کھنکھارتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا۔ عنایہ نے چونک کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

"کیا سوچا جا رہا ہے محترمہ؟" وہ اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تو اس نے مسکرا کر سر نفی میں ہلایا۔

"میں یہ نہیں کہتا، میں سب کے چہرے پڑھ سکتا ہوں لیکن تمہارے چہرے سے تمہارا حال سمجھ لیتا ہوں۔"

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں آنٹی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ شاید ہمارا سنگاپور جانا انہیں اچھا نہیں لگا۔" وہ اب بیگ کا اسٹریپ مڑ رہی تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟"

"آنے سے پہلے میں ان سے ملنے گئی تو وہ مجھ سے بولیں بھی نہیں اور جب آپ گئے تو کتنا ڈانٹا آپ کو۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"تمہیں کیا بات بری لگی ہے کہ وہ تم سے نہیں بولیں یا انہوں نے مجھے ڈانٹا۔"

"میری وجہ سے آپ کو ڈانٹ پڑی، مجھے یہ اچھا نہیں لگا۔" افنان نے اس کی شکل دیکھی جو پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکتی ہوئی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ وہ اتنے ہجوم میں ضبط کر کے رہ گیا۔

"ماما کی عادت ہی ایسی ہے، تم بھی عادی ہو جاؤ گی اور اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل برا نہیں کرتے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اپنے شوہر کے ساتھ۔ اس کی مرضی سے جا رہی ہو، یہ بات تمہارے لیے کافی ہونی چاہیے۔ ٹھیک ہے۔" وہ اس کا سر تھپک کر بولا۔

"ماما کی ڈانٹ کی وجہ سے نہ تم نے کچھ کھایا نہ میں نے۔ اب مجھے بھوک لگی ہے۔ تم یہیں بیٹھو، میں کچھ کھانے کو لے کر آیا ہوں۔"

وہ ایسا ہی تھا چٹکیوں میں اس کے مسئلے حل کر دیتا تھا۔ وہ مسکرا کر اس طرف دیکھنے لگی جہاں وہ گیا تھا۔

"شادی مبارک ہو۔" اپنے قریب آواز سن کر نہ صرف اس کی مسکراہٹ سکڑی تھی بلکہ دل بھی تیزی سے پھیل کر سکڑا تھا۔ اس نے دھیرے سے سر گھمایا۔ وہی تھا اپنی مخصوص دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ایک دم کھڑی ہوئی تھی۔

"سنا ہے ہنی مون پر جا رہی ہو۔" وہ کچھ کہے بغیر بیگ پکڑ کر مڑی تھی۔ وہ ایک دم اس کے سامنے آیا تھا۔ اتنے لوگوں کے سامنے اس کی اتنی ہمت پر وہ صرف ایک لمحے کے لیے حیران ہوئی تھی۔ اس نے غصے سے اسے دیکھا۔

"میرے سامنے سے ہٹو ورنہ ابھی لوگوں کو اکٹھا کر لوں گی۔"

"مجھے فرق نہیں پڑے گا۔ فرق تمہیں پڑے گا۔ فی الحال میں تمہارے شوہر سے ملنے آیا ہوں، کہاں ہے وہ؟" اس کے پوچھنے پر وہ سراسیمہ ہو کر اسے دیکھنے لگی لیکن لہجہ سخت رکھا۔

"تمہیں مطلب؟"

"مجھے ہی تو مطلب ہے۔ تم نے شادی کر لی تو تم کیا سمجھتی ہو بچ جاؤ گی۔ نہیں، میری مرضی تھی تو یہ شادی ہوئی لیکن اب بس مجھے بالکل برداشت نہیں ہو رہا کہ تم اس کے ساتھ رہو۔ تم بس اب اس سے طلاق لے لو۔"

www.pklibrary.com

"دماغ خراب ہے تمہارا۔" وہ پھٹ پڑی۔

"ہاں ہوگیا ہے خراب۔" وہ آہستہ آہستہ اپنا ضبط کھو رہا تھا۔ عنایہ دو قدم مزید پیچھے ہٹی۔

"تم سے اسی گھٹیا سوچ کی امید کرسکتی تھی میں۔ مجھ سے اور میرے شوہر سے دور رہو۔"

"شوہر۔" وہ ہنسا تھا۔ "وہ شوہر جس کو تمہاری اصلیت کا نہیں پتا۔ ابھی جب اسے تمہاری اصلیت پتا چلے گی تو یہیں تین لفظ کہہ کر فارغ کردے گا۔"

"تم نے سب کو اپنی طرح کم ظرف سمجھ رکھا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے میرے شوہر کو سب پتا ہے اور یہ سب جاننے کے باوجود نہ صرف وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں بلکہ میری عزت بھی کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر اعتبار۔"

اس کے چہرے پر اتنا اعتماد تھا کہ کچھ لمحوں کے لیے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا اور اتنی دیر میں وہ اپنا بیگ تھام کر مڑ گئی تھی لیکن اگلے قدم پر اسے رکنا پڑا۔ افنان اسی طرف آرہا تھا۔

"ہینڈسم ہے تمہارا شوہر۔" وہ اس کے بالکل پیچھے آہستہ سے بولا۔ عنایہ کا رنگ اڑ گیا تھا۔ افنان نے کچھ حیرت سے عنایہ کا اڑا رنگ دیکھا اور پھر سوالیہ نظروں سے حماد کو دیکھا جو اس کی طرف مسکراہٹ اچھال کر دوسری طرف مڑ گیا تھا۔

"یہ کون تھا؟" افنان نے کپ پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" وہ سرسری انداز میں بولی۔ تب ہی اناؤنسمنٹ شروع ہوگئی تھی۔

افنان نے بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اب اسے بازو کے گھیرے میں لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ حماد کو کس نے بتایا کہ وہ یہاں ہے، لیکن جس طرح اس کے جواب پر حماد چپ ہوا تھا۔ اسے یقین تھا اب وہ دوبارہ اس کے سامنے نہیں آئے گا۔ گہرا سانس لے کر اس نے ساتھ بیٹھے افنان کو دیکھا جو سیٹ بیلٹ باندھ رہا تھا۔ اس نے سر اس کے کندھے سے ٹکا کر خود کو ہر فکر سے آزاد کردیا تھا۔

☆☆☆

سنگار پور میں گزرے بیس دن اس کی زندگی کے سب خوب صورت دن تھے۔ اس نے زندگی کا ہر لمحہ جیسے انجوائے کیا تھا۔ ہر اس لمحے میں وہ اللہ کا شکر ادا کرتی تھی جس نے افنان جیسا شخص اس کے نصیب میں لکھا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے کپڑے وارڈروب میں ہینگ کررہی تھی جب افنان اندر داخل ہوا اور اسے مصروف دیکھ کر دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے پیچھے کھڑا ہوگیا اور اگلے ہی پل اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔ اس کا خیال تھا وہ ڈر جائے گی لیکن وہ مسکرا رہی تھی۔

"تم ڈری نہیں۔" وہ اب اس کے کندھے پر تھوڑی ٹکائے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے آپ کے پرفیوم کی خوشبو آگئی تھی اور دوسرا ایسی حرکت آپ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔"

اس کے کہنے پر وہ ہنستا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا تو وہ بھی الماری بند کرکے بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔

"آپ آج پھر جلدی آگئے، ماما سے ڈانٹ پڑے گی۔" اس نے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"کھالوں گا ڈانٹ بھی، اس میں کیا ہے۔" وہ کوٹ اتار کر جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ عنایہ اسے ہی دیکھ رہی تھی جو آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں۔ عنایہ نے فوراً نظریں ہٹائی تھیں اس نے اس کی اس حرکت کو انجوائے کیا تھا۔

"اچھا لگ رہا تھا نا۔" وہ شرارت سے اسے دیکھنے لگا جو مسکراہٹ ضبط کررہی تھی۔ تب ہی اس کا فون بجا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"جی نبیل بھائی! جی ضرور، کیوں نہیں۔ آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں، جی میں سب کو کہہ دیتا ہوں۔ اوکے، اللہ حافظ۔"

وہ سمجھ گئی تھی نبیل بھائی کا فون کیوں آیا تھا۔

www.pklibrary.com

"نبیل بھائی کا فون تھا۔ رات کو ڈنر پر انوائٹ کر رہے ہیں۔"

"آپ نے منع کر دینا تھا، ابھی تین دن ہوئے ہیں ہمیں آئے۔ میرا دل نہیں چاہ رہا کہیں بھی جانے کو۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"آئی نو یار! پرسنگار پور جانے سے پہلے بھی انہوں نے انوائٹ کیا تھا۔ اب بھی دو دن سے کہہ رہے ہیں۔ اچھا نہیں لگتا بار بار منع کرنا اور میں ماما اور ڈیڈی کو بھی کہہ چکا ہوں۔ اب موڈ ٹھیک کرو۔ اور اچھے سے تیار ہو جاؤ، تب تک میں بھی فریش ہو جاتا ہوں۔"

وہ کہہ کر واش روم میں چلا گیا۔ جبکہ وہ کتنی دیر ویسے ہی بیٹھی رہی۔

☆☆☆

اس کی توقع کے برعکس سونیا بھابھی اور نبیل بھائی نے کافی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا لیکن زرینہ آنٹی اور ان کی بیٹی کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ اس نے ناراضی سے اپنے بھائی دیکھا جس نے بہن کی تکلیف بھلا کر بیوی کی خوشنودی کے لیے سسرالیوں سے تعلقات بحال کر لیے تھے۔ وہ جتنا وقت وہاں رہی انہونی کے ڈر سے ہولتی رہی لیکن کوئی بات ایسی نہیں ہوئی۔

نبیل بھائی کے بلانے پر وہ باہر گئی تھی جبکہ سب اندر تھے۔ زرینہ نے ایک نظر نبیل اور عنایہ کو باہر جاتے دیکھا تھا اور دوسری نظر سونیا پر ڈالی جس نے اشارہ کر کے انہیں بات شروع کرنے کا اشارہ کیا تھا۔

"ویسے بڑا حوصلہ ہے آپ لوگوں کا، اپنا اتنا خوب صورت، لائق فائق لڑکا ایک طلاق یافتہ سے بیاہ دیا۔"

ان کے دکھ بھرے انداز پر چائے پیتی نائلہ کو اچھو لگا تھا جبکہ چائے کی طرف بڑھتا افنان کا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا تھا۔ ایسی ہی حالت ذیشان اور حفصہ کی تھی جبکہ سب سے بری حالت راحت صاحب کی تھی۔

"معاف کیجیے گا ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" نائلہ نے جیسے ان کی بات کی تردید کی تھی۔

"غلطی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے بیٹے سے ہوئی تھی عنایہ کی شادی، بس جی غرور پڑا تھا اسے اپنے حسن کا اور پھر کردار کی بھی خراب تھی۔ میرے بیٹے نے طلاق دے دی اسے۔"

وہ ایسے سینہ پھلا کر بولیں جیسے ان کے بیٹے نے طلاق دے کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ سونیا نے بغور سب کے چہرے دیکھے ان کا تیر نشانے پر لگا تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتے تھے یعنی عنایہ نے حماد سے جھوٹ بولا تھا اب مزہ آئے گا۔ سونیا دل میں مسکرائی۔

"تائی جی پلیز، خاموش ہو جائیں۔" سونیا نے گھبرانے کی ایکٹنگ کی تھی۔

"پلیز آنٹی! نبیل کے سامنے کچھ ظاہر مت کیجیے گا کہ تائی جی نے آپ کو کچھ بتایا ہے۔ دراصل ان کو نہیں پتا تھا کہ آپ کو نوید بھائی نے اس بات سے بے خبر رکھا ہے۔"

وہ سب تو اتنے شاکڈ تھے کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکے۔ سب سے پہلے راحت صاحب کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت یہاں سے جانا ہی بہتر تھا۔

"اچھا، اب اجازت دیں۔" راحت صاحب نبیل کے پاس رکے تھے لیکن افنان تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ عنایہ نے حیرت سے افنان کو جاتے دیکھا۔

"اس کا فون آیا ہے؟" انہوں نے نبیل کو وضاحت دی تھی۔

وہ باہر آیا تو اس کے ماتھے پر بل تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا سچ ہے۔ ہیلو کی آواز پر وہ مڑا تو سامنے کھڑے شخص کو اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں حماد ہوں، آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ کو جانتا ہوں۔"

افنان بمشکل وہاں کھڑا تھا، اس کا اس وقت کسی

www.pklibrary.com

سے بات کرنے کا موڈ نہیں تھا۔ وہ بے توجہی سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں عنایہ کا ایکس ہزبینڈ ہوں۔'' افنان نے چونک کر اسے دیکھا وہ اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

''یقیناً عنایہ نے آپ کو میرے بارے میں نہیں بتایا ہوگا حالانکہ میں نے اس سے کہا بھی تھا، آپ کو بتادے میرے بارے میں۔ آخر ایک دن پتا تو چلنا ہے۔ خیر میں سیدھے کام کی بات پر آتا ہوں۔ میں اور عنایہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔ وہ اتنا مجھے چاہتی تھی کہ اپنے باپ کے خلاف جا کر مجھ سے شادی کی تھی۔ لیکن کچھ غلط فہمی ہوگئی تھی، میں نے اسے کھو دیا لیکن اب ہم ایک ہونا چاہتے ہیں۔ اسی لیے اس نے آپ سے شادی کی۔ وہ یہ بات آپ کو بتانے میں جھجک رہی ہوگی۔ اسی لیے میں نے سوچا میں مل کر بتادوں کہ آپ ہمارے درمیان رکاوٹ ہیں۔ اس لیے بہتر ہوگا، آپ اسے طلاق دے دیں کیونکہ وہ آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔''

وہ اس کے سامنے بول رہا تھا اور اس کا منہ توڑنے کی خواہش رکھنے کے باوجود افنان خاموش کھڑا تھا کیونکہ وہ سچ اور جھوٹ کے درمیان جھول رہا تھا۔ راحت صاحب کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا جہاں راحت صاحب کے ساتھ عنایہ آرہی تھی۔ وہ مڑ کر ان کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے قریب رکا تھا۔

''تمہارا اپنے شوہر پر جو غرور ہے، وہ بہت جلد چکنا چور ہونے والا ہے اور آخر میں تم خود میرے قدموں میں گرو گی۔''

وہ سن اسے رہی تھی لیکن اس کی نظریں افنان کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر تھیں۔ وہ تیزی سے کار کا دروازہ کھول کر بیٹھا تھا۔ عنایہ بھاگنے کے انداز میں کار کی طرف بڑھی تھی۔ وہ بمشکل بیٹھی تھی۔ کار کا دروازہ بھی بند نہیں ہوا تھا کہ اس نے کار اسٹارٹ کردی۔ وہ بہت رش ڈرائیو کر رہا تھا، اس نے ڈرتے ڈرتے افنان کی طرف دیکھا جس کے تاثرات اتنے پتھر لیے تھے کہ وہ اس مخاطب ہونے کی ہمت ہی نہیں کرسکی۔

وہ جس بات سے ڈر رہی تھی، وہی ہوگئی تھی۔ اسے ایک پلان کے تحت سونیا بھابھی نے اپنے گھر بلایا تھا۔ ایک پلان کے تحت حماد افنان سے ملا تھا اور اس سے وہ اچھی بات کی توامید کر نہیں سکتی تھی۔ اس کی زندگی ایک بار پھر پلٹا کھا گئی وہ بے جان ہو کر سیٹ پر بیٹھی تھی۔

☆☆☆

گھر پہنچتے ہی ایک عدالت سج گئی تھی۔ وہ مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔ اسے پتا چل گیا تھا اس کی حقیقت کسی کو پتا نہیں تھی تب ہی تو اسے اتنی محبت مل رہی تھی اور حقیقت جاننے کے بعد وہ ہمت نہیں کر پا رہی تھی کہ کسی کی طرف دیکھ سکے۔

''اتنا بڑا دھوکا کوئی دیتا ہے، جس طرح تم لوگوں نے ہمیں دیا۔ ہم اتنی چاہت سے رشتہ لے کر گئے تھے لیکن بدلے میں ہمیں کیا ملا ایک طلاق یافتہ لڑکی!'' نائلہ کے زہر خند انداز پر سر جھکائے افنان نے بے ساختہ پہلو بدلا تھا۔

''بولو لڑکی! تمہیں شرم نہیں آئی، یہ رشتہ جوڑتے ہوئے۔'' وہ مسلسل سر جھکائے ہوئے تھی جبکہ آنسو قطرہ قطرہ کر کے اس کے قدموں میں گر رہے تھے۔

افنان کی نظریں پہلی بار اس کی طرف اٹھی تھیں اور پھر وہ جھٹکے سے باہر نکل گیا تھا۔ عنایہ کے آنسوؤں میں روانی آگئی تھی جبکہ اس کے اٹھنے پر راحت صاحب جو اس کے بولنے کے منتظر تھے چونک کر سیدھے ہوئے۔

''بس کرو نائلہ! جو ہونا تھا ہوگیا۔''

''کیوں ہوگیا، مذاق سمجھ رکھا ہے آپ نے، دھوکا دیا ہے ان لوگوں نے۔ سچ چھپا کر غلط بیانی کی ہے۔''

''کوئی غلط بیانی نہیں ہوئی۔ عنایہ نے مجھے پہلے ہی سب بتا دیا تھا۔'' وہ ایک دم چیخ کر بولے تو وہ تینوں حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔

www.pklibrary.com

"تو پھر آپ نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا۔ کیوں اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا ظلم کیا ہے۔" نائلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر دیں۔

"میرے بیٹے کی زندگی برباد کر دی آپ کی ہمدردی نے۔ میرا بچہ.....!" وہ اب باقاعدہ اونچی آواز میں رونے لگیں۔

"حفصہ بیٹا! عنایہ کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ یہ لڑکی اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ اسے بھیج دیں اس کے بھائی کے گھر۔"

نائلہ کے کہنے پر عنایہ نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔" راحت صاحب نے غصے سے انہیں دیکھا۔ "وہ کیوں جائے گی اس گھر سے، بہو ہے وہ ہماری۔"

"تھی..... اب نہیں رہے گی، جس کی وجہ سے یہ آئی تھی وہی اسے اب نہیں رکھنا چاہتا اور اس کا ثبوت اس کی خاموشی ہے۔"

ان کے کہنے پر عنایہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ حفصہ بے ساختہ اس کے پاس آئی۔

"چلو عنایہ!" وہ اس کا بازو تھام کر اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ نائلہ کے اونچا بولنے کی آواز اندر تک آ رہی تھی۔

"عنایہ پلیز، حوصلہ کرو۔" اسے بری طرح روتے دیکھ کر حفصہ کو اس پر بڑا ترس آیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ کتنی خوش تھی۔

"حفصہ!" وہ جو اس کا ہاتھ سہلا کر اسے تسلی دے رہی تھی۔ نائلہ کی آواز پر گھبرا کر کھڑی ہوئی باہر نکل گئی۔

اس کی ساری خوشی سکون ہوا ہو گیا تھا۔ "افنان کی محبت یہی تھی، صرف یہ جان کر وہ طلاق یافتہ ہے ختم ہو گئی محبت۔ اب وہ مجھے چھوڑ دے گا..... چھوڑ دے گا۔" وہ آنسوؤں کے ساتھ زیر لب دہرائے گئی۔

☆☆☆

وہ ایک دفعہ تو اس سے بات کرنا چاہتی تھی ایک خوش فہمی ابھی بھی تھی۔ وہ ساری رات اس کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن وہ گھر نہیں آیا۔

صبح سے دوپہر ہو گئی تھی۔ وہ اسی طرح بھوکی پیاسی کمرے میں بیٹھی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کسی کا سامنا کرتی۔ وہ بار بار افنان کا نمبر ملا رہی تھی لیکن وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ وہ بالکل نڈھال بیٹھی تھی، جب وہ کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر واش روم میں گھس گیا تھا وہ ان ہی کپڑوں میں تھا جس میں وہ اس دن تھا۔ کافی دیر بعد وہ باہر آیا تو کپڑے بدل چکا تھا اس نے اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

تکیہ اٹھا کر وہ صوفے کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ اتنا رو چکی تھی کہ سوجی آنکھوں میں مزید رونے کی سکت نہیں رہی تھی۔

وہ اٹھی تو اس کی کراہ نکل گئی۔ وہ گھنٹوں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

"افنان!" اس کے قریب جا کر جب پکارا تو لہجہ خود بخود رندھ گیا تھا لیکن وہ اسی طرح کروٹ بدلے لیٹا رہا۔

"افنان!" اس نے پھر پکارا۔ "کیا آپ میری کوئی بات نہیں سنیں گے۔"

"میں سونا چاہتا ہوں۔"

"افنان!" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اگر اب تم نے مجھے بلایا تو میں باہر چلا جاؤں گا۔"

وہ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی اور جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ افنان نے اٹھ کر لائٹ بند کر دی جبکہ وہ اندھیرے میں اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

پتا نہیں کب اس کی آنکھ لگی لیکن جب اس کی آنکھ کھلی، وہ جا چکا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی، وہ باہر جا کر نائلہ آنٹی کی باتیں سنتی، بھوک کے مارے

www.pklibrary.com

اس کا برا حال تھا۔ تب ہی راحت صاحب ٹرے لے کر اندر آئے۔ وہ احتراماً کھڑی ہونے لگی تھی، جب انہوں نے روک دیا۔ ٹرے سامنے رکھ کر انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا تو گہرا سانس لے کر رہ گئے۔

"کھانا کھاؤ بیٹا! کھانے سے کیسی ناراضی۔" انہوں نے سلائس اس کی طرف بڑھایا جو اس نے چپ چاپ تھام لیا۔

"بیٹا اس سے پہلے کہ تم مجھ سے کوئی شکایت کرو، میں خود تم سے معافی مانگ لیتا ہوں۔ تمہارا مجرم میں ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی میں نے افنان کے کہنے پر اعتبار کر لیا۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔"

اور سلائس کا ٹکڑا اس کے حلق میں اٹک گیا تھا۔

"وہ محبت کرتا ہے تم سے، یہ مجھے پتا ہے۔ اس کی طرف سے تم دل برا نہ کرو۔ یہ جو بھی ہے اس بات کا ردعمل ہے، وہ شاکڈ ہے اس وقت۔ میں بات کروں گا اس سے، تم پریشان نہ ہو۔"

"وہ مجھے چھوڑ دیں گے۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"اللہ نہ کرے بیٹا! ایسا ہو۔ میں نہیں جانتا اس وقت اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ بس اتنا پتا ہے کہ اگر وہ تم سے محبت کرتا ہے تو یہ بات معنی نہیں رکھتی اور اگر محبت نہیں تو....." انہوں نے بات مکمل نہیں کی تھی لیکن عنایہ سمجھ گئی تھی۔

"میرا ایک مشورہ ہے بیٹا! جب تک حالات بہتر نہیں ہوتے، تم اپنے گھر چلی جاؤ۔ یہاں رہو گی تو نائلہ زہر اگلتی رہے گی اور فضول بول بول کر افنان کا دماغ بھی خراب کرتی رہے گی۔"

"لیکن انکل! افنان....." وہ پریشان ہو کر بولی۔

"بیٹا! یہ وقت آر پار سوچنے کا ہے۔ تم اس کی نظر سے دور ہو گی تو پتا چلے گا کہ وہ تمہارے بغیر رہ سکتا ہے یا نہیں اور یہی اس محبت کی آزمائش کا ٹائم ہے جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا۔"

وہ بے بسی سے انہیں دیکھنے لگی جو پتا نہیں کیا سوچ کر بیٹھے تھے۔

☆☆☆

اس نے دروازہ کھولا تو سارا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر ساری لائٹس آن کر دیں۔ نظریں بے ساختہ بیڈ کی طرف گئیں۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ بے شکن بیڈ شیٹ اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور صوفے پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ گھڑی اتار کر سائیڈ پر رکھی پھر ایک نظر واش روم کے دروازے پر ڈال کر اس نے موبائل نکال لیا۔

دس منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے، وہ بے چینی سے بالوں میں ہاتھ چلانے لگا پھر اٹھ کر واش روم کے دروازے کے پاس آیا۔ "باہر آؤ مجھے جانا ہے۔" اس کے دو دفعہ کھٹکھٹانے پر جب کوئی جواب نہیں آیا تو اس نے ہینڈل گھمایا وہ لاک نہیں تھا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوا اندر کوئی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے باہر آیا۔ اس نے الماری کھولی اس کے سب کپڑے موجود تھے اس کی بے چین نظریں پورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی جائے نماز بھی وہیں پڑی تھی۔ اس کے سلیپر ڈور میٹ پر موجود تھے۔ وہ موبائل اٹھا کر باہر نکل آیا۔

سب ٹی وی لاؤنج میں موجود تھے وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ راحت صاحب نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی جو بے چین لگ رہا تھا وہ اور غور سے ٹی وی دیکھنے لگے۔

"کھانا لگواؤں افنان!" حفصہ نے پوچھا تھا۔

"جی لگوا لیں، باقی سب کو بھی بلا لیں۔" اس کا انداز سرسری سا تھا۔

"سب ہی تو موجود ہیں۔" حفصہ حیران ہوئی۔

"عنایہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ہے۔" راحت صاحب کا انداز سرسری سا تھا لیکن اس کے چہرے پر آنے والے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

"اچھا ہوا خود ہی چلی گئی ورنہ مجھے نکالنا پڑتا۔" نائلہ منہ بنا کر بولیں تو وہ جھٹکے سے کھڑا ہوا تھا۔

www.pklibrary.com

"افنان کھانا....." حفصہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"مجھے بھوک نہیں۔" وہ تیز تیز ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ راحت صاحب زیر لب مسکرا کر دوبارہ ٹی وی دیکھنے لگے۔

☆☆☆

وہ اس کے بہت قریب تھا وہ اس کی آنکھوں میں اپنا عکس صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا اس نے مسکرا کر اس کا چہرہ چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پھر چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے پہلو میں کوئی نہیں تھا۔ وہ بیڈ بھی اس کا نہیں تھا، وہ کمرہ بھی اس کا نہیں تھا۔ اس نے سیدھا لیٹتے ہوئے نظریں چھت پر ٹکا دیں۔

"افنان۔" اس نے دھیرے سے اس کا نام لیا تو آنسو آنکھوں کے کنارے سے نکلتے ہوئے بالوں میں جذب ہونے لگے۔

"کیا محبت ایسی ہوتی ہے افنان! کہ ایک غلط فہمی سے ختم ہو جائے۔" وہ اس کے تصور سے مخاطب تھی۔ "سب کی سن کر مجھے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر فیصلہ کر لیا مجھے چھوڑنے کا، مجھ سے تو پوچھتے میں کیا چاہتی ہوں کتنی محبت کرتی ہوں آپ سے وہ رو پڑی تھی۔

تین دن سے وہ نوید بھائی کے گھر تھی اس نے ایک دن بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا اور انکل نے اسے سختی سے منع کیا تھا خود سے رابطہ کرنے سے انتظار کر کے اس کا برا حال تھا۔

پل پل گنتی وہ مایوس ہو رہی تھی اور یہی مایوسی اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ بے چینی سے اٹھی لیکن اگلے ہی پل نڈھال ہو کر دوبارہ بیٹھ گئی اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کر رہی تھی جب سعدیہ بھابھی اندر داخل ہوئیں اور اس کے چہرے کا متغیر رنگ دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

"کیا ہوا عنایہ؟ طبیعت ٹھیک ہے۔" انہوں نے اس کی پیشانی کو چھوا جو بالکل سرد تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی کل سے دیکھ رہی ہوں رنگت پیلی پڑ گئی ہے۔ اٹھو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

"نہیں بھابھی مجھے ڈاکٹر کی ضرورت نہیں جس کی مجھے سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تو مجھے چھوڑ گیا ہے۔ افنان تو کہتے تھے وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے اب پتا نہیں کیسے رہ رہے ہیں۔"

وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

"بیٹا! حوصلہ رکھو ایسے ہمت نہیں ہارتے، میں نے نوید کو کتنا سمجھایا تھا کہ انہیں حقیقت بتا دیں لیکن انہوں نے اپنی من مانی کی اب سزا تم بھگت رہی ہو۔"

سعدیہ کو جب سے عنایہ آئی تھی اسی بات کا افسوس ہو رہا تھا۔

"بھابھی! میں نے انکل کو سب بتا دیا تھا لیکن انہوں نے افنان کو نہیں بتایا اور میں اب تک یہی سمجھتی رہی افنان سب جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں اتنی نڈر ہو گئی۔ میں بھول گئی تھی میرے تو اپنے ہی میرے دشمن ہیں۔" کچھ دیر کے لیے سعدیہ کچھ بول ہی نہیں سکیں۔

"یہ سب سونیا کا کیا دھرا ہے؟"

"میں نے ہمیشہ انہیں معاف کیا ہے بھابھی لیکن اس بار میں خود میں ہمت نہیں کر پا رہی کہ انہیں معاف کر دوں ان دونوں بہن بھائی نے مل کر یہ پلان کیا ہے اور شاید کامیاب بھی ہو گئے ہوں جب میں باہر نکلی حماد افنان سے بات کر رہا تھا یقیناً اس نے کچھ برا کہا جو افنان مجھ سے بات نہیں کر رہے ورنہ وہ تو مجھ سے خفا نہیں ہو سکتے۔"

کہہ کر وہ بری طرح رونے لگی۔

"پتا نہیں عنایہ! خوشیاں تمہیں راس کیوں نہیں آتیں۔" وہ اس کا سر کندھے سے لگاتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

وہ آج بھی ناشتا کیے بغیر نکل گیا تھا۔ نائلہ نے پریشانی سے اس کو جاتے دیکھا اور پھر غصے سے اپنے شوہر کو جو بڑے آرام سے ناشتہ کر رہے تھے۔

"آپ ادھر آرام سے ناشتا کر رہے ہیں۔ کچھ کریں، اتنے سے دنوں میں میرے بچے کی کیا حالت ہوگئی ہے۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ چائے پیتے ہوئے بولے۔

"تو اور کون کرے گا آپ نے اسے پھنسایا ہے اس رشتے میں۔"

"میں نے نہیں اس کی اپنی مرضی تھی۔"

"جو بھی تھا اب ختم کروائیں یہ سب، مجھے اب اس لڑکی کو اس گھر میں واپس نہیں لانا۔"

راحت صاحب نے ایک نظر نائلہ کو دیکھا اور کوئی بھی جواب دیئے بغیر کھڑے ہوگئے۔

☆☆☆

ان کو آتا دیکھ کر اس نے فون بند کر دیا تھا اور ان کا بات کرنے کا موڈ دیکھ کر اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے پیچھے کھسکا دیا تھا۔

"کیا سوچا ہے تم نے پھر؟"

"کس بارے میں؟" وہ نظریں چرا کر بولا۔

"عنایہ کے بارے میں۔" وہ خاموش رہا تھا۔

"تمہاری ماں کو لگتا ہے۔ میں نے تمہیں اس رشتے میں پھنسایا ہے حالانکہ مرضی تمہاری اپنی تھی۔ غلطی میری تھی جو تمہارا یقین کر کے عنایہ سے تمہاری شادی کروادی۔ تمہاری محبت تو ایک طلاق کا لفظ سن کر ہی اڑن چھو ہوگئی۔"

"ڈیڈی!" وہ ناراضی سے بولا۔

"کیا ڈیڈی! میں نے کہا تھا افنان! مجھے عنایہ کے سامنے شرمندہ مت کروانا نہ اس کا بھروسا توڑنا جو اسے تم پر ہے لیکن اب....." انہیں اچانک غصہ آ گیا تو انہوں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ "خیر یہاں میں تمہاری ماں کا پیغام دینے آیا ہوں تمہاری ماں چاہتی ہے یہ رشتہ ختم ہو جائے اور مجھے لگتا ہے تم بھی یہی چاہتے ہو۔"

"ڈیڈی!"

"کیا ڈیڈی! غلط تو نہیں کہہ رہا، کتنی محبت کرتی ہے وہ لڑکی تم سے اور تم....."

"تو میں نہیں کرتا کیا؟" وہ اسی ناراضی سے بولا۔

"لگتا تو نہیں، اس کے بغیر کتنے آرام سے رہ رہے ہو۔"

"آپ کو لگتا ہے میں آرام سے ہوں جب سے گئی ہے، ایک دن آرام سے نہیں سویا۔ میں انسان ہوں ڈیڈی! اتنی بڑی بات سامنے آئی تھی تو میں کیسے ری ایکٹ کرتا۔ کیا چپ بھی نہیں رہ سکتا۔ میں اس سے اس وجہ سے ناراض ہوں۔ اس نے آپ کو بتایا، مجھے کیوں نہیں۔ شادی کے بعد بتا دیتی تو یوں کسی اور کے منہ سے سن کر میں یوں شاکڈ نہ ہوتا جب سب اس پر الزام تراشی کر رہے تھے اس کے لیے بول تو سکتا۔ وہ گھٹیا آدمی اتنی فضول باتیں کر کے گیا میں اسے جواب ہی نہیں دے سکا۔ کیسے دیتا میں کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ عنایہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ وہ مجھے بتائے بغیر اپنے بھائی کے گھر چلی گئی۔ اس کو اب میں کیا سمجھوں۔" وہ جیسے بھرا بیٹھا تھا۔

راحت صاحب مسکرا دیے۔ "میں نے اسے جانے کو کہا تھا۔"

"کیوں؟" وہ غصے سے بولا۔

"تو کیا اسے تمہارا اور تمہاری ماں کا سوجا ہوا منہ دیکھنے کے لیے بٹھائے رکھتا۔ تم خود باہر چلے جاتے تھے۔ پیچھے سے تمہاری ماں اسے کیسی کیسی باتیں سناتی تھی۔ تمہارے بھروسے سے آئی تھی۔ تم اس کی ڈھال تھے اور تم نے اسے اکیلا چھوڑ دیا تو وہ کیا کرتی۔"

"مجھ سے بات کر لیتی ڈیڈی۔"

"تو تم کر لیتے۔" وہ سر جھکا گیا۔

"میری بات سنو افنان! تم نے اسے ہرٹ کیا

www.pklibrary.com

ہے۔ وہ تمہیں اب تلخ بھی کہے تو تمہیں برداشت کرنی ہوگی۔"

"میں منالوں گا اسے ڈیڈی! بس آپ میرے ساتھ چلیں۔" وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر اس کے ساتھ چل پڑے تھے۔

☆☆☆

بیل بجانے کے بعد انہوں نے دائیں طرف کھڑے افنان کو دیکھا جو دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے اضطرابی انداز میں کھڑا تھا۔

"ڈر رہے ہو۔"

"ڈیڈی! پلیز۔" ان کے مذاق اڑانے والے انداز پر وہ نروٹھے پن سے بولا۔ تب ہی گیٹ کھلا تھا اور ان کو سامنے دیکھ کر سبین کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"خیریت ہے۔" افنان نے چونک کر پوچھا۔

"جی، آپ اندر آئیں۔" وہ گھبراہٹ پر قابو پا کر بولی۔

"عنایہ کدھر ہے؟" رحمت صاحب نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

"ڈرائنگ روم میں ہیں۔"

"کوئی آیا ہوا ہے۔"

"جی نبیل بھائی ہیں۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"اوکے، اسے مت بتانا ہم آئے ہیں۔ ہم یہاں اس کا ویٹ کر لیتے ہیں۔" وہ صوفے پر بیٹھے جبکہ سبین اب ہاتھ مروڑتی کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔

"کوئی بات ہے سبین؟" نا جانے کیوں افنان کو کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ تب ہی نبیل کے زور سے بولنے کی آواز آئی تھی۔

وہ تینوں چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ سبین کے پیچھے وہ دونوں بھی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے لیکن عنایہ کی آواز سن کر وہ دونوں باہر ہی رک گئے تھے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کیوں آپ لوگ بار بار میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے لیے اسے میرے سامنے لے آتے ہیں۔"

"میں لے کر آیا ہوں انہیں، تم مجھے سچ بتاؤ۔ اس دن جو ہوا تھا اس میں سونیا شامل تھی کہ نہیں؟" عنایہ نے ایک نظر سونیا پر ڈالی جو بڑی نخوت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بھائی آج تک میری زندگی میں جو بھی مصیبتیں آئی ہیں وہ سونیا بھابھی کی وجہ سے آئی ہیں۔" اب کے سونیا نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا خیال تھا وہ آج بھی چپ رہے گی۔

"اب تک جو بھی ہوتا رہا۔ میں چپ چاپ برداشت کرتی رہی لیکن اب میری برداشت جواب دے گئی ہے۔ تھک گئی ہوں، اپنی ذات کی صفائیاں دیتے دیتے۔ آپ جاننا چاہتے تھے نا نوید بھائی کہ میں اس دن حماد کے گھر کیوں گئی۔ مجھے وہاں لے جانے والی سونیا بھابھی تھیں۔"

"یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" سونیا ایک دم چیخی۔

"تم چپ رہو۔" نوید نے انگلی اٹھا کر اسے بولنے سے روکا۔ "انہوں نے مجھے کہا کہ حماد نے اپنی جان لینے کی کوشش کی ہے۔ وہ آخری بار مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی میری غلطی نہیں مجھے نہیں جانا چاہیے تھا لیکن میری نیت غلط نہیں تھی مجھے کیا پتا تھا سونیا بھابھی پیار ہمدردی کی آڑ میں میرے ساتھ کیا کرنا چاہ رہی ہیں۔ میں صرف حماد کو منع کرنے گئی تھی لیکن ان دونوں کا پلان کیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی۔ میں اس وقت چیختی رہی لیکن کسی نے میری ایک نہیں سنی۔ ابا جی نے کہا میں مر گئی ان کے لیے اور بھائی میں واقعی مر گئی تھی کیونکہ میرے اپنوں نے میرا یقین نہیں کیا تھا۔

یہ پاگلوں کی طرح مجھے مارتا رہا، بھوکا رکھتا تھا مجھے میں سب چپ چاپ برداشت کرتی رہی۔ لیکن جب اس نے میرے کردار پر بات کی تو پہلی بار میں بولی بس اتنا کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔ اس نے مجھے جانوروں کی طرح مارا۔ میرے سارے جسم پر نیل تھے۔ آپ اس بات کے گواہ ہیں نوید بھائی! اگر میری روح اور جسم کو اس شخص نے لہولہان کیا تو سونیا بھابھی

www.pklibrary.com

ان کی تائی اس میں پوری طرح شامل تھیں۔ یہ لوگوں کے سامنے میرے کردار کی ایسی تصویر کشی کریں کہ لوگ مجھے بدکردار ہی سمجھتے۔ اس لیے تو کوئی مجھ سے رشتہ نہیں جوڑتا تھا اور اگر اللہ نے مجھے معاف کر کے افنان کو میری زندگی میں شامل کیا تو پھر ان لوگوں کو برداشت نہیں ہوا۔ گھر بلا کر ان کو میرے بارے میں بتایا اور یہ شخص اس نے مجھے دھمکیاں دے دے کر مجھے کتنا ٹارچر کیا ہے۔ مجھے پتا ہے۔"

"یہ میں کیا سن رہا ہوں نبیل؟" نوید نے غصے سے نبیل کو دیکھا جو ان انکشافات پر ہکا بکا بیٹھا تھا۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا بھائی! یہ اتنی خطرناک، مکار عورت ہے۔ یہ مجھے یہ کہہ کر یہاں لائی تھی کہ آنٹی اور حماد کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ معافی مانگنا چاہتے ہیں۔"

"میں نے غلط نہیں کہا، حماد معافی مانگنا چاہتا ہے۔ اپنی غلطی کا کفارہ کرنا چاہتا ہے۔" سونیا جلدی سے بولی۔

"کیسا کفارہ۔" نوید بھائی ماتھے پر بل ڈال کر بولے۔

"میں عنایہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اندر جتنے لوگ تھے ان کو سانپ سونگھ گیا تھا جبکہ باہر کھڑے افنان کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔

"یہ آج قتل ہو جائے گا میرے ہاتھوں۔" نوید غصے سے آگے بڑھا۔

"عنایہ کی شادی ہو چکی ہے۔" کب کی خاموش بیٹھی سعدیہ نے پہلے نوید کا بازو پکڑ کر انہیں روکا پھر حماد کی طرف دیکھا۔

"جانتا ہوں، اسی لیے کہہ رہا ہوں وہ اپنے شوہر سے طلاق لے کر مجھ سے دوبارہ شادی کر لے۔"

افنان نے ایسی نظروں سے راحت صاحب کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو، یہ آدمی پاگل تو نہیں۔ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے کول ڈاؤن رہنے کو کہا تھا۔ حماد عنایہ کی طرف بڑھا تھا۔

"عنایہ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ میں بہت پچھتا رہا ہوں۔ ایک دفعہ معاف کر کے میرے پاس واپس آ جاؤ۔ میں کبھی تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا، جیسے تم کہو گی ویسے کروں گا۔"

عنایہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "پہلے مجھے تم سے بہت ڈر لگتا تھا لیکن اب مجھے تم سے گھن آ رہی ہے میں مر کر بھی تمہارے پاس واپس نہ آؤں۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش ہوں۔"

"کیسا شوہر۔" وہ جو ابھی کھکھیا رہا تھا۔ جارحانہ انداز میں بولا۔ "وہ شوہر جس کی محبت کا تم دم دم بھرتی ہو، جس پر تمہیں بڑا مان تھا۔ وہ شوہر جس نے تمہارا ماضی جان کر تمہیں گھر سے نکال دیا۔"

اب کے نوید اور نبیل نے چونک کر اسے دیکھا اس نے یہی کہا تھا وہ کچھ دن ان کے ساتھ رہنے آئی ہے۔

"انہوں نے مجھے نہیں نکالا میں خود آئی ہوں۔"

"واہ!" وہ طنزیہ ہنسا۔

"تم آئیں یا اس نے نکالا بات تو ایک ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اب اس کے گھر اور دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اب تم جتنا بھی جھوٹ بولو، میں سب جانتا ہوں۔ میں نے خود تمہارے بارے میں اس سے ایسی باتیں کی ہیں کہ وہ پلٹ کر تمہیں دیکھے گا بھی نہیں اور دیکھو ایسا ہی ہوا ہے۔ اب تمہارے پاس ایک ہی راستہ ہے۔ اس سے پہلے وہ تمہیں چھوڑے تم اسے چھوڑ دو۔"

عنایہ کا سر ایک بار پھر چکرانے لگا تھا وہ بے اختیار سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ اندر چھائی خاموشی پر افنان کا دل ڈوب گیا تھا۔ سعدیہ بے اختیار عنایہ کی طرف بڑھی۔

"نوید! کیوں مذاق بنایا ہوا ہے اس بچی کی زندگی کو۔ کیوں بار بار اسے آزماتے ہیں جو بکواس یہ کر رہا ہے۔ وہ ناممکن ہے۔ آپ ان لوگوں سے کہیں نکل جائیں یہاں سے۔"

www.pklibrary.com

انہوں نے عنایہ کو بازو کے گھیرے میں لے کر دیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور اپنی ماں اور بہن کو بھی ساتھ لے کر جاؤ۔" نبیل کے کہنے پر سونیا نے بے یقینی سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

"نبیل! میرا قصور کیا ہے؟"

"ابھی بھی تم اپنا قصور پوچھ رہی ہو سونیا! میں ابھی تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

"بھائی!" وہ چکراتے سر کے ساتھ چیخی تھی۔

"نہیں بھائی آپ یہ گناہ مت کریں۔"

نبیل نے ہونٹ بھینچ لیے تھے اور نوید کی طرف مڑا۔

"بھائی! اس سے کہیں میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جائے ورنہ میں کچھ غلط کر دوں گا۔"

نبیل نے ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے۔" نوید بھائی کے چیخنے پر وہ مزید سعدیہ بھابھی سے لپٹ گئی۔

"یاد رکھنا عنایہ! اگر تم میری نہیں ہوئیں تو میں تمہیں کسی اور کا بھی نہیں رہنے دوں گا۔ میں بھی تمہیں خوش نہیں رہنے دوں گا۔" وہ اب دھمکیوں پر اتر آیا تھا جبکہ سونیا اور اس کی ماں اسے گھسیٹ کر باہر لے جا رہے تھے۔

"عنایہ! تم ٹھیک ہو۔" نوید بھائی نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا جو بالکل سفید پڑ گیا تھا۔

"سعدیہ! اسے اندر لے جاؤ۔" وہ بمشکل اٹھی تھی۔ لیکن سامنے کھڑے افنان اور راحت صاحب کو دیکھ کر اس کی ہمت جیسے جواب دے گئی تھی وہ سعدیہ کے بازوؤں سے پھسلتی ہوئی زمین پر گری تھی۔

☆☆☆

"تم لوگوں کی کوئی لڑائی ہوئی ہے افنان؟" کب سے خاموش بیٹھے افنان کو دیکھتے ہوئے نوید بھائی بول پڑے تھے وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"نہیں۔"

"تو پھر عنایہ اتنے دن سے یہاں کیوں ہے۔"

"میں نے بھیجا تھا۔" اس کے بولنے سے پہلے راحت صاحب بول پڑے تھے۔

"اس دن نبیل کے گھر جو حقیقت پتا چلی تھی، نائلہ بہت اپ سیٹ تھی اور میں نہیں چاہتا تھا۔ وہ کچھ الٹا سیدھا عنایہ کے سامنے بولے جس سے وہ ہرٹ ہو اس لیے میں نے اسے کہا کہ اپنے گھر چلی جائے۔" نوید صاحب نے گہرا سانس لیا۔

تب ہی ڈاکٹر کے ساتھ سعدیہ باہر آئی تھی۔

"کب سے ان کی طبیعت خراب ہے۔"

"چار دن ہو گئے ہیں، دیکھ رہی ہوں اچانک اسے چکر آنے لگتے تھے۔ کیا کوئی پریشانی والی بات ہے؟" سعدیہ بھابھی پریشانی سے بولیں۔

"بہت ویک ہے۔

"ایسا لگتا ہے عنایہ ٹھیک سے کھانا نہیں کھاتی حالانکہ ایسی کنڈیشن میں زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"میں سمجھی نہیں ڈاکٹر۔"

"شی از پریگنینٹ آپ کو نہیں پتا۔" ڈاکٹر الٹا ان سے پوچھنے لگی۔ سعدیہ نے بے ساختہ نظروں سے افنان کو دیکھا لیکن اس کے چہرے سے لگ رہا تھا وہ بھی اس بات سے بے خبر ہے۔

☆☆☆

سبین گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر کھڑی ہوئیں۔

"سونیا چچی کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔"

"الٰہی خیر!" سعدیہ نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھا۔

"ان کے ساتھ حماد بھی تھا۔" سبین نے کہتے ہوئے کن اکھیوں سے عنایہ کو دیکھا۔ "اس کی موقع پر ڈیتھ ہو گئی جبکہ چچی کی حالت کریٹیکل ہے۔ پاپا ہسپتال جا رہے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔" سعدیہ نے عنایہ کی طرف دیکھا۔

"آپ جائیں بھابھی! میں ٹھیک ہوں۔" وہ

www.pklibrary.com

نارمل انداز میں بولی تو سعدیہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

نائلہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ کیسے ری ایکٹ کریں۔

''یہ ہو کیا رہا ہے، میں کوئی غیر ہوں جو اتنی بڑی خبریں مجھے سب سے آخر میں ملتی ہیں۔'' وہ باری باری اپنے شوہر اور بیٹے کا منہ دیکھ رہی تھیں۔

''تمہیں بھی ابھی پتا چلا ہے۔'' راحت صاحب کے کہنے پر وہ افنان کو دیکھنے لگیں۔

''تمہیں بھی نہیں پتا تھا۔'' وہ سر نفی میں ہلا کر دوبارہ مراقبہ میں چلا گیا۔

''آپ کو اسے گھر لے کر آنا چاہیے تھا۔'' نائلہ کے کہنے پر وہ ابرو اچکا کر انہیں دیکھنے لگے۔

''کیوں، تم تو اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔''

''آپ تو ہر بات دل پر لگا کر بیٹھ جاتے ہیں غصے میں انسان کے منہ سے الٹا سیدھا نکل جاتا ہے۔ ورنہ وہ بچی تو بڑی اچھی اور نیک طبیعت کی ہے اور سب سے بڑی بات وہ میرے افنان کی پسند ہے۔ اس کے بغیر میرے بچے کا اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔ اور اب اتنی بڑی خوش خبری آنے والی ہے۔ میں نے سب کچھ معاف کر دیا ہے۔'' وہ طمانیت سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

''تم نے معاف کیا ہے لیکن اس نے تمہیں معاف نہیں کیا وہ اب اس گھر میں نہیں آنا چاہتی۔'' نائلہ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

''آپ نے اسے سمجھایا نہیں۔'' وہ راحت صاحب سے کہہ رہی تھیں۔

''میں کیوں سمجھاتا غلطی تم دونوں کی ہے۔''

''میں نے کیا کیا ہے ڈیڈی۔'' وہ کب سے چپ بیٹھا تھا جھنجھلا کر بولا۔

''یہ بھی میں بتاؤں برخوردار۔''

''چھوڑیں یہ سب افنان تم مٹھائی کا بندوبست کرو میں خود اپنی بہو کو لے کر آتی ہوں۔'' افنان اور راحت صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا جو خود بخود مسکرا رہی تھیں۔

☆☆☆

نائلہ بیگم کی آمد اس کے لیے حیرانی سے زیادہ پریشانی کا باعث تھی۔ وہ سست قدموں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہ سعدیہ بھابھی سے سونیا بھابھی کی موت کا افسوس کر رہی تھیں جب وہ اندر آئی تو انہوں نے بڑے والہانہ انداز میں اسے خود سے لپٹا لیا تھا۔ وہ حیران ہوتی ہوئی ان کے ساتھ بیٹھ گئی وہ اب اس کا ہاتھ تھامے سونیا بھابھی کا افسوس کر رہی تھیں۔

''اللہ کی مرضی کے آگے انسان بے بس ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اہل خانہ کو صبر دے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے مدد طلب نظروں سے راحت صاحب کو دیکھا جو نظروں کا زاویہ بدل کر انجان بن گئے تھے۔

''بیٹا ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔'' وہ گلا کھنکھار کر بولیں تو عنایہ نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''دیکھو بیٹا! اس سے پہلے تم کچھ کہو میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''جو کچھ ہوا وہ اتنا اچانک اور شاکنگ تھا کہ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ مجھے پتا ہے میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔ جو ماضی میں ہوا ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں تم میرے افنان کی بیوی ہو میرے ہونے والے پوتے پوتی کی ماں ہو ہمارے گھر کی عزت ہو میں نہیں چاہتی میری غلطی کی سزا افنان کو ملے وہ بہت پریشان ہے۔'' عنایہ نے بے ساختہ پہلو بدلا۔

''پلیز آنٹی آپ میری ماں کی طرح ہیں۔''

''تو بیٹا مائیں تو اولاد کو بہت کچھ کہتی ہیں تم اچھی بیٹی بن کر ماں کو معاف کر دو۔'' عنایہ نے ایک نظر ان کا چہرہ دیکھا اور روتے ہوئے ان کے گلے لگ گئی۔

''بس بیٹا رو کر مجھے شرمندہ نہ کرو۔ تمہیں پتا

www.pklibrary.com

ہے افنان کے بعد پہلی بار ہمارے گھر کوئی بچہ آ رہا ہے، میں اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی جب راحت نے مجھے بتایا تو میں خود کو روک نہیں سکی۔ میں چاہتی ہوں تم گھر آ جاؤ تم اور حفصہ ہی تو میرے گھر کی رونق ہو۔"

وہ اسے ساتھ لگائے کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں جبکہ راحت صاحب نے طمانیت سے مسکراتے ہوئے سعدیہ کو دیکھا۔ "سچ کہتے ہیں اصل سے سود پیارا ہوتا ہے ابھی بچہ آیا نہیں اور کایا پلٹ گئی ہے، آج میری بیگم کے منہ سے آگ کے بجائے پھول برس رہے ہیں۔"

"راحت آپ کبھی بھی طنز کرنے سے باز نہیں آتے۔" نائلہ نے ناراضی سے انہیں دیکھا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

☆☆☆

جب وہ گھر آئی تو اتنی چاہت سے اس کا استقبال کیا گیا کہ وہ شرمندہ ہو کر رہ گئی۔ لیکن جسے سب سے پہلے یہاں ہونا چاہیے تھا وہ ہی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا اس کا دل ابھی بھی اس کی طرف سے صاف نہیں ہوا تھا۔ اس کا دل ایک دم بجھ کر رہ گیا۔ نائلہ نے اس کا چہرہ دیکھا جو تھکا تھکا لگ رہا تھا۔

"جاؤ بیٹا! تم جا کر آرام کرو۔"

"جی۔" وہ سست قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے تک آئی۔ دروازہ کھولتے ہی اسے جھٹکا لگا تھا۔

سارا کمرہ پھولوں سے سجا تھا اور جگہ جگہ کینڈل جل رہی تھیں، جو ماحول کو رومانٹک بنا رہی تھیں۔ اس کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی حیران نظروں سے سب دیکھ رہی تھی لیکن دائیں طرف نظر پڑتے ہی وہ ساکت ہو گئی تھی وہ جانے کب سے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکا کر رخ بھی بدل گئی تھی اور بیڈ کے قریب جا کر تکیہ اٹھا کر صوفے کی طرف بڑھنے لگی جب وہ اس کے بالکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دائیں طرف ہوئی تو وہ پھر آگے آ گیا وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی تب ہی اس نے تکیہ اس کے ہاتھ سے لے کر واپس بیڈ پر پھینک دیا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"ناراض ہو؟" اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ روئے گی نہیں لیکن اسے اچانک بہت رونا آ رہا تھا اور ضبط کرنے کے چکر میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ ناراضی سے ہاتھ کھینچنے لگی تھی لیکن اس کی گرفت سخت تھی اب وہ اسے بازو کے گھیرے میں لے کر بیڈ تک لے آیا تھا اسے بٹھا کر خود وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"ناراض ہو مجھ سے؟"

"مجھے ایسا کوئی حق نہیں کہ میں ناراض ہوں، ناراض ان سے ہوا جاتا جن پر مان ہو جبکہ میرا مان تو آپ نے توڑ دیا جب آپ دوسروں کی باتوں پر یقین کر کے مجھ سے بدگمان ہوئے صرف ایک طلاق کا لفظ سن کر آپ کی محبت ختم ہو گئی۔ میں نے تو آپ کے ساتھ کوئی بے ایمانی نہیں کی تھی میں نے سچ بتا دیا تھا۔ وہ الگ بات ہے۔ وہ آپ تک نہیں پہنچا۔ مجھے جب سب سے زیادہ آپ کی ضرورت تھی۔ آپ نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا یہ جانے بغیر میں کتنی اذیت میں ہوں۔ یہ ڈر آپ مجھے چھوڑ دیں گے کیسے مجھے ختم کر رہا تھا۔ اب بھی آپ مجھے لینے نہیں آئے آنٹی انکل آئے۔ وہ بھی شاید اس لیے کہ میں ان کو ان کا وارث دینے والی ہوں۔ ورنہ میری ضرورت تو کسی کو نہیں۔"

کہنے کے بعد اس کا حوصلہ ختم ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ افنان کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا جب اسے لگا کہ وہ بھڑاس نکال چکی ہے تو اس کے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹا کر اسے دیکھنے لگا جس کا سارا چہرہ نم تھا۔ اس نے بڑے پیار سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

www.pklibrary.com

"اب میں کچھ بولوں۔ اتنی جلدی تمہارا مان ٹوٹ گیا۔ تم مجھے بتاؤ میں نے کہاں تمہارا مان توڑا؟ میں انسان ہوں عنایہ! شک تو ولیوں کے دل میں بھی آجاتا ہے میں تو پھر انسان ہوں۔ لیکن اللہ گواہ ہے نہ تو میں نے تم پر شک کیا اور نہ ہی بدگمان ہوا، نہ یہ جان کر کہ تمہاری پہلے شادی ہوئی ہے میری محبت کم ہوئی۔ بلکہ تمہارے دور جانے سے مجھے پتا چلا میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔ میں بس شاکڈ ہوگیا تھا اتنی اچانک وہ بات میرے سامنے آئی کہ میں بلینک ہوگیا تھا۔ لیکن تم خود بتاؤ کیا یہ سب جان کر میں نے تمہاری ڈس ریسپکٹ کی۔ تمہیں کوئی طعنہ دیا۔ کوئی اذیت پہنچائی میں بس خاموش ہوگیا تھا۔ اور جہاں تک پوچھنے کی بات ہے تو میں تب پوچھتا جب مجھے تمہارے ماضی کو لے کر کوئی ایشو بنانا ہوتا۔

مجھے بس غصہ اس بات کا تھا تم نے سب ڈیڈی کو بتایا مجھے نہیں چلو مان لیا شادی سے پہلے تمہیں میری کسی عادت کا پتا نہیں تھا۔ لیکن بعد میں تو تم بتا سکتی تھیں نا۔ اگر تم مجھے سب بتا دیتی تو میں اس عورت اور اس آدمی کا منہ توڑ دیتا جو تمہارے خلاف اتنی بکواس کر رہے تھے۔ وہ جب تمہارے بارے میں مجھ سے بات کر رہا تھا نہ میں نے اس کا یقین کیا تھا نہ میں تم سے بدگمان ہوا تھا۔ بس دکھ ہوا تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کیونکہ جو باتیں وہ کر رہا تھا، میں غصہ کرنے کے باوجود اسے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ ایک شکایت اور بھی ہے مجھے تم سے جب تمہیں پتا ہے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا پھر تم مجھے بتائے بغیر کیوں نوید بھائی کی طرف گئیں۔ کیا میں ہرٹ نہیں ہوسکتا۔"

عنایہ جو پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھ اور سن رہی تھی جلدی سے بولی۔

"مجھے انکل نے جانے کو کہا تھا۔"

"اب خود دیکھ لو کس نے کس کا مان توڑا ہے۔ کیا تم مجھ سے نہیں کہہ سکتی تھیں۔ اس وقت جتنی تکلیف میں تم تھیں۔ میں بھی تھا۔ کیا اس مشکل وقت میں تمہیں مجھے چھوڑ کر جانا چاہیے تھا۔"

"سوری!" اس کے استفسار پر وہ شرمندہ ہو کر بولی۔ وہ اتنی ہی سادہ اور صاف دل کی تھی افنان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تم نے مجھے میرے بچے کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"وہ مجھے بھی نہیں پتا تھا۔" اب کے وہ سر جھکا کر دھیمی آواز میں بولی۔ افنان کتنی دیر تک اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ وہ اب بھی اس سے شرما رہی تھی۔ افنان نے گہرا سانس لیا۔

"اگر ابھی بھی تمہارا دل صاف نہیں ہوا تو تم جو چاہے مجھے سزا دے سکتی ہو بس مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔"

عنایہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اس کے دیکھنے پر اس نے دونوں کان پکڑ لیے تھے۔ اس کی آنکھیں نم پانی سے بھرنے لگیں وہ ایک دم روتے ہوئے اس کے سینے سے لگ گئی۔

"آپ کا دل بہت بڑا ہے افنان! پتا نہیں میری کس نیکی کے صلے میں اللہ نے آپ جیسا شخص میرے نصیب میں لکھ دیا۔ میرے بارے میں اتنا کچھ جان کر بھی آپ نے مجھ پر شک نہیں کیا مجھے طعنے نہیں دیئے پھر بھی مجھے اپنا لیا۔"

"عنایہ! آئندہ یہ بات کبھی نہیں ہوگی۔ ماضی اب ہمارے حال اور مستقبل کے درمیان کبھی نہیں آئے گا۔ تم میری بیوی ہو، میری محبت ہو اور میرے ڈھیر سارے ہونے والے بچوں کی ماں ہوں۔ میں ہمیشہ تمہیں اتنا ہی پیار کروں گا چاہے میں نوے سال کا ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔"

وہ اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا تو وہ روتے روتے کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ اسے پتا چل گیا تھا اگر محبت ہو تو کوئی بدگمانی دو لوگوں کے درمیان نہیں آسکتی۔

www.pklibrary.com

راشدہ رفعت

یک شد

دنیا والے اگر ماہم کی زندگی پر رشک کرتے تو یہ رشک کچھ بے جا نہ تھا پڑھا لکھا۔ کماتا کماتا خوبرو شوہر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سسرالی رشتہ داروں کا کوئی ٹنٹا نہ تھا۔ ساس سسر تو کب کے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ فرہاد کے تین بھائی اپنی نوکریوں کی وجہ سے الگ الگ شہروں میں بستے تھے۔

آبائی مکان میں فقط فرہاد کو رہنا نصیب ہوا تھا کہ خوش قسمتی سے اسے نوکری بھی یہیں مل گئی تھی۔ شازیہ باجی جو ماہم کی اکلوتی نند کے رتبے پر فائز تھیں وہ قریب ہی رہتی تھیں اور چھوٹے بھائی کی حتی المقدور خبر گیری کرنا بھی ان ہی کے فرائض میں شامل تھا لیکن جب انہیں بھی بچوں کی پڑھائی کی خاطر قریبی بڑے شہر میں شفٹ ہونا پڑا تو انہوں نے ہنگامی طور پر فرہاد کا رشتہ تلاش کر کے اسے شادی کے بندھن میں باندھ دیا حالانکہ فرہاد جو ابھی نیا نیا ہی نوکری سے لگا تھا اتنی جلدی شادی کے حق میں نہ تھا لیکن شازیہ باجی کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ خیر شادی کے بعد ماہم کا ساتھ پا کر وہ بہن کے فیصلے کی درستگی کا قائل ہو گیا تھا۔ ماہم اچھے مزاج کی، سلجھی ہوئی اور سمجھ دار لڑکی تھی۔ وہ اس کا ساتھ پا کر بہت مسرور تھا۔ فرہاد کے ساتھ ماہم بھی خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کر رہی تھی لیکن یہ زندگی مزید خوش گوار ہو سکتی تھی جو حسن فرہاد کا جگری دوست نہ ہوتا۔

حسن سے ماہم کا پہلا تعارف سہارگ رات کو ہی ہو گیا تھا۔ سسرال پہنچ کر رسموں اور فوٹو سیشن کے بعد فرہاد جانے کہاں غائب ہو گیا۔ شازیہ باجی اور ماہم کی بڑی جیٹھانی نائلہ نے اسے حجلۂ عروسی میں پہنچایا۔ نائلہ بھابھی نے ہی ماہم کو فرہاد کی غیر موجودگی کا سبب بتایا۔

"فرہاد کے دوست کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ بس وہ اسی کا حال پوچھنے چلا گیا۔ بہت گہرا دوست ہے وہ فرہاد کا۔"

"جگری یار ہے حسن اس کا، بس یوں سمجھو کہ یک جان دو قالب ہیں بچپن سے دونوں کی گہری دوستی ہے۔"

شازیہ باجی نے نائلہ بھابھی کی بات پر ٹکڑا لگایا۔ ماہم کو شوہر کی دوستی پر کیا اعتراض ہونا تھا لیکن دل ہی دل میں تھوڑی جز بز ضرور ہوئی۔

"جتنا مرضی گہرا دوست ہوتا لیکن کم از کم آج تو فرہاد کو دوست کے بجائے بیوی کے پاس موجود ہونا چاہیے تھا۔"

کچھ انتظار کے بعد فرہاد آ گیا تھا۔ تاخیر سے آنے پر معذرت بھی کی اور تاخیر کا سبب بھی بتایا۔

"حسن میرا بیسٹ فرینڈ ہے۔ میری شادی پر پاگلوں کی طرح کاموں میں جتا رہا۔ نہ کھانے پینے کا ہوش نہ آرام کا خیال کیا۔ اب جناب کا بی پی لو ہو گیا تھا۔ چکرا کر گر پڑا۔ اب بھی ڈرپ لگی ہوئی ہے اسے۔"

فرہاد بتا رہا تھا۔ ماہم جی ہی جی میں حیران ہوئی وہ تو سمجھتی تھی بلڈ پریشر کا گھٹنا خالص زنانہ بیماری ہے۔ اس کی امی، بہنوں، بھابھیوں کا اکثر بی پی لو ہو جاتا تھا۔ کسی مرد کا بی پی لو ہونا وہ پہلی بار سن رہی تھی۔ فرہاد حسن کی طبیعت کے بعد اس کی اور اپنی دوستی سے آگاہ کر رہا تھا۔

ماہم بے مزہ ہوئی۔ وہ اس رات فرہاد کے لبوں سے کچھ اور سننے کی متمنی تھی۔ فرہاد نے اس کے حسن کی تعریف بھی کی، ہمیشہ ساتھ نبھانے کے عہد و پیمان بھی ہوئے لیکن ان باتوں کا نمبر بعد میں آیا۔ پہلا ذکر حسن اور اس کی گہری اور انمول دوستی کا ہی تھا۔

یہ پہلی گرہ تھی جو حسن کے لیے ماہم کے دل میں

www.pklibrary.com

پڑی۔ بعد میں اس کا حسن سے بالمشافہ تعارف بھی ہوا۔ ویسے تو وہ خاصا شریف النفس شائستہ انداز واطوار کا حامل بندہ تھا۔ ماہم کے لیے صرف اس کے لہجے میں ہی نہیں اس کی آنکھوں میں بھی عزت واحترام کے رنگ ہوتے تھے، یہ ہی عزت واحترام اس کی باتوں سے جھلکتا۔ ان سب باتوں کے باوجود ماہم دل ہی دل میں اس سے چڑتی تھی۔ یہ چڑنا بے سبب نہ تھا۔ ماہم کی اس ناپسندیدگی کی بڑی ٹھوس وجوہات تھیں۔

شادی کے بعد جب سب مہمان رخصت ہوئے اور ماہم نے فرہاد کے سنگ حسین ازدواجی زندگی کی شروعات کیں تو حسن اور فرہاد کی دوستی اس حسن کو گہنانے کا سبب بنتی رہی۔ وہ دونوں واقعی ایک جان دو قالب تھے۔ ماہم اکثر فرہاد کے لیے دل لگا کر تیار ہوتی ارادہ ہوتا کہ آج کی شام فرہاد کے سنگ لانگ ڈرائیو پر نکلا

www.pklibrary.com

جائے لیکن فرہاد کا فون آجاتا کہ وہ حسن کے ساتھ کسی ضروری کام سے جارہا ہے، واپسی میں دیر ہوجائے گی۔

وہ فرہاد کے لیے کچھ اچھا سا پکاتی تو فرہاد فوراً حسن کو فون کھڑکا دیتا کہ وہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائے۔ چھٹی والے دن بھی دونوں دوستوں کی مصروفیات ختم نہ ہوتیں۔ حسن کے کمرے میں نیا اے سی لگ رہا ہے تو الیکٹریشن سے زیادہ فرہاد کی موجودگی ضروری ہے۔ فرہاد کی گاڑی کا انجن گڑبڑ کررہا ہے تو مکینک کے ساتھ ساتھ حسن کا بھی موقع پر موجود ہونا ازحد ضروری ہے۔ دونوں کا ہر کام ایک دوسرے کے بنا ادھورا تھا۔

ماہم تجزیہ کرتی تو اس دوستی کے پیچھے خصوصی حالات کی یکسانیت بھی تھی۔ فرہاد کی طرح حسن کے والدین بھی اللہ کو پیارے ہوچکے تھے۔ وہ ایک بھائی، بھابھی کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ بھابھی کے نخریلے مزاج کی وجہ سے اس کی بھاوج سے بھی ذرا کم بنتی تھی ویسے بھی اس نے اوپر والے پورشن میں رہائش رکھی ہوئی تھی۔ کھانا پکانا یا تو خود کرتا ورنہ باہر سے پکا پکایا لاکر کھاتا۔ فرہاد کو اسی لیے تو جگری دوست پر ترس آتا کہ بے چارہ گھر کے کھانوں کا ترسا ہوا ہے ماہم جب کچھ خاص بناتی، حسن مہمان خصوصی کے طور پر مدعو ہوتا۔

سچ تو یہی تھا کہ اب اسے یہ دوستی کھلنے لگی تھی۔ فرہاد سے اس بارے میں شکوہ کرکے اپنا امپریشن بھی خراب نہ کرنا چاہتی تھی لیکن میکے گئی تو بڑی آپا بھی آئی ہوئی تھیں، ان کے سامنے وہ دکھڑا روئے بنا نہ رہ پائی۔

''مجھے تو فرہاد کے سنگ ڈھنگ سے وقت گزارنا نصیب ہی نہیں ہوتا آپا! اج بھی فرہاد اچھے بھلے میرے ساتھ یہاں آرہے تھے، حسن کا فون آگیا کہ انگلینڈ سے کوئی پرانا دوست چند دن کے لیے آیا ہے، کیوں نا اسے ڈنر پر مدعو کرلیا جائے۔ مجھے یہاں گھر کے دروازے پر چھوڑ کر حسن کے ہمراہ دوست کو مدعو کرنے گئے ہیں۔ اب اللہ ہی جانے ڈنر کسی ہوٹل میں ہوگا یا یہ دعوت بھی مجھے بھگتانی پڑے گی۔'' وہ سخت بیزار ہورہی تھی۔

''میں بھی بالکل تمہاری طرح شادی کے بعد تمہارے دولہا بھائی کے ایک دوست سے بہت چڑنے لگی تھی۔ جب دیکھو، تمہارے دولہا بھائی اسی کے ساتھ مصروف ہوتے۔ بندہ وہ بھی معقول تھا تمیز تہذیب والا۔ رکھ رکھاؤ والا لیکن مجھے تو اس سے سخت چڑ ہوگئی تھی۔'' آپا مسکرا کر بیتا وقت یاد کرنے لگیں۔

''پھر آپ نے اس سے کیسے چھٹکارا پایا۔'' ماہم نے سامنے عجلت بھرے انداز میں استفسار کیا۔

''میں نے کیا پیچھا چھڑانا تھا جلد ہی اس کی بھی شادی ہوگئی۔ اس کی بیگم کوئی میرے جیسی تھوڑی تھی۔ خود ہی شوہر کی طنابیں کس لیں۔ ارے یہ بیویاں ایسی ہی ہوتی ہیں، کب برداشت کرتی ہیں کہ شوہر ان کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ بھی ہو۔ ہم تم ہی ایسے بھولے اور معصوم ہیں، جو شوہر سے شکوے کے دو بول بھی نہیں بول پاتے۔ تم فکر نہ کرو، فرہاد کے دوست کی شادی ہوجائے گی تو فرہاد اس کی شکل دیکھنے کو بھی ترس جائے گا۔'' آپ نے اسے تسلی دی۔

''پتا نہیں کب ہوگی حسن بھائی کی شادی۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''بھئی، شادی کی عمر ہے۔ ہو ہی جائے گی۔ سدا کنوارہ تھوڑی رہے گا۔''

آپا رسانیت بھرے لہجے میں بولیں۔ ماہم سر ہلا کر خاموش ہوگئی آپا کی بات میں وزن تو تھا۔ اس نے فرہاد کی توجہ اس جانب مبذول کروانا شروع کردی۔

''آپ کا تو گھر بس گیا۔ بے چارے حسن کا بھی سوچیں۔ شادی کے لیے یہ ہی عمر مناسب ہوتی ہے۔ حسن بھائی سے کہیں کہ وہ اپنے بہن بھائیوں پر زور ڈالیں کہ ان کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈیں۔''

''کتنا خیال ہے تمہیں حسن کا۔'' فرہاد خوش ہوگیا تھا۔ بیوی کا مشورہ اس کے دل کو بھی لگا تھا۔ واقعی اب اس کے دوست کا گھر بھی بس جانا چاہیے تھا۔ حسن سے یہ ذکر چھیڑا تو اس نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں آگاہ کیا۔

''ہاں یار! عارفہ بھابھی ڈھونڈ تو رہی ہیں کوئی رشتہ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے عارفہ بھابھی کی پسند پر قطعی بھروسا نہیں۔ بس اسی لیے اس معاملے میں دلچسپی نہیں لے رہا۔''

www.pklibrary.com

"تو دلچسپی تو لے اگر عارفہ بھابھی کو کوئی لڑکی پسند آتی ہے تو ماہم کو بھی لڑکی دکھادیں گے۔ ماہم کو رشتہ معقول لگے تو ہی رشتے پر رضامندی دینا۔"

فرہاد کے مشورے پر حسن کی باچھیں کھل گئیں۔ مشورہ اس کے دل کو لگا تھا اور پھر جب اس کی بھابھی نے لڑکی منتخب کرلی تو حسن نے بھاوج سے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے دوست کی بیگم سے بھی لڑکی کو ملوانا چاہتا ہے اس کی بھابھی کا اس بات پر موڈ تو خوب آف ہوا لیکن بادل نخواستہ وہ ماہم کو بھی اپنے ساتھ لڑکی والوں کے ہاں لے گئیں۔

ماہم نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ حسن بھائی سے لاکھ چڑ سہی لیکن اس معاملے میں وہ اپنی رائے نیک نیتی اور غیر جانب داری سے دے گی، آخر یہ کسی کی پوری زندگی کا معاملہ تھا۔

لڑکی کا نام عروج تھا، کم عمر تھی، ابھی پڑھائی سے فراغت حاصل کیے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ چہرے پر بھولپن نمایاں تھا۔ عام لڑکیوں کی طرح تیر طرار نہ لگی۔ نین نقش بھی جاذب نظر تھے۔ حسن کے ساتھ اس کی جوڑی خوب سجتی۔

ماہم نے پوری ایمان داری سے رشتے کے حق میں ووٹ دیا تو حسن نے بھی اپنی بھاوج کی پسند پر زندگی میں پہلی بار بھروسہ کرتے ہوئے انہیں بات پکی کرنے کا عندیہ دے دیا۔ اس کی بھابھی لڑکی کی ہتھیلی پہ شگن کے روپے رکھ کر شادی کی تاریخ بھی طے کر آئیں۔ بری کی تیاری کے لیے حسن نے ماہم کی خدمات حاصل کیں۔

"آپ کی بھابھی سچ مچ ناراض ہوجائیں گی حسن بھائی۔" ماہم یہ ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"ارے نہیں بھابھی، عارفہ بھابھی تو سر سے ذمہ داری ٹلنے پر خوش ہیں انہیں قطعی اعتراض نہیں اور پھر مجھے ان کی چوائس پر بھی بھروسا نہیں۔ شاپنگ آپ ہی کریں گی۔" حسن کے کہنے پر اس نے خوش دلی سے یہ ذمہ داری اٹھالی۔

یہ تصور ہی بہت خوش کن تھا کہ جلد ہی حسن بیوی کو پیارا ہوجائے گا پھر فرہاد کا سارا وقت صرف ماہم کے لیے ہی ہوگا۔

☆☆☆

اس نے بڑھ چڑھ کر شادی کی تیاریوں میں حصہ لیا۔ بالآخر وہ دن بھی آن پہنچا جب عروج حسن کے سنگ رخصت ہوکر اس کے آنگن میں آگئی۔ فرہاد اور ماہم نے جس طرح شادی کی تیاریوں میں دن رات ایک کیا تھا۔ حسن ان کا بار بار شکریہ ادا کررہا تھا۔ شادی کے بعد ماہم نے نئے نویلے جوڑے کے اعزاز میں پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ حسن اور عروج ایک دوسرے کی سنگت میں بہت خوش اور مطمئن تھے۔

"ہمارے ایک ہونے میں ماہم بھابھی کا بڑا کردار ہے عروج۔ اگر یہ تمہیں اوکے نہ کرتیں تو میں کبھی اس شادی پر راضی نہ ہوتا۔"

حسن نے ہنستے ہوئے بیوی کو جتایا۔ ماہم نے ذرا بوکھلا کر عروج کا چہرہ جانچا لیکن حسن کی اس بات پر خفگی کا کوئی تاثر اس کے چہرے پہ نہ نمودار ہوا بلکہ وہ تو بہت ممنون ہوکر ماہم کو تک رہی تھی۔

نیا نویلا جوڑا پہلے ہنی مون پر گیا اور پھر ان کا دعوتی پیریڈ شروع ہوگیا۔

☆☆☆

یہ دن ماہم کی زندگی کے سنہرے ترین دن تھے۔ فرہاد اور حسن کا واٹس ایپ پر پیغامات کا تبادلہ تو مستقل جاری تھا لیکن انہیں ایک دوسرے سے ملنے کی فرصت نہ مل رہی تھی بلکہ یہ فرصت حسن کو نہ مل رہی تھی۔ فرہاد تو آج کل بالکل فارغ تھا۔

ماہم نے فرہاد کے ساتھ مل کر گھر کی سیٹنگ چینج کی۔ اسے ساتھ لے کر میکے کے کئی چکر لگائے۔ لانگ ڈرائیو کا شوق پورا کیا۔ شام کی واک اور آئس کریم کا لطف اٹھایا۔

چھٹی والے دونوں دن صبح سے رات تک فرہاد صرف اسی کا ہوتا تو آفس سے بعد والے سارے وقت پر بھی صرف ماہم کا ہی حق ہوتا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ زندگی کا ہر پل صحیح معنوں میں انجوائے کررہی تھی۔

حسن کی شادی سے پہلے دونوں دوستوں کی کوئی نہ کوئی ایسی مشترکہ مصروفیت نکل آتی تھی کہ ماہم کے دل کے ارمان دل میں دبے ہی رہ جاتے تھے۔ اب

www.pklibrary.com

ان ارمانوں کے پورا ہونے کا وقت تھا تو وہ موقع سے کیوں فائدہ نہ اٹھاتی۔

حالانکہ فرہاد کا تو اب بھی بار بار دل چاہتا کہ اپنے پروگراموں میں حسن اور عروج کو بھی شامل کرلیا جائے اس روز بھی وہ ماہم کو ڈنر پر باہر لے کر جارہا تھا تو دو تین بار خواہش ظاہر کی کہ حسن اور عروج کو بھی مدعو کرلیا جائے۔

"شادی کے بعد حسن بھائی نے پہلی دعوت ہمارے ہاں ہی کھائی تھی۔ اس کے بعد وہ ہنی مون پر روانہ ہوئے۔ نئے نویلے جوڑے کے سو ارمان ہوتے ہیں فرہاد، یہ ان کا گولڈن پیریڈ ہے انہیں ان کی مرضی کے مطابق انجوائے کرنے دیں۔ ہمیں ان کی پرائیویسی کا احترام کرنا چاہیے۔"

ماہم نے گول مول لفظوں میں شوہر کو کچھ جتانا چاہا تھا۔ بات فرہاد کی سمجھ میں آگئی جو اپنی بات پر دوبارہ اصرار نہ کیا۔ ماہم نے دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

اطمینان وسکون کا یہ وقفہ اتنا عارضی ہوگا یہ ماہم کے گمان میں بھی نہ تھا۔ اگلی صبح فرہاد کے آفس جانے سے پہلے وہ دونوں میاں بیوی ناشتہ کررہے تھے تو حسن اور عروج چلے آئے۔ اس وقت ان کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ ماہم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ فرہاد بہت خوشی کے عالم میں اٹھ کر بغلگیر ہوا تو ماہم بھی حیرانی پر قابو پاتی عروج سے گلے ملی تھی۔

"شادی پر جو چھٹیاں لی تھیں۔ وہ چار دن پہلے ختم ہوگئیں۔ میں صبح آفس چلا جاتا ہوں تو پیچھے بیگم صاحبہ دل بھر کر بور ہوتی تھیں۔ میں نے ان کی بوریت کا علاج یہ ہی ڈھونڈا کہ آفس جاتے ہوئے عروج کو ماہم بھابھی کے پاس چھوڑ دیا کروں گا۔" حسن مسکراتے ہوئے اپنی آمد کی وجہ سے آگاہ کررہا تھا۔

"بالکل صحیح کیا تو نے۔ یہاں گھر پر ماہم بھی تو اکیلے بور ہی ہوتی ہے۔" ماہم کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فرہاد نے خوش گوار لہجے میں حسن کے عمل کی تائید کی تھی۔

"دراصل عارفہ بھابھی کی عادت تو گھلنے ملنے کی ہے نہیں۔ عروج بے چاری تو چار دن گھر میں اکیلے رہ کر بوکھلا گئی۔ نیچے بھابھی کے پاس وقت گزاری کے لیے چلی بھی جاتی ہے تو ان کے مزاج نہیں ملتے۔ اسے اس کی امی کے پاس چھوڑنے کا سوچا تو وہاں بھی آنٹی اسکول ٹیچر ہیں اور چھوٹے بہن بھائی کالج یونیورسٹی اکیلے گھر میں یہ جاکر کیا کرتی۔ بس پھر میں نے یہ ہی سوچا کہ اسے ماہم بھابھی کے پاس ان کی شاگردی میں سونپ دوں۔"

حسن مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی ساس گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھیں۔ عروج کے چھوٹے بہن بھائی سب زیر تعلیم تھے ماہم یہ سب باتیں جانتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے سر پر سوار کرکے خود آفس چلتا بنے۔

"سچ ماہم بھابھی! مجھے تو گھر داری کا کوئی سلیقہ نہیں۔ پیپرز کے فوراً بعد تو میری شادی ہوگئی۔ آپ نے اپنا گھر جتنی اچھی طرح مینج کیا ہوا ہے۔ میں اس سے بہت امپریس ہوں۔ حسن آپ کے ہاتھ کے بنے کھانوں کے شیدائی ہیں۔ آپ مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجیے میں آپ سے کوکنگ سمیت سب امور خانہ داری سیکھوں گی۔" عروج ایک عزم سے بولی تھی، اس بار بھی ماہم کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فرہاد بول پڑا تھا۔

"ضرور، ضرور کیوں نہیں، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوجائے گا کہ جس طرح حسن اور میں بہترین دوست ہیں تو آپ دونوں میں بھی اچھی انڈراسٹینڈنگ ڈویلپ ہوجائے گی۔ کیوں ماہم۔" فرہاد نے خوش ہوتے ہوئے ساتھ ہی بیوی سے بھی تائید چاہی۔

"جی بالکل صحیح کہا آپ نے۔" مروت کی ماری ماہم ان دیکھے بے بسی کے آنسو اپنے اندر اتارتی جبراً مسکرائی تھی۔

آج پہلی بار اسے صحیح معنوں میں پتا چلا تھا کہ یقیناً سیانوں نے ایسی صورت حال کے لیے ہی کہا ہوگا۔ "یک نہ شد دو شد۔"

☆

www.pklibrary.com

خواب دیکھتے ہوئے جنت کی آنکھ کھل جاتی ہے۔خود کو برائڈل ڈریس میں دیکھ کر اسے یاد آتا ہے کہ اس کی شادی فارس وجدان سے ہو چکی ہے جو "شیرازی انٹر پرائزز" کا سی ای او ہے۔وہ جنت کمال پر واضح کر دیتا ہے کہ یہ ایک کاغذی رشتہ ہے جو اس نے اپنی ماں کی خاطر بنایا ہے۔جب تک ماں زندہ ہیں، یہ رشتہ رہے گا۔

جنت کی فارس سے شادی سائرہ خالہ نے کروائی ہے۔ان کا بیٹا عمار اس شادی پر ناراض ہے۔اس کا خیال ہے۔ میڈیا پر فارس سے متعلق جو خبریں گردش کرتی رہی ہیں، وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔

فارس کی والدہ مسز شیرازی ایک نیک دل عورت ہیں جو چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔وہ ایک آرٹسٹ ہیں۔ان کی پینٹنگ عسر یسرا جنت کو حیران کر دیتی ہے۔دونوں اس پر بات کرتی ہیں۔مسز شیرازی اسے ان لفظوں کے معنی تلاش کرنے کو کہتی ہیں۔

فارس کے مرحوم بھائی حماد کا یتیم بیٹا اپنے ننھیال میں رہتا ہے۔فارس اس بچے کو وجدان ہاؤس میں لانے کو تیار نہیں۔

فارس کی تمام تر نفرتوں کے باوجود جنت اس کے دل میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔

آئمہ ظہیر فارس کی منہ بولی بہن جنت کو منگنی کی تقریب میں لے جاتی ہیں جہاں کچھ لڑکیوں کے تضحیک آمیز رویے سے جنت دل برداشتہ ہو جاتی ہے۔

فارس کے آفس میں بریان لغاری کا نام سن کر جنت متوحش ہو جاتی ہے۔اسے اپنا ماضی یاد آتا ہے۔

جنت عسر یسرا پر غور کرتی ہے اور اس کے کچھ معنی سمجھ جاتی ہے۔

جنت مسز شیرازی سے ان کے یتیم پوتے سے ملنے کی بات کرتی ہے۔مسز شیرازی منع کر دیتی ہیں۔

اٹالین ریسٹورنٹ میں ڈنر کے دوران فارس جنت کی طلاق اور ماضی کا ذکر چھیڑ کر جنت کو پریشان کر دیتا ہے۔

جنت فارس کے ساتھ لندن جانا چاہتی ہے تاکہ وہ سائرہ خالہ کی بیٹی سدرہ کی شادی میں شرکت نہ کر سکے۔فارس

حسنہ حسین

عسر یسرا

pklibrary.com

www.pklibrary.com

اسے ضد میں لاہور لے جاتا ہے۔

سدرہ کی شادی پر فارس کو علم ہوتا ہے کہ جنت کی پہلی شادی تایا کے اکلوتے بیٹے سے ہوئی تھی۔ پانچ سال تک رہی۔ بچہ نہ ہونے پر تایا کے بیٹے نے دوسری شادی کر لی۔ جنت کو اس کے بچے کو نقصان پہنچانے کی پاداش میں طلاق ہو گئی۔

مکمل ناول

pklibrary.com

www.pklibrary.com

فارس جنت کو وہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ لندن سے واپسی کے بعد وہ جنت کو لاہور سے لینے آتا ہے۔ جنت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی۔ راستے میں ایکسیڈنٹ ہوتا ہے۔ دونوں محفوظ رہتے ہیں۔ گاڑی کا نقصان ہو جاتا ہے۔

لاہور سے واپسی کے بعد جنت بدل جاتی ہے۔ وہ فارس وجدان کے معاملات میں مداخلت ترک کر دیتی ہے۔

فارس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ اسے الرجی ری ایکشن ہوتا ہے۔ بروقت سی پی آر دے کر وہ اس کی جان بچاتی ہے۔ ڈاکٹر بخاری بتاتے ہیں اسے بلی سے الرجی ہے جس کا ری ایکشن شدید ہوتا ہے۔

فارس کا بدلتا رویہ جنت کو خوف اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

کراچی جانے سے پہلے فارس سرپرائز کی بات کرتا ہے۔

جنت مسز یزدانی کے نواسے کی سالگرہ پر جاتی ہے جہاں عدینہ زبیر اسے ملتی ہے۔ جو بتاتی ہے کہ وہ فارس وجدان کی پہلی بیوی ہے۔

جنت کی چچی وجدان ہاؤس میں آ کر مسز شیرازی کو جنت کے ماضی سے آگاہ کر دیتی ہے۔ خوف میں آ کر جنت گھر چھوڑ دیتی ہیں۔

جنت کو گھر سے گئے، سات دن ہو چکے تھے۔ فارس بہت پریشان ہے، وہ اس کے سامان کا جائزہ لیتا ہے۔

ایک لکڑی کا باکس کھلنے پر چند خطوط، کچھ تصاویر اور باکس پر بنی نقاشی دیکھنے پر فارس ماضی میں پہنچ جاتا ہے۔

فارس کی ماں آرزو جہانگیر ایک ماڈل گرل ہے۔ وہ اس کے باپ ہارون سے طلاق لے لیتی ہے اور فارس کو ہارون کے پاس چھوڑ جاتی ہے۔

آرزو جہانگیر کی دوسری بیوی تھی۔ پہلی اور خاندانی بیوی جمیلہ داؤد ہیں۔

ہارون کے باپ اعظم شیرازی بہت بڑے بزنس ٹائیکون ہیں۔ جمیلہ داؤد سے ہارون کا بیٹا حماد اعظم شیرازی کہتے ہیں "میں اس طوائف کے بیٹے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا پوتا صرف حماد ہے۔"

ہارون اعظم شیرازی کی منت سماجت کرتا ہے۔ ان سے معافی مانگتا ہے تو وہ اس شرط پر معافی دیتے ہیں کہ ہارون اپنا بیٹا ان کے حوالے کر دے اور اس سے کوئی تعلق نہ رکھے اور نہ ہی اسے اپنا نام دے۔ اعظم شیرازی جمیلہ داؤد کے خاندان سے خوف زدہ ہیں۔

شیرازی اور لاشاری خاندان کے درمیان جڑنے والا یہ رشتہ ایک بزنس ڈیل کی طرح تھا لیکن جمیلہ ہارون سے محبت کرتی تھیں۔

ہارون فارس کو اعظم شیرازی کے پاس چھوڑ جاتا ہے۔

ایک رات اسے روتے سسکتے دیکھ کر جمیلہ اسے گلے سے لگا لیتی ہے۔ فارس زخمی ہوتا ہے۔ جمیلہ اسے ڈاکٹر مصطفیٰ کے پاس لے جاتی ہے۔

جمیلہ فارس کو کھلونے، نئے کپڑے لا کر دیتی ہے۔ اس کا کمرہ بھی سیٹ کرتی ہے۔ جمیلہ آرزو جہانگیر سے بھی ملتی ہے لیکن وہ بھی فارس سے ملنے سے انکار کر دیتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ وہ شادی کر رہی ہے۔

جمیلہ فارس کو محبت اور توجہ دیتی ہے۔ وہ بہتر ہونے لگتا ہے لیکن اعظم شیرازی کو یہ گوارا نہیں ہے۔ وہ اسے منع کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سے فارس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ حماد کا ایڈمیشن امریکہ میں ہوتا ہے تو اعظم شیرازی جمیلہ کو حماد کے پاس امریکہ بھجوا دیتے ہیں۔

فارس کے لیے جمیلہ داؤد کی جدائی آسان نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اسے پیار سے سمجھاتے ہیں۔

جمیلہ داؤد کے جانے کے فوراً بعد اعظم شیرازی اس کو بورڈنگ بھیج دیتے ہیں، وہ یہ سب برداشت نہیں کر پاتا۔ اس نفسیات پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس کی کارکردگی صفر ہو جاتی ہے۔ وہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ شیرازی مینشن اب کبھی نہیں جائے گا۔ ڈاکٹر

www.pklibrary.com

مصطفیٰ، آغا علی کے ساتھ اس سے ملنے آتے ہیں اور ہر ہفتے آتے ہیں۔ وہ ان سے دوستی ختم کرنے کا اعلان کرتا ہے لیکن وہ بضد رہتے ہیں۔ وہ اسے جمیلہ داؤد کی مجبوریاں بتاتے ہیں، ان کے سمجھانے پر وہ اپنے آپ کو تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف کر لیتا ہے اور ہر مقابلے میں پہلی پوزیشن ہوتی تھی۔ اعظم شیرازی جب بھی آتے اس سے حقارت آمیز لہجے میں بات کر کے اس کی ماں آرزو جہانگیر کا تذکرہ ضرور کرتے۔

وہ بیمار ہوتا ہے، ڈاکٹر مصطفیٰ اپنی نواسی کے ساتھ اسے لے آتے ہیں۔ ان کی نواسی ساتھ ہوتی ہے جو پورا راستہ سوال کرتی رہتی ہے۔ وہ فارس سے دوستی کرنا چاہتی ہے، اپنے دوستوں کے ساتھ اس سے ملنے آتی ہے۔

جنت کے جانے کے بعد وہ اس کی کمی محسوس کرنا لگتا ہے۔

جنت ہوش میں آئی تو صابرہ بوا پر اس کی نظر پڑی۔ صابرہ بوا اسے اپنے گھر لے آئیں۔ اس کے پریگنینٹ ہونے کی خبر پر بہت خوش ہوتی ہیں۔ جنت حیران و پریشان ہو جاتی ہے۔ سائرہ خالہ کے گھر سب جمع ہو کر جنت اور اس کے کردار کو ڈسکس کرتے ہیں، عمار سب کو کھری کھری سنا دیتا ہے۔ فارس جنت کے موبائل پر مسز آفاق کے سات سالہ بیٹے زید کے میسجز آ رہے تھے۔

فارس اقصیٰ سے پوچھ گچھ کرتا ہے۔ صابرہ بوا جنت کو فارس سے صلح کا کہتی ہیں۔ جنت صابرہ بوا کے کہنے پر بچوں کے ساتھ باہر گھومنے جاتی ہے، واپسی میں اسے فارس ملتا ہے وہ صابرہ بوا کے گھر کا کھوج لگا لیتا ہے۔

بارہویں قسط

فارس کچھ صدمے اور بے یقینی سے جنت کمال کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔ جنت یہ کیا کہہ رہی تھی؟ شک اور بدگمانیوں میں وہ پہلے بھی الجھتی تھی مگر ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

"تم سے کوئی کچھ بھی کہتا ہے اور تم..... تم یقین کر لیتی ہو؟" وہ تاسف بھری نگاہوں اسے دیکھ کر رہ گیا۔ جنت کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

"اس نے کہا۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر سسک پڑی۔ جیسے لفظوں کو دہرانا بھی کسی گہرے صدمے، کسی گہری اذیت سے کم نہیں تھا۔ مگر وہ بتاتی گئی۔ اس کی ایک ایک بات، اپنا ایک ایک درد، ایک ایک غم۔ ایک ایک خوف۔

فارس خاموشی سے سنتے ہوئے اندر ہی اندر شدید اشتعال کی لپیٹ میں آتا گیا۔ تاہم وہ تحمل رہا۔ اس وقت جنت کو سنبھالنا اور اس کیفیت سے نکالنا از حد ضروری تھا۔

وہ خاموش ہوئی تو اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا

"تم نے خود کہہ دیا، اجازت دے چکی ہو کہ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ کسی سے بھی دوسری تیسری شادی رچا سکتا ہوں۔" وہ بولا تو آواز گمبھیر اور لہجہ دھیما تھا۔ "لیکن میں نہیں کر رہا۔ کیوں؟ کیا میں مجبور ہوں؟ کیا مجھے ممی کا خوف ہے؟ اپنے بچے کے حوالے سے تمہاری صحت کی فکر ہے؟ کیا میں انتظار کر رہا ہوں کہ بچے کی پیدائش کے بعد ہی کسی کو زندگی میں شامل کروں گا؟ اگر میں اتنا ہی بے حس ہوں تو مجھے تو انتظار بھی نہیں کرنا چاہیے۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں؟"

اس نے رک کر پوچھا۔ جنت لب کاٹ کر رہ گئی۔ آنسو ہنوز بہتے جا رہے تھے۔

"عدینہ نے کہا۔ تم اسے واپس لانا چاہتے ہو۔" وہ سسک پڑی۔

"کیا یہ بات میں نے تم سے کہی ہے؟" فارس نے نرمی سے اس کی بات کاٹی۔ اس کا سر نفی میں ہلا۔

"تو پھر کسی دوسرے تیسرے انسان کی بات میرے دعوے سے زیادہ قابل اعتبار کیسے ہو سکتی ہے تمہارے لیے؟"

www.pklibrary.com

"کیونکہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔"

فارس اپنی جگہ تھم گیا۔

"تم اس کی وجہ سے مجھے طلاق دینا چاہتے تھے۔ تم نفرت کرتے تھے مجھ سے۔ تم نے کہا تھا تمہیں اگر لائف پارٹنر چاہیے ہوتا تو وہ میں نہ ہوتی۔ تم نے مجھے ریجیکٹ کیا تھا۔" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "یہ سب عدینہ کی وجہ سے تھا۔"

فارس کے زخم تازہ ہوئے، درد پھر سے جاگ اٹھا۔ اس نے آنکھوں میں کرب لیے جنت کمال کو دیکھا۔ وہ بے اعتباری کی اسی کھائی میں جا کھڑی ہوئی تھی جس سے وہ اسے کس قدر کوشش سے نکال لایا تھا۔ وہ پھر سے ٹوٹ رہی تھی۔ پھر سے فنا ہو رہی تھی۔

لب بھینچ کر اس نے اپنے اندر کے اضطراب پر قابو پانے کی کوشش کی۔ شور بہت اچانک سے اٹھا تھا۔ چہرے گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ جنت کی آواز کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔

اس نے پلکیں جھپکا کر ان مناظر کو جھٹکا جو آنکھوں میں اتر آئے تھے۔ ایک بار پھر سر اٹھا کر جنت کو دیکھا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے بس اپنی کہے جا رہی تھی۔

"تم..... تم عدینہ سے شادی کر لو گے۔ ہمارے بچے کو مجھ سے لے کر طلاق دے دو گے۔ تم ہر کام پلاننگ کے ساتھ کرتے ہو۔ سوچ سمجھ کر۔ اپنا فائدہ نقصان دیکھتے ہو ہر معاملے میں۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا، آواز کپکپا رہی تھی۔ "اب بھی اگر....."

اس نے سر اٹھا کر متوحش نگاہوں سے فارس کو دیکھا۔

"اب بھی اگر کچھ ایسا سوچ رہے ہو۔ اگر اب بھی۔ فارس میں تو مر جاؤں گی۔"

وہ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ "میں واقعی مر جاؤں گی۔"

فارس کچھ صدمے سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ یہ خوف کی کون سی کیفیت تھی جو جنت کمال پر طاری ہوئی تھی۔ یہ وحشت کا کون سا احساس تھا جو اس کے وجود پر حاوی ہوا تھا؟ اس کے حواس مختل کیوں ہو رہے تھے؟ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کیوں ہو رہی تھی؟

اس کے اندر کچھ کھو دینے کا احساس ایک دم سے بیدار ہوا۔ بے اختیار جنت کمال کو بازوؤں کے حصار میں لے کر خود سے لگا لیا۔

"ہے، ریلیکس۔ کیا ہو گیا ہے؟" لہجے میں فکر تھی۔ درد تھا۔ محبت تھی مگر وہ چپ نہیں ہوئی۔

خود سے الگ کر کے، اسے کندھوں سے تھام کر فارس نے اس کی روتی ویران آنکھوں میں دیکھا۔ کتنا درد، صدمہ اور بے اعتباری تھی ان میں۔

"میری طرف دیکھو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ اس نے ذرا سی نظر اٹھائی تھی۔ شہد آنکھوں میں سرخی اتری ہوئی تھی۔ لب کپکپا رہے تھے۔ گال آنسوؤں سے تر تھے۔

"تمہارے ساتھ شادی، ریلیشن۔ ہمارا بچہ۔ یہ زندگی میری پلاننگ کا حصہ کبھی نہیں تھی۔" اس نے کہا۔

جنت روتے ہوئے لمحے بھر کے لیے سکتے میں آئی تھی۔ منجمد ہوتے احساسات ایک دم سے پگھلے تھے۔ اندر کا شور سناٹے میں بدلا تھا۔

فارس اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔

"تم گھر چھوڑ کر گئیں تو میں نے تمہیں ڈھونڈا۔ تمہیں لگتا ہے میں نے ایسا کسی مجبوری یا دباؤ میں آ کر کیا ہو گا؟ ایسا کون سا مفاد تھا جو میں تم سے اٹھا سکتا تھا۔ یا اس معاملے میں میری کون سی پلاننگ ہو سکتی تھی؟ طلاق تو ایسے بھی دی جا سکتی تھی۔ میں سائرہ خالہ کو پیپرز بھجوا دیتا۔ کیا یہ مشکل تھا؟"

جنت کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے تھے۔ اس کے لبوں پر سکتہ طاری تھا۔

"اور یاد ہے، تم نے مجھے ایک مہینے کا وقت دیا

www.pklibrary.com

تھا۔ کیا وہ مدت اس رشتے کو ختم کرنے کے لیے کافی نہیں تھی؟" اس نے پوچھا۔ اور وہ چپ تھی۔

"اور فرض کرو میں واقعی کسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تو کیا تمہارے جانے کے بعد یہ کام سرانجام دینا زیادہ مناسب نہیں تھا؟ اس وقت تو میں یہ بھی نہیں جانتا تھا تم ایکسپیکٹ کر رہی ہو۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں؟"

جنت کا نچلا لب دانتوں تلے آیا تھا۔ روتی کرلاتی آنکھیں ایک دم سے جھک گئی تھیں۔ پلکوں کی باڑ پھلانگتے کچھ بے رنگ آنسو فارس کے ہاتھوں پر گرے۔

"میری زندگی میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتی تو وہ تم سے پہلے وجدان ہاؤس میں آ چکی ہوتی۔" اس نے تلخی اور واضح لفظوں میں کہہ دیا۔ ویسے ہی جیسے ایک بار پہلے کہا تھا۔ بہت ہی سادہ۔ بہت ہی مختصر جملے میں۔

ہاسپٹل کے وی آئی پی روم میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ نہ سسکیوں کی آواز تھی اب۔ نہ ہچکیوں کا شور تھا۔ اس بے نام سی خاموشی کو جنت کی آواز نے توڑا تھا۔

"میں کیسے یقین کروں۔ یہ سب سچ ہے؟ جھوٹ یا دھوکا نہیں ہے؟" اس نے فارس وجدان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ دیا۔ برہان واصف کا ہر وعدہ جھوٹا تھا۔ ہر قسم ادھوری تھی۔ اس کی دلائی ہوئی ہر آس تنکے جیسی۔ اس کی دکھائی ہوئی ہر راہ اندھیرا تھی۔

فارس اس کی آنکھوں میں درد دیکھ رہا تھا۔ کرب دیکھ رہا تھا۔ گزشتہ پانچ سالوں کی اذیت ان میں ٹھہری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ حال میں ہوتے ہوئے ایک بار پھر ماضی میں کھو رہی تھی۔

"کیونکہ میں برہان نہیں ہوں۔" اس کی بھاری گمبھیر آواز ابھری اور جنت کمال کے اندر باہر ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ آنکھیں ایک ہی مقام پر منجمد۔ دھڑکنیں ایک ہی خیال پر ساکت ہو گئیں۔

فارس نے نرمی سے اس کی انگلیوں پر گرفت بڑھائی تھی۔ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔ جو کہتا ہوں کر کے دکھاتا ہوں۔ تمہاری تسلی کے لیے میں کل ہی اپنے لائیر سے بات کر کے بچے کی کسٹڈی کے پیپرز تیار کروا لوں گا۔ پھر تو تمہیں یقین آ جائے گا میں جھوٹ نہیں بول رہا؟"

لہجہ ہنوز نرم اور پر شفقت تھا۔ کہیں غصے اور عداوت کی جھلک نہ تھی۔ نہ انا کا مسئلہ۔ نہ برہمی کا رنگ۔

جنت کی آنکھوں میں نمی ٹھہری رہی۔ لب بھنچے رہے، اذیت چہرے کے تاثرات میں مدغم رہی۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا۔" اس نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم پر کوئی دباؤ ڈالوں گا یا اپنے ساتھ رہنے پر فورس کروں گا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" ایک لمحے کو رکا۔ "میرے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا مکمل اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ اختیار میں تم سے کبھی نہیں چھینوں گا، کبھی بھی نہیں۔"

اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

وہ بہت تحمل سے بات کر رہا تھا۔ غصہ، ناراضی، برہمی کا اظہار کیے بنا۔ کسی بھی بات کو انا مسئلہ بنائے بغیر۔ وہ اسے بہت نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ اس کے جذبات کی صداقت آنکھوں سے عیاں ہو رہی تھی۔

جنت نے لب بھینچ کر بہت سے آنسو اپنے اندر اتار لیے۔ اندر باہر سب ساکن ہو گیا تھا۔ ایک خاموشی سی تھی جو ہر طرف چھا گئی تھی۔ ذہن تھک گیا تھا۔

دستک دے کر نرس اندر داخل ہوئی تو فارس اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس کے سیل فون پر کافی دیر سے کال آ رہی تھی جسے ریسیو کرتے ہوئے وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اب وہ مدھم آواز میں بات کر رہا

www.pklibrary.com

تھا۔ بستر پر نیم دراز وہ اب اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اور اسے لگا، وہ اسے پہلی بار دیکھ رہی ہے۔

وہ فون پر کچھ سنتے ہوئے باہر چلا گیا تھا اور جب دوبارہ اندر آیا تو نرس انجکشن کا محلول آئی وی ڈرپ میں انڈیل کر جا چکی تھی۔

جنت تکیے پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ ڈرپ والا ہاتھ پہلو میں دھرا تھا۔ آنکھوں میں تھکان کے ساتھ نیند اتری ہوئی تھی۔ غالباً دواؤں کے اثر میں تھی۔ وہ کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تو اس نے بھی کس قدر کوشش سے گرفت بڑھالی۔

''میں ڈر گئی تھی۔'' آواز بھیگی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں نمی، حزن اور درد۔ سب ٹھہرا تھا۔

''تم صرف آرام کرو۔''

''مجھے نہیں پتا، مجھے کیا ہوا فارس۔''

''کچھ مت سوچو، جسٹ ریلیکس۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

اس نے لب بھینچ کر رونے پر قابو پایا۔ پھر گہری سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی مضبوط گرفت نرم پڑ گئی۔ اس کی سانسیں ہموار ہوئیں اور تاثرات سے اذیت ہٹنے لگی۔ کمزوری اور خوف سے پھیکا پڑتا چہرہ پرسکون ہونے لگا۔ فارس اس چہرے کو دیکھتا رہا۔ اور کافی دیر تک دیکھتا رہا۔

اس کے اندر ایک وبال اٹھنے کی سی کیفیت تھی جسے وہ کس قدر تحمل اور برداشت سے دبائے ہوئے تھا۔ پورا وجود آگ کی لپیٹ میں تھا۔ سائڈ ٹیبل پر موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھالیا۔ اب وہ آنکھوں میں خون لیے میسج ٹائپ کررہا تھا۔

کمرے کی نیلگوں روشنی میں جہاں وہ بے خبر سو رہی تھی۔ وہاں وہ کسی کو بہت تحمل سے ہدایت نامے جاری کررہا تھا۔

اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد اسے کال موصول ہوئی تھی۔ عدینہ زبیر شام پانچ بجے کی فلائٹ سے لندن جا چکی تھی۔ وہ داہنے ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر رہ گیا تھا۔

''آپ فکر نہیں کریں سر۔'' موبائل سے بھاری، بے تاثر اور مؤدب سی آواز ابھری۔ ''میں نے ان کے لیے اس بار کافی کچھ ارینج کردیا ہے۔''

اس نے کال کاٹ دی تھی۔

☆☆☆

تاریکی کا اپنا ایک رنگ تھا۔ اثر تھا۔ اور دہشت تھی۔ وہ اپنے اندر بہت سی ویرانیاں لیے ہاسپٹل کے کاریڈور میں بنچ پر ساکت وصامت بیٹھا تھا۔

کوٹ گھٹنے پر رکھا تھا۔ ناٹ ڈھیلی تھی۔ بٹن کھلے ہوئے۔ آستین مڑی ہوئیں۔

''کیا ہوا اسے؟ اس طرح اچانک؟'' مسز شیرازی سے بات ہوئی تو انہوں نے پوچھا۔

''بی پی ہائی ہوگیا تھا۔''

وہ فون کان سے لگائے پریشانی کے عالم میں بیٹھی رہ گئیں۔

''اب بہتر ہے وہ۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ اس کا لہجہ۔ آواز۔ وہ ایک دم سے فکرمند ہوئیں

''کسی بات کا اسٹریس لیا اس نے؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

وہ بالکل خاموش بیٹھا اب سفید فرش کو دیکھ رہا تھا۔ سرخی مائل آنکھوں میں ایک کرب سا ٹھہرا تھا۔

کندھے جھکے ہوئے تھے۔

راہداری کی نیلگوں روشنی۔ روح پر پڑے نیل سے مشابہ تھی۔

''فارس؟ کیا ہوا ہے بیٹا؟''

''جو نقصان اس نے میرا پہلے کیا تھا۔ وہی نقصان اب وہ دوبارہ کرنا چاہ رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

www.pklibrary.com

"کس کی بات کر رہے ہو تم؟"

"میں کس کی بات کر سکتا ہوں ممی؟"

مسز شیرازی ایک لمحے کو رکیں اور اگلے ہی پل ان کے اندر سناٹا چھا گیا۔ فارس کی بات جیسے وہ اب سمجھی تھیں۔ پہلے ایک "زندگی" تھی۔ اب دو زندگیاں تھیں۔ لرزہ روح پر طاری تھا۔ کپکپاہٹ انگلیوں میں اتر آئی تھی۔ وہ ایک ہی منظر تھا جو ان کی آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ ان کا سکون منتشر ہوا۔ ان کی بے قراری بڑھ گئی۔

"اگر جنت کو واقعی میں کچھ ہو جاتا تو....."

"فارس بیٹا! شی از فائن ناؤ۔"

"وہ بہت زیادہ اسٹریس میں آ گئی تھی ممی!۔" وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"الحمدللہ۔ کچھ ہوا تو نہیں نا! ٹیک آ ڈیپ بریتھ اینڈ جسٹ ریلیکس۔"

گہری سانس لے کر وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ سیل فون کان سے لگائے مکمل خاموشی کی زد میں وہ اب اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سن رہا تھا۔ مسز شیرازی کو اپنا دل مٹھی میں جکڑتا محسوس ہوا۔ چوٹ ایک لگتی تھی اور اس کا ہر غم، اور ہر درد جاگ اٹھتا تھا۔

"ٹائمنگ کتنی پرفیکٹ ہے اس کی....." اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔ یہ جانے بنا کہ اس ایک جملے نے ان کے دل پر کیسا وار کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت، خاموش اور ویران سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

اگلے کئی لمحے اسی طرح گزر گئے۔

"کمرے میں ڈبل بیڈ ہوگا۔ کچھ دیر آرام کر لو۔" پھر انہوں نے کہا۔

"نیند نہیں آئے گی۔"

"کوشش کرو گے تو آ جائے گی۔"

"آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ مگر ابھی اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔"

وہ اذیت میں گھر گئیں۔ کاش یہ معذوری نہ ہوتی تو وہ خود اس کے پاس جاتیں۔

"عدیل کو بھیج دو۔ میں آ جاتی ہوں۔"

"نہیں! آپ آرام کریں۔ سو جائیں۔ میں ٹھیک ہوں اب۔" کہہ کر اس نے بینچ کے ساتھ پشت ٹکا لی۔ کچھ دیر تک مسز شیرازی سے بات کرنے کے بعد وہ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔

جنت سفید بستر پر بے خبر گہری نیند میں تھی۔ اس نے سر اٹھا کر آئی وی ڈرپ کو دیکھا جو تقریباً ختم ہونے کو تھی۔ گہری سانس لے کر وہ کاؤچ پر جا بیٹھا تھا۔

کھڑکی سے چاند نظر آ رہا تھا۔

باہر تاریکی بڑھ گئی تھی۔ سکون کا متلاشی اس وقت بے سکونی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو تقریباً چھ بجے کا وقت تھا۔ فارس کے سہارا دینے پر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ڈاکٹر اور نرس بھی کمرے میں موجود تھیں۔ وہ گلاس ہاتھ میں لیے وقفے وقفے سے پانی پی رہی تھی اور فارس سینے پر بازو باندھے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

رونے کے باعث آنکھیں سوجی ہوئی تھیں مگر ان میں کہیں بھی غصہ، خوف، پریشانی نظر نہیں آ رہی تھی۔ چہرے کے تاثرات بھی کچھ حد تک نارمل تھے۔ طبیعت خرابی کے باعث رنگت ہنوز زرد اور چہرہ مرجھایا ہوا سا لگ رہا تھا مگر گزشتہ شب کے واقعے کی کوئی جھلک نظر نہیں آ رہی تھی۔

چیک اپ کے بعد نرس نے کینولا ہٹا کر سنی پلاسٹ لگایا۔ ڈاکٹر نے کچھ ضروری ہدایات سے نوازا۔ کچھ تنبیہات فارس کے لیے بھی تھیں۔ وہ اسے اسٹریس اور ہر طرح کے ذہنی دباؤ سے بچا کر رکھنے کا کہہ رہی تھیں۔ شاید معاملہ اس بار کچھ سیریس ہوا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ بہت آسانی سے مسئلوں کو ٹال دیتی تھی۔ زیادہ اثر نہیں لیتی تھی۔ وہ سنتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ نظر جھکاتے ہوئے چہرے کا رخ بدل گئی تھی۔

www.pklibrary.com

سات بجے ڈسچارج کر دیا گیا تو وہ اسے گھر لے آیا۔ مسز شیرازی ان کے انتظار میں لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ وہ سیدھا ان کے پاس گئی تھی۔ ان کے گلے لگی تھی، پھر ان سے بات کر رہی تھی۔ وہ اس کے گال پر ہاتھ رکھے خفگی سے کچھ کہہ رہی تھیں اور اس نے ایک دم سے شرمندہ ہوتے ہوئے سر جھکایا تھا۔

فارس جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدرے فاصلے پر کھڑا تھا۔ بے خوابی کا شکار آنکھوں میں سرخی سی ٹھہری تھی۔ چہرہ بے تاثر سا لگ رہا تھا مگر اس کے اندر جو کچھ ہو رہا تھا اس سے صرف وہی واقف تھا۔

چونکہ ڈاکٹر نے مکمل آرام کی تاکید کی تھی تو جنت ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جبکہ وہ کچھ دیر تک مسز شیرازی کے پاس ان کے کمرے میں بیٹھا رہا تھا۔

''جنت کی باتوں سے پریشان ہو رہے ہو؟''

انہوں نے نرمی سے پوچھا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ صوفے کے ہتھے پر اس کی انگلیاں آہستگی سے متحرک ہوئیں۔

''نہیں۔'' کہہ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ دھوپ سیدھا اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ آنکھوں کا ہر رنگ نمایاں ہو رہا تھا۔

''لگ تو رہے ہو۔'' ماں تھیں وہ۔ اسے اندر تک جان گئی تھیں۔ مبہم سی مسکراہٹ لیے وہ ان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا ہو بیٹھا۔

''میں اس کی باتوں سے پریشان نہیں ہوں ممی! ان فلیٹ مجھے اچھا لگا اس نے اپنے خوف کا اظہار کر دیا۔'' وہ نارمل لہجے میں آہستگی سے گویا ہوا۔

''پچھلی بار اس نے پریشانی میں گھر چھوڑ دیا تھا۔ اس بار اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے مجھ سے بات کی۔ جو مسئلہ تھا وہ بتا دیا۔ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کی۔ آپ کا خیال ہے، میں اس پر اپ سیٹ ہو سکتا ہوں؟'' مسز شیرازی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ پھر نم آنکھوں کے ساتھ اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔

''اس نے کافی سے زیادہ اسٹریس لیا۔ تو بس اس کا سوچ کر۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اگر تم کہو تو میں جنت سے بات کروں؟''

وہ چند لمحوں تک انہیں دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ''اگر ضرورت پڑی تو آپ سے کہوں گا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت بڑھائی۔

''کچھ مت سوچو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ان شاء اللہ۔''

وہ اپنے کمرے میں آیا تو جنت بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ اسے آفس کے لیے تیار ہوتا دیکھ کر ایک دم سے پریشان ہوئی تھی۔ بیمار وہ تھی تو ہاسپٹل میں بے آرام وہ بھی تو ہوا تھا۔ آنکھیں تو رتجگے کی واضح گواہی دے رہی تھیں۔

''تم آفس کیوں جا رہے ہو؟''

''کچھ ضروری کام ہے۔'' وہ نارمل لہجے میں جواب دیتے ہوئے ٹائی کی ناٹ باندھنے لگا۔

''تم رات بھر نہیں سوئے۔ تمہیں آرام کرنا چاہیے۔'' خفیف سا ہو کر کہہ دیا۔

لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ لیے وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ بھنویں سکیڑے بیٹھی تھی، چہرے پر ہلکا ہلکا اضطراب نمایاں ہو رہا تھا۔ انگلیاں آپس میں الجھ رہی تھیں۔

''اپنا خیال رکھنا۔'' مکمل تیاری کے بعد موبائل اٹھائے باہر نکلا تو وہ بھی اپنے اندر ایک عجیب سی بے سکونی لیے پیچھے آئی تھی۔ مگر وہ باہر نہیں گئی تھی۔ اس نے گلاس وائلز سے ہی اسے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

دل عجیب سی لے پر دھڑک اٹھا۔ جو تاثرات اس نے فارس کے سامنے چھپا کر رکھے تھے، وہ چہرے سے عیاں ہونے لگے۔ آنکھوں میں ان جانا

www.pklibrary.com

سا خوف اتر آیا تھا۔ کیا وہ اس سے ناراض ہو چکا ہے؟ اسے ایک دم سے فکر ہوئی۔ اسے پہلی بار اس طرح اس کی ناراضی کی فکر ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ سارا دن اپنے کمرے میں ہی رہی۔ مسز شیرازی وقفے وقفے سے اسے دیکھنے آتی رہیں۔ سائڈ ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل آج بہت خاموش تھا۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے۔ نیم تاریکی میں پنکھے کو گھورتے۔ خود سے لڑتے۔ اور خود سے الجھتے وہ کافی سے زیادہ بے قرار رہی۔ فارس ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا۔ اس کی واپسی رات تاخیر سے متوقع تھی۔ مسز شیرازی نے اسے آگاہ کر دیا تھا۔

وہ سو چکیں تو اسے گھر میں ایک دم سے خاموشی کا احساس ہوا۔

دل اداس تھا۔ دل پریشان بھی بہت ہو رہا تھا۔ طبیعت کا بوجھل پن الگ۔ نفسیاتی حالت بھی عجیب ہو رہی تھی۔ اس نے موبائل اٹھا کر فارس کو کال کی تو موبائل آف ملا۔ کتنی ہی دیر تک وہ آنکھوں کو مسل مسل کر نمی دباتی رہی۔

اسے اپنی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اپنا لہجہ اور رویہ یاد آ رہا تھا۔ وہ سارے الزام جو اس نے لگائے۔ وہ تمام شک جو اس نے دکھائے۔

پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ ہر تکلیف، ہر بات دبا لیتی تھی۔ برداشت کر کے نظر انداز کر جاتی تھی خصوصاً عدینہ زبیر کے معاملے کو اس نے کبھی بھی اس حد تک اپنے سر پر سوار نہیں کیا تھا۔ مگر پریگنینسی کے بعد سے وہ ایسا نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے مزاج میں خاطر خواہ تبدیلی آئی تھی۔ چھوٹی سی بات اسے پہاڑ جتنی لگتی تھی۔ ایک ذرا سا وہم ہولا دیتا تھا۔ ایک ذرا سا شک دہلا دیتا تھا۔

گھڑی رات کے بارہ بجا رہی تھی۔ فارس ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ گھر کے عقبی لان میں سوئمنگ پول کے عین سامنے آہستگی سے ٹہل رہی تھی۔ سر اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔

یونہی ایک چکر کاٹ کر سر اٹھایا تو فارس وجدان پر نظر پڑتے ہی اس کی دھڑکنیں تھم گئیں۔ وہ راہداری سے گزر کر اسی طرف آ رہا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر بل تھے، جبڑے بھی کچھ سختی سے بھنچے ہوئے۔ وہ اسے غصے میں لگا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

اس کے قریب پہنچ کر اور پھر کچھ سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے جھکا تو وہ ایک دم سے گھبرا گئی تھی۔

"آرام کرنے کا کہا تھا میں نے تمہیں۔ حد ہے۔"

لب بھینچ کر اس نے جنت کا ہاتھ پکڑا اور واپس کمرے میں لے آیا تھا۔

"سو ہاؤ آر یو فیلنگ؟" وہ بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اور فارس سامنے کھڑا رسٹ واچ، کف لنکس وغیرہ اتارتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر گزشتہ شب کا کوئی اثر نہ تھا۔ نہ خفگی۔ غصہ یا برہمی۔ کچھ بھی نہ تھا۔ ہاسپٹل سے واپسی کے بعد وہ اسے اب نظر آیا تھا۔ اب بات ہوئی تھی۔ اب دیکھ رہا تھا۔

"آئم گڈ!" نظریں چرا کر یہاں وہاں دیکھنے لگی۔ پورا سین، باتیں، اپنا رویہ یاد آ رہا تھا تو شرمندگی الگ ہو رہی تھی۔ صرف ایک قتل کا الزام باقی رہ گیا تھا۔ اس کے علاوہ تو وہ اسے ہر طرح کا مجرم بنا چکی تھی۔

اب وہ سامنے وارڈ روب کھولے کھڑا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ کپڑے نکال کر واش روم میں چلا گیا۔

وہ شاور کی آواز سنتی سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اسے فارس سے بات کرنی چاہیے؟ کیا بات کرنی چاہیے؟ ذہن بے طرح سے الجھا ہوا تھا۔ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

شاور لینے کے بعد وہ ہلکے سرمئی رنگ کے ٹراؤزر پر بغیر بازوؤں والی سیاہ بنیان میں باہر آیا تھا۔ بالوں کو اچھی طرح سے رگڑ کر خشک کرتے اس پر نظر پڑی تو رک گیا۔

"تم پھر سے رو رہی ہو۔"

www.pklibrary.com

جنت نے رخ موڑ کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''اب کیا ہوگیا۔'' وہ ایک دم سے نرم پڑا تھا۔ برابر میں بیٹھتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''میں نے تمہیں کتنی بار کالز کیں۔ تم نے مجھ سے بات نہیں کی۔ تم نے میرے میسج بھی نہیں دیکھے۔ اور اب تم۔''

''اب میں کیا؟'' وہ ذرا حیران ہوا تھا۔

اس کا ذہن منتشر تھا۔ پہلے کچھ اور کہہ رہی تھی۔ اب کچھ اور کہنے لگی تھی۔

''میں کل ڈر گئی تھی فارس۔ مجھے لگا۔ تم مجھے وجدان ہاؤس سے نکال کر وہاں شفٹ کر رہے ہو۔ تم عدینہ کو واپس لا رہے ہو۔ تو بس اس وجہ سے میں نے.....''

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ جس طرح کے حالات سے وہ گزری تھی۔ اس کا یہ خوف فطری تھا۔ وہ اس کے کسی بھی ردعمل پر ناراض نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی بھی بات پر پریشان نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر اس کی یہ وضاحت۔

''ہماری بات تو کل ختم ہوگئی تھی۔'' اس نے بہت ہلکے پھلکے سے لہجے میں کہا۔ مگر وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ سر جھکائے رہی۔ جیسے اس کے لیے تو کچھ بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

''ویسے تمہیں نہیں لگتا ہمارا ریلیشن دن بدن اسٹرونگ ہوتا جا رہا ہے؟'' متبسم لہجے میں پوچھا تو جنت نے چونک کر نا سمجھی کے عالم میں سر اٹھایا۔

''اب یہی دیکھ لو۔ کیا پہلے کبھی ایسا ہوا کہ میں کال نہ کروں اور تم اتنا پریشان ہو جاؤ۔''

وہ ایک دم سے بوکھلا گئی۔

''ایسا تو نہیں ہوا۔ میں اس وجہ سے پریشان نہیں تھی۔''

آنکھیں رگڑ کر صاف کرتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لمحوں میں اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اپنے تاثرات کو بدلا تھا۔ اپنے خوف کو چھپایا تھا۔ اپنی پریشانی کو رفع کیا تھا۔ وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

''گڈ نائٹ۔'' کمفرٹر تان کر وہ سوتی بن گئی۔ جیسے مزید کچھ کہنے کو۔ اور کچھ سننے کو رہا ہی نہ تھا۔ اندر کا شور بھی کچھ حد تک تھم گیا تھا۔ کسی بات کو سوچ کر اسے اب وحشت بھی نہیں ہو رہی تھی۔

تولیہ صوفے پر اچھالتے ہوئے وہ اپنی سائڈ پر آ گیا تھا۔ سونے سے پہلے وہ کچھ دیر تک موبائل اٹھائے بیٹھا رہا تھا۔ کچھ میسجز اور ای میلز تھیں جنہیں دیکھنا ضروری تھا۔ جنت اس کی جانب کروٹ بدلے گہری نیند میں اتر چکی تھی۔

موبائل رکھ کر وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔ رنگت ہنوز زرد تھی۔ آنکھوں کے حلقے بھی کچھ نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ پہلے سے کچھ بہتر تھی مگر اسے پھر بھی کمزور لگی۔ جھٹکا کم تو نہیں تھا جو اسے لگا تھا۔ نہ وہ اسٹریس کم تھی جو اس نے گزشتہ شب لی تھی۔

اس نے کمفرٹر کھینچ کر درست کرتے ہوئے لیمپ آف کر دیا تھا۔ مگر باوجود کوشش کے وہ سو نہیں سکا تھا۔ شور ایسا ہی تھا دہلا دینے والا۔ بند آنکھوں پر ٹھہرے مناظر بھی۔ کسی اذیت سے کم نہ تھے۔

کانچ وہ جو قدموں کو چھو رہا تھا۔ آگ وہ جو سینے میں جل رہی تھی۔ اس کے وجود میں جیسے دھواں بھر گیا تھا۔ مٹھیاں بھینچ کر اس نے اپنا سر تکیے میں دے دیا تھا۔ وہ سونا چاہتا تھا۔ بہت گہری نیند سونا چاہتا تھا۔

مگر گزشتہ رات کی طرح آج رات بھی اسے نیند نہیں آنے والی تھی۔ اور اگلی کئی راتوں تک بھی شاید وہ اسی بے خوابی کا شکار رہنے والا تھا۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر وہ بہت زیادہ خاموش تھی۔ مسز شیرازی اور فارس تو روزمرہ کی طرح بات کر رہے تھے مگر اسے تو جیسے کسی بھی بات کا جواب دیتے ہوئے عجیب دقت سی ہو رہی تھی۔ بار بار نظر اٹھا کر فارس کو دیکھتی تھی تو اس کے چہرے کے تاثرات اور لہجے میں

www.pklibrary.com

کسی قسم کا فرق یا تبدیلی نظر نہیں آ رہی تھی۔

اپنے ٹیبلٹ پر ہیڈ لائنز دیکھتے ہوئے وہ گاہے بگاہے اس سے بھی مخاطب ہو رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ٹوسٹ پر جیم لگانے کو کہا تھا۔ پھر اورنج جوس کا گلاس مانگا تھا۔ اور اب کپ میں چائے ڈالنے کو کہہ رہا تھا۔

پتا نہیں اسے کیا ہو گیا تھا؟ اندر ہی اندر خود سے الجھتے ہوئے اس نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا۔ سب نارمل تھے تو وہ کیوں ابنارمل ہو رہی تھی؟

ناشتے کے بعد اس نے ورک آؤٹ کیا اور اپنے منتشر خیالات اور پیچیدہ سوچوں کو آرگنائز کرتی وہ لان میں آ گئی۔ کھلی فضا میں گہری سانس لیتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر شیشے کی دیوار کی طرف جہاں فارس وجدان اسے سیل فون کان سے لگائے بات کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مسز شیرازی اپنے اسٹوڈیو میں تھیں۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔ عموماً وہ دوپہر میں واک کے لیے پارک جاتی تھی مگر آج دس بجے ہی میڈ کو ساتھ لیے چلی گئی۔ اقصیٰ اپنے کالج گئی ہوئی تھی ورنہ وہ اس کے ساتھ ہی جاتی۔

سر پر دوپٹہ اور شال اچھی طرح سے لیے، وہ سینے پر بازو باندھے جاگنگ ٹریک سے قدرے فاصلے پر سرسبز کیاری کے قریب آہستگی سے قدم اٹھا رہی تھی جب اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ بے اختیار مڑ کر پیچھے دیکھا تو اسے فارس دکھائی دیا۔

یہ آفس نہیں گیا؟ وہ اسے دیکھ کر ایک دم سے حیران ہوئی۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اب اس کے برابر میں اس کی ہی رفتار سے قدم اٹھانے لگا تھا۔

"تم..... یہاں....."

"ہاں۔" اس کا لہجہ ویسا ہی متوازن تھا۔

اللہ کرے خیر ہو، وہ بہت اندر تک ڈر گئی۔

"چونکہ میں کچھ معاملات میں ردوبدل کرنے والا ہوں سو۔ مجھے لگا تم سے بات کر لینی چاہیے۔"

جنت کا دل زوروں سے دھڑکا۔ آخر ایسی کون سی بات تھی جو گھر میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جس کے لیے اسے اپنے آفس سے بھی چھٹی کرنی پڑی تھی۔

وہ رک گئی۔ دونوں آمنے سامنے ہوئے۔ چند لمحوں تک سسپنس کی انتہا کرتے ہوئے وہ چپ کھڑا رہا۔ اور وہ بھی مضطرب سی یہاں وہاں دیکھتی رہی۔ بالآخر اس نے سنسنی خیز خاموشی کا قفل توڑا۔

"آج سے تم واک پر میرے ساتھ آؤ گی۔ شاپنگ کے لیے۔ ڈنر کے لیے بھی۔ آئمہ کے ساتھ اپنے پلانز کینسل کر دو۔ بلکہ میں اسے خود منع کر دوں گا۔ اسے جب بھی ملنا ہو گا وہ ہمارے گھر آئے گی۔ دیکھتا ہوں، میرے ہوتے ہوئے کون تمہارے اس چھوٹے سے دماغ میں خناس بھرنے کی کوشش کرتا ہے۔" اس نے جھک کر انگشت شہادت سے جنت کی پیشانی پر ٹھونکی۔

اس نے بوکھلا کر سر اٹھایا۔ فارس وجدان کی پہلی تمام باتیں ایک طرف۔ اور آخری ایک بات دوسری طرف۔

"تم میرے دماغ کو چھوٹا کہہ رہے ہو؟" آواز صدمے سے پھٹ گئی تھی۔

"کیا نہیں کہنا چاہیے؟" اس نے اپنے ہاتھ ٹریک سوٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔ "میں تمہیں ایک گھر دینا چاہ رہا تھا اور اس کے لیے مجھے وضاحتیں دینی پڑیں۔ تم رائٹر کیوں نہیں بن جاتیں؟ اتنا سنسنی خیز سنیاریو ہوتا ہے تمہارے دماغ میں۔ میں خود حیران رہ جاتا ہوں۔"

اور وہ جو اپنے ضمیر کی ملامتیں سہتی اپنے آپ میں چھپتی پھر رہی تھی، ایک دم سے چڑ گئی۔

"ابھی رات تم کہہ رہے تھے یہ بات ختم ہو چکی ہے۔"

"کیا میں نے واقعی ایسا کہا تھا؟" وہ حیران ہوا۔ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

جنت نے تپ کر اسے دیکھا۔

"تمہاری یادداشت کمزور نہیں ہوتی جا رہی؟"

"تمہاری صحبت کا اثر ہے، کیا کر سکتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، فارس جاگنگ

www.pklibrary.com

ٹریک پر بھاگتے ہوئے دور نکل گیا تھا۔ وہ بھنویں سکیڑے اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

کھانے کے بعد وہ اپنے لیے سبز چائے بنا رہی تھی جب ملازم اسے ایک خاکی لفافہ دے کر گیا تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے لفافہ چاک کر کے کاغذات نکالے اور اپنی جگہ تھم گئی۔

وہ بچے کی کسٹڈی کے پیپرز تھے۔ اس کا اعتبار بحال کرنے کوشش۔ اس کا اعتماد جیتنے کی جستجو۔ جو کہا تھا اس نے وہ کر دکھایا تھا۔

اور جنت کو تو ایسی کوئی بات یاد ہی نہ رہی تھی۔

اسی لمحے موبائل بج اٹھا۔ برفیلے پہاڑوں کے ساتھ آنٹی کا بیٹا لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ منجمد ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ نچلا لب کاٹتے ہوئے اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''تمہیں پیپرز مل گئے؟''

کس قدر کوشش سے اس کے لب ہلے۔

''ہاں۔''

''گڈ۔'' دوسری طرف اطمینان بھری آواز آئی۔ ''اور کوئی حکم؟'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے ایسا کوئی حکم تو نہیں دیا تھا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے تھے۔ سر جھک گیا تھا۔

''حکم نہیں دیا تھا۔ مگر یقین بھی تو نہیں کر رہی تھیں۔ اب جو تمہاری اسٹوری کا ولن ہے۔ اسے ہیرو بننے کے لیے کچھ تو کرنا تھا۔''

اس نے بے اختیار نچلا لب دانتوں میں دبایا۔ آنکھیں مکمل نم ہو چکی تھیں۔

''ہاں تو کیا میں نے کہا تھا میرے ساتھ اتنا برا کرو۔'' بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے آنکھوں کو مسلتے ہوئے آواز کو حتی الامکان مضبوط کیے رکھا۔

''جو اچھا کر رہا ہوں، اسے بھی تو دیکھو۔''

وہ چپ رہی۔ کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے خاکی لفافہ کاؤنٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔

''اب کیا کر رہی ہو؟'' وہ موضوع بدلتے ہوئے بولا۔

''سبز چائے بنا رہی تھی۔'' اس نے داہنے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔ مڑ کر آنچ ہلکی کر دی۔

''اس کے بعد کیا کرو گی؟''

''آنٹی کے ساتھ لان میں جاؤں گی۔ وہ ابھی نماز پڑھ رہی ہیں۔''

''اس کے بعد۔''

''اس کے بعد.....'' ایک لمحے کو رکی۔ ''پتا نہیں۔''

''موسم اچھا ہو رہا ہے۔ کیا خیال ہے، کہیں باہر چلیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ جنت چپ رہی۔

''ممی سے بھی کہو۔ آج ہم تینوں چلیں گے۔'' کہہ کر کال کاٹنا چاہی۔

''سنو۔'' جنت نے ایک دم سے کہا تو وہ سیل فون کان سے ہٹاتے ہٹاتے رک گیا تھا۔

''سناؤ۔''

وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے چند لمحوں تک کھڑی رہی۔ پھر ہمت مجتمع کر کے بولی۔

''تمہارا شکریہ۔''

فارس کے لبوں پر تبسم بکھرا۔

''اچھا تو وہ کس لیے؟'' وہ انجان بنتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''اب وجہ تم خود ہی ڈھونڈ لو۔'' اس نے تپ کر کال کاٹ دی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

جنت کمال نم آنکھوں کے ساتھ خاکی لفافے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

مسز شیرازی کے اسٹوڈیو میں وہ اس وقت اکیلی موجود تھی۔ ترتیب سے رکھی پینٹنگز اور دیگر اشیاء کو دیکھتے اس نے پردے کھینچ کر ہٹا دیے تھے۔ کھڑکیوں کو بھی کھول دیا تھا۔ کھلی فضا میں گہری سانسیں لیتی کتابوں کے ریک کے سامنے جا کھڑی

www.pklibrary.com

ہوئی تھی۔ آرٹس اور شاعری کی بہت سی کتابیں تھیں جنہیں وہ ہاتھوں میں لے کر، چند ایک صفحے پلٹ کر اور کچھ عبارتیں پڑھ کر رکھتی جا رہی تھی۔ کتابوں کے ساتھ ہی بالکل کونے میں ایک رجسٹر کے سائز کا پکچر فریم رکھا تھا۔ اس نے وہ فریم اٹھا لیا تھا۔ اس پر چڑھا کاغذی کور ہٹا دیا۔

ایک شان اور تمکنت سے شاہی کرسی پر براجمان اعظم شیرازی۔ سمارٹ اور کسرتی جسم کے مالک۔ بھورے بال۔ بھورے رنگ کی تراشیدہ داڑھی۔ زیرک نگاہیں۔ بارعب سی شخصیت۔ پیشانی تو بالکل فارس جیسی لگ رہی تھی۔ عقب میں مسز شیرازی اپنے شوہر کے ہمراہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس کھڑی تھیں۔ وہ اس قدر ڈیسنٹ اور پرکشش لگ رہی تھیں کہ جنت کتنی ہی دیر تک ان کے چہرے پر سے نگاہ نہیں ہٹا سکی۔ بے ساختہ ان کے چہرے کو چھوا۔ ان کی سیاہ آنکھوں میں زندگی کی رمق نمایاں تھی۔ اور ان کی مسکراہٹ تو آج بھی اسے بہت خوب صورت لگتی تھی۔

تھری پیس سوٹ میں ملبوس ہارون شیرازی کے لبوں پر مبہم مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اعظم شیرازی کے پہلو میں سات آٹھ سال کا پیارا سا بچہ کھڑا تھا۔ یہ بچہ فارس وجدان نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں ہیزل نہیں تھیں۔ نہ ہی سیاہی مائل بالوں میں شہد رنگ کی آمیزش تھی۔ یہ لڑکا حماد شیرازی تھا۔ ایک مکمل خاندان کی ایک مکمل تصویر۔ جس میں فارس وجدان کہیں نہیں تھا۔

اس نے ایک بار پھر اپنی نگاہیں اعظم شیرازی کے باوقار چہرے پر جما لی تھیں۔ اسے لگا وہ اسے دیکھ رہے ہیں۔

"وہ مجھے مار دیں گے۔" اذیت میں ڈوبی۔ خوف سے لرزتی فارس کی آواز۔

"کون؟"

"اعظم شیرازی!"

اس کے دل کو ایک دم سے کچھ ہوا۔ خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے اس نے فریم واپس رکھنا چاہا تھا جب اقصیٰ نے پیچھے سے گردن نکالی تھی۔

"السلام علیکم آپی۔"

"اف اللہ! اقصیٰ ڈرا دیا تم نے مجھے۔" سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے جھڑک دیا۔ اقصیٰ نے دانت نکالے۔ پھر فریم کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھیلیں۔

"ارے یہ بڑے صاحب ہیں؟ اعظم صاحب؟" اس نے تصدیق کے لیے جنت سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔"

"اللہ بخشے انہیں۔ ویسے کہنا تو نہیں چاہیے۔ پر ابا بتاتے ہیں۔ بہت سخت آدمی تھے۔" اس نے اعظم شیرازی کو ذرا سی گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کی شخصیت تھی ہی ایسی۔ تصویر میں بھی ایک رعب سا جھلک رہا تھا۔

"تمہارے بابا جانتے ہیں انہیں؟" جنت نے کچھ حیرت سے مڑ کر پوچھا تھا۔

"جی، ابا نے کوئی دس سال بڑے صاحب کے گھر میں کام کیا ہے۔"

"اچھا۔"

"تو اور کیا۔" اس کے لیے جیسے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی۔

"پھر تو تمہارے ابا سب کو جانتے ہوں گے۔ فارس، حماد بھائی اور ہارون انکل کو بھی۔"

"ارے کہاں۔" اقصیٰ نے ایک دم سے ہاتھ ہلایا۔

"ابا تو صرف حماد صاحب اور ہارون صاحب کو جانتے تھے۔ فارس صاحب سے تو کبھی ملے ہی نہیں تھے۔ آپ کو پتا ہے جب ابا کو فارس صاحب نے اسلام باد بلوایا تھا تو انہیں تب پتا چلا یہ بھی ان کے بیٹے ہیں، ہاہا۔" وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کے ہنسی۔ اور جنت ہونق بنی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ابا بہت بھولے ہیں آپی۔ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ ادھر ادھر کوئی توجہ ہی نہیں دیتے۔ آپ کو

www.pklibrary.com

پتا ہے، ایک بار نکی خالہ لاہور سے آئی ہوئی تھیں تو ابا اماں سے پوچھنے لگے یہ کون ہے۔ اور اماں نے انہیں وہ گھورا کہ بس کہ لو بتاؤ۔ بیوی کی بہن نہیں پہچانی گئی۔ ابا ہنستے رہے کہ بھئی چھوٹی سی بچی ہوا کرتی تھی۔ اب تو تم سے بھی بڑی لگ رہی ہے۔ اور ایک بار جیدے کو اپنے ساتھ ملا عبدالحکیم کی شادی پر لے گئے تھے۔ واپسی پر اسے وہیں بھول آئے۔"

"ایک سیکنڈ۔" جنت نے اسے بروقت بریک لگایا۔

"تمہارے کہنے کا مقصد ہے۔ جب تمہارے ابا فارس کے دادا کے گھر کام کرتے تھے۔ تو وہاں فارس نہیں رہتا تھا؟"

"رہتے ہوں گے جی۔ پکا رہتے ہوں گے۔ میں نے آپ کو بتایا نا۔ میرے ابا نے نہیں دیکھا ہو گا۔" اسے پورا یقین تھا۔

"کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی کسی گھر میں دس سال کام کرے اور اسے اس کے مکینوں کا نہ پتا ہو؟" جنت نے الجھ کر پوچھا۔

اقصیٰ نے ایک دم سے چونک کر جنت کو دیکھا۔ اس کے ابا بہت بھولے ہیں، یہ بات وہ بھول گئی۔ آنکھیں پھیلائے جنت کو دیکھے گئی۔ پھر سوچ میں پڑ گئی۔ بات تو اس کی آپی کی ٹھیک تھی۔ ذہن کو یہاں وہاں دوڑا کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کی کہ ابا نے اور کیا بتایا تھا۔

"ارے ہاں، آپی یہ سب تو زیادہ تر امریکا رہتے تھے۔" اسے ایک دم سے یاد آیا تو خوش ہو کر بولی۔ "کبھی کبھار چھٹیوں میں آتے تھے۔"

"اچھا!" اس کی نگاہیں ایک بار پھر تصویر پر جم گئی تھیں۔

"ارے میں تو بھول گئی۔" اقصیٰ کو ایک دم سے کام کی بات یاد آئی تو پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "فارس صاحب۔ وہ بلا رہے ہیں آپ کو۔"

"اب بتا رہی ہو۔" پکچر فریم رکھ کر جنت کچھ عجلت میں قدم اٹھاتی اسٹوڈیو سے چلی گئی تھی۔ اقصیٰ نے رک کر ایک بار پھر اس تصویر کو دیکھا تھا۔

کیسے دیکھ رہے تھے اعظم شیرازی۔ بالکل فارس صاحب کی طرح۔

جھرجھری سی لے کر اس نے سوچا تھا۔ پھر سر جھٹک کر باہر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

شام کا کھانا جنت نے فارس اور مسز شیرازی کے ساتھ لان میں کھایا تھا۔ کچھ کام کا بوجھ تھا اور کچھ اس لیے کہ فارس پچھلی کچھ راتوں سے بے آرام تھا تو سونے کی غرض سے وہ جلد ہی کمرے میں چلا گیا تھا۔ جبکہ جنت کچھ دیر تک مسز شیرازی کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی۔

دس بجے کمرے میں گئی تو اسے پانی کا خالی گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھتے دیکھ کر چونک گئی۔ اس کا تو خیال تھا وہ اب تک سو چکا ہو گا۔

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔" ذرا سا حیران ہوئی۔

"ہاں وہ نیند۔ نہیں آئی۔" کہہ کر دوبارہ لیٹا۔ کمفرٹر سینے تک کھینچا۔ لیمپ آن رہنے دیا۔ جنت بائیں طرف سے اپنی جگہ پر آ گئی۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں!" وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

وہ کچھ لمحوں تک خاموش رہی۔

"تم مجھے گھر کیوں دینا چاہ رہے تھے؟" جو سوال دل میں تھا، وہ لبوں پر آ گیا۔ وہ برابر میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

فارس نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحوں تک خاموش رہا۔

"اس لیے کہ اگر تم علیحدگی کا فیصلہ کرتی ہو تو تمہارے پاس ایک مستقل ٹھکانا ہونا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا تمہیں کسی بھی طرح کی کوئی پریشانی ہو۔"

جنت کمال اگلے کئی لمحوں تک کچھ کہہ نہ سکی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے تھے۔ وہ ہمیشہ اس کے بارے میں غلط سوچتی تھی۔ غلط

www.pklibrary.com

اندازے لگاتی تھی۔

وہ کروٹ کے بل بازو سر کے نیچے رکھے اسے دیکھنے لگا۔

''اور اگر میں نے علیحدگی کا فیصلہ نہ کیا تو؟''

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ فارس کے لبوں پر مسکراہٹ سی پھیلی جسے دیا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''پھر بھی تمہیں ایسا گھر چاہیے جہاں تم مجھ سے ناراض ہو کر جا سکو۔ میں تمہیں منانے آسکوں۔''

جنت آنکھوں میں نمی اور درد لیے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اس جواب کے لیے تیار نہیں تھی۔ بالکل بھی نہیں تھی۔ اسے ایک دم سے رونا آیا مگر ضبط کیے رہی۔

''تمہیں گھر کیسا لگا؟'' چند ثانیوں کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

''میں ٹھیک سے دیکھ نہیں سکی۔ تمہیں کیسا لگا؟'' آہستگی سے پوچھا۔

''بہترین۔ میرے خیال سے تو لوکیشن بھی پرفیکٹ ہے۔ یعنی اگر تم مجھ سے لڑ کر وجدان ہاؤس سے پیدل وہاں جانا چاہو گی تو صرف دس منٹ ہی لگیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب تمہارا اپنا ذاتی ڈرائیور ہو گا تو پھر پانچ منٹ۔ اور اگر ڈرائیونگ سیٹ میں نے سنبھالی ہو گی۔ تو پھر پورا ایک گھنٹہ لگے گا۔''

اور وہ نم آنکھوں کے ساتھ ایک دم سے ہنس پڑی۔ فارس کے لیے اس لمحے اس کی ہنسی سے زیادہ قیمتی شے اور کچھ نہ تھی۔

''یعنی تم ابھی بھی اپنا فائدہ اور آسانی دیکھ رہے ہو۔''

''بالکل میرا حق ہے ایسا کرنا۔''

''ڈن کر دوں؟'' پھر تصدیق چاہی۔

اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''ویسے میں اتنی بھی کنگلی نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھ رہے ہو۔'' چند لمحوں کے بعد اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ آنکھوں میں چمک ٹھہری تھی۔ لہجہ خوش گوار ہو رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے تک جو اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا وہ اب کسی پھول کی طرح کھل اٹھا تھا۔

''میرے نانا نے اپنا گھر میرے نام کیا تھا۔ بہت بڑا گھر ہے، بہت پیارا بھی ہے۔''

''ہاں لیکن اتنا دور۔ اب تمہیں کوئٹہ منانے کون جائے؟''

وہ ایک دم سے ہنسی اور اگلے ہی لمحے ٹھٹھک گئی۔

''تمہیں کیسے پتا، میرے نانا کا گھر کوئٹہ میں ہے؟''

فارس کی نیند بھک سے اڑی۔ آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ کچھ دیر پہلے تک لیٹی ہوئی تھی اور اب بیڈ پر آلتی پالتی مارے انتہائی مشکوک نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔

''تم نے بتایا تھا مجھے۔'' فوراً ہی سنبھل کر کہا۔

''میں نے تمہیں یہ بات کبھی نہیں بتائی۔'' وہ پورے وثوق سے بولی۔ فارس نے اندر ہی اندر خود کو کوسا۔ بھلا کیا ضرورت تھی اس طرح بات کرنے کی۔

''بتائی تھی، تم بھول گئی ہو۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یقیناً کچھ چھپا رہے ہو مجھ سے۔''

''بالکل نہیں۔ تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو۔''

جنت کے تیور کافی حد تک خطرناک ہو چکے تھے،

وہ لب بھینچ کر اس پر جھکی۔ ''تم نے میری جاسوسی کی؟''

فارس کا منہ کچھ صدمے اور حیرت سے کھلا۔

''میں ایسا کیوں کروں گا؟''

''یہ تو تم ہی مجھے بہتر بتا سکتے ہو۔''

''گاڈ سیک جنت!''

''پھر تمہیں یہ کیسے پتا چلا میرے نانا کا گھر کوئٹہ میں ہے؟ ہاں؟''

وہ لاجواب ہوا۔

www.pklibrary.com

"اور یاد ہے ایک بار تم نے مجھ سے کہا تھا۔" کھنکھار کر گلا صاف کیا، تاثرات میں ایک دم سے مصنوعی سنجیدگی لے آئی۔

"تم میں، میں اتنی سی دلچسپی بھی نہیں رکھتا کہ اپنے آدمیوں کو تمہارے حوالے سے آرڈر دیتا پھروں۔ یاد آیا؟"

فارس کو سب اچھی طرح سے یاد آ گیا۔

"سو جاؤ جنت!" کمفرٹر سر تک لیتے ہوئے اپنی شکل گم کرنا چاہی۔ جنت نے فوراً ہی کھینچ کر ہٹا دیا۔ "میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔"

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب اس مسئلے سے جان کیسے چھڑائے۔

"مجھے صبح آفس بھی جانا ہے۔"

"ہاں تو میں نے کب کہا، مت جانا۔" لب بھینچ کر اسے گھورتی رہی۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"آخر تم مان کیوں نہیں رہے کہ تم نے میری ساری معلومات نکلوائی ہے؟"

وہ خاموش ہو گیا۔ وہ جھک کر اس کی آنکھوں کو پڑھتی رہی۔

"دیکھا۔" پھر فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔ "مجھے پتا تھا، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں نے اپنے کوئٹہ والے گھر کے بارے میں تمہیں کبھی کچھ نہیں بتایا۔"

وہ کہنی کے بل ذرا سا اوپر ہوا۔

"اب پن اور پیپر اٹھاؤ اور بیٹھ کر ناول لکھو۔ میں نے تمہیں تمہارے اس کوئٹہ والے گھر کی وجہ سے اپنایا ہے۔ کیونکہ وہ گھر ایک ایسے خطے پر ہے جس کی قیمت کروڑوں میں ہے۔ زمین کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے۔ وہیں کہیں میری کوئی محبوبہ بھی رہتی ہے۔ جنات کے ساتھ بھی میرا رابطہ ہے۔ اور میں تمہیں بہلا پھسلا کر وہاں لے جانا چاہتا ہوں تاکہ وہاں کسی کنویں میں پھسل کر تم ہلاک ہو سکو اور میں وہ زمین ہتھیا سکوں....."

جنت اس افتاد پر ایک دم سے بوکھلائی اور پھر چڑ کر اس نے ہاتھ میں دبا ہوا کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔ فارس کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ ناراض ہو کر فوراً سے اٹھ گئی۔

"میں تو تمہاری مشکل آسان کر رہا تھا۔ تم ساری رات سوچتی ہی رہتیں۔ اور تمہیں نیند ہی نہ آتی۔ میں نے سوچا ممکنہ سینارو خود ہی تیار کر دوں۔" آنکھوں میں شرارت لیے سنجیدگی سے کہا۔ لہجہ متبسم تھا۔

سلیپرز پہنتے ہوئے جنت نے تلملا کر اسے دیکھا۔

"بات مت کرو مجھ سے تم۔" کہہ کر باہر نکل گئی۔ دروازہ بند کر کے دروازے کو ہی چند ایک سخت گھوریاں دیں۔

"میری ساری معلومات نکلوائی ہے اور ظاہر ایسے کرتا ہے جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

پورا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے پانی پیا، ایک بوتل ساتھ لیے کمرے میں واپس آ گئی۔ آہستگی سے دروازہ بند کر کے کچھ دیر اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ اور جب تسلی ہو چکی کہ وہ سو چکا ہو گا تو اٹھ کر اس کی بیڈ سائڈ ٹیبل کی طرف آ گئی۔ موبائل کی فلیش لائٹ آن کیے آہستگی سے دراز کھولی۔ اندر پڑی اشیاء کو ادھر ادھر کیا۔ اس کی الرجی ٹیبلٹس، کچھ ضروری کاغذات، والٹ اور گھڑی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس نے پھر صوفے پر رکھی اس کی جیکٹ کی تلاشی لی۔ داہنی جیب سے سلیپنگ پلز اور چند ایک ادویات برآمد ہو گئیں۔

اپنے اندر ایک عجیب سی بے سکونی، وحشت بھرا خوف لیے وہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

لندن جانے سے پہلے اسے یہ مسئلہ نہیں تھا۔ اتنا وہ جانتی تھی۔ یا شاید تب بھی وہ لیتا ہو۔ اسے اندازہ نہیں تھا یہ کب سے شروع ہوا تھا۔ مگر اب کچھ ادویات کا فارس کے ساتھ مستقل طور پر جڑ جانا اسے شدید پریشانی میں مبتلا کر گیا تھا۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

ہفتے کا دن تھا۔ اپنی نگرانی میں وہ گراؤنڈ فلور کے بیشتر کمروں کی صفائی کروا رہی تھی۔ ایک نئی ترتیب سے چیزوں کو آرگنائز کرتی، غیر ضروری سامان کو اسٹور روم میں رکھواتی وہ خود بھی ملازمین کے ساتھ جتی ہوئی تھی۔ لکڑی کے باکس میں دھری کچھ آرائشی اشیاء کا جائزہ لیتی وہ سجاوٹ کے لیے کچھ نئی اشیاء کا انتخاب کر چکی تھی۔

مسز شیرازی کے کہنے پر اس نے لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکیوں کے پردے بھی بدلوا دیے تھے۔ راہداری کی دیواروں پر کچھ پینٹنگز کا بھی اضافہ کر دیا تھا۔ ان ڈور پلانٹس کی بھی جگہ بدلی تھی۔

اور اب وہ اسٹور روم میں مزید کچھ ایسے بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز کا جائزہ لے رہی تھی جو اٹلی فرانس اور جانے کہاں کہاں سے خریدے گئے تھے۔

اس کے حکم پر اقصیٰ سٹول پر چڑھی، اوپری خانوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ فائلز کا ایک ڈھیر تھا جو گرد سے اٹا پڑا تھا۔ کاغذات۔ لفافے۔ میگزین۔ اخبارات۔ مگر اس کی تمام تر توجہ اس آرائشی باکس کی طرف تھی جو ڈبے میں پیک کونے میں پڑا تھا اور جسے جنت نے نکالنے کا کہا تھا۔ اسے وہاں سے اٹھانے کی جستجو میں ہاتھ لمبا کیے وہ ایڑیوں کے بل کچھ اوپر ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کا توازن بگڑا تھا۔

''اقصیٰ!'' اسٹول پر گرفت جمائے جنت چلائی۔ اقصیٰ نے بے اختیاری کے عالم میں ایڑیاں ٹکاتے ہوئے الماری پر گرفت جمائی۔ مگر وہ باوجود کوشش کے بھی ان فائلز کو نہ سنبھال سکی جو دھڑ دھڑ لڑھکتی سیدھا فرش پر آن پڑی تھیں۔

''تم ٹھیک ہو؟'' جنت نے سر اٹھا کر پوچھا تھا۔

''ج..... جی جی..... میں فائن، بالکل فائن۔'' وہ الماری سے چپکی کھڑی رہی تھی۔ جنت نے بے اختیار سکھ بھرا سانس لیا۔ اقصیٰ نے آرائشی باکس اس کے حوالے کیا اور خود بے حد احتیاط سے نیچے اتر آئی۔

''اف۔ ایک کام سمٹتا نہیں۔ دوسرا بکھر جاتا ہے۔'' فرش پر بکھرے کاغذات کا ڈھیر دیکھ کر جنت جھنجلائی تھی۔

''میں انہیں سمیٹ لیتی ہوں آپی۔'' اقصیٰ کہہ کر پنجوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔ اب ایک ایک کر کے سارے کاغذات فائلز میں رکھتی جا رہی تھی۔

احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے وہ جانے کے لیے مڑ ہی رہی تھی کہ نگاہ فرش پر گرے اخبار کے فرنٹ پیج پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ جھک کر اخبار اٹھا لیا۔ اگلے ہی لمحے خبر پڑھتے ہی وہ صدمے سے گنگ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

اس کے سامنے حادثاتی موت کی ایک خبر تھی۔ ملک کے ایک نامور بزنس ٹائیکون اعظم شیرازی کے اکلوتے بیٹے ہارون شیرازی اور پوتے حماد شیرازی کی موت کی خبر۔ جو کار ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوئے تھے۔

کپکپاتے ہاتھوں میں اخبار لیے وہ دم بخود کھڑی تھی۔

مسز شیرازی نے اپنے جوان بیٹے اور شوہر کو۔ ایک ہی دن میں کھویا تھا؟

اس کی پلکیں لرز اٹھیں، وجود پر کپکپی سی طاری ہوئی۔ اخبار ہاتھ میں لیے وہ راہداری میں آ گئی تھی اور وہیں سے بیک ڈور کھول کر اس نے عقبی لان کا رخ کیا تھا۔

جوان بیٹے اور شوہر کی جدائی کا صدمہ ایک ساتھ جھیلا تھا؟

وہ زینے پر رک گئی تھی۔ سوئمنگ پول کے عین سامنے لان چیئرز پر مسز شیرازی فارس کے ہمراہ بیٹھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

وہ فارس سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ پھر اس کا جواب سن کر وہ ایک دم سے مسکرانے لگی تھیں۔ پھر کسی بات پر ہنس پڑیں۔

محبت کا، رحم کا، ہمدردی کا۔ جانے وہ کون سا

www.pklibrary.com

احساس تھا کہ انہیں یوں، ہنستے مسکراتے دیکھ کر اس کا دل پھٹنے لگا۔ آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

اس نے ہمیشہ انہیں بہت مضبوط دیکھا تھا۔ اپنی زندگی، وقت اور حالات پر صابر اور شاکر ہی نظر آئی تھیں۔ مطمئن۔ پرسکون۔ پرامید۔ ان کی آنکھوں میں یقین کی ایک گہری چمک نظر آتی تھی۔ ان کا چہرہ حسن ظن سے منور رہتا تھا۔

اس کی نظر فارس تک گئی۔ وہ لان چیئر پر گردن پیچھے کی طرف گرائے آرام دہ حالت میں بیٹھا تھا۔ دھوپ میں آنکھیں بند تھیں۔ تاثرات نرم تھے۔

مسز شیرازی کی نظر جنت پر نہیں پڑی تھی۔ مگر جنت انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ اخبار پر گرفت بڑھائے وہ واپس پلٹ آئی تھی۔ اسٹور روم کا دروازہ بند کر کے وہ کتنی ہی دیر تک غیر ضروری سامان میں گھری گہری سانسیں لیتی رہی تھی۔

ایک عجیب سی بے سکونی تھی جو اس کے اندر پھیل گئی تھی۔ ایک اذیت بھرا احساس تھا جو اس کی رگ رگ میں سما گیا تھا۔ اسے ایک دم سے مسز شیرازی کے دکھ پر، ان کے نقصان پر، ان کی اذیت پر رونا آیا۔ صدیمہ ایک تو نہ تھا۔ وہ کس قدر مشکل حالات سے گزری تھیں۔

گہری سانس لے کر اس نے اقصیٰ کو دیکھا۔

وہ اپنی دھن میں تمام بکھرے ہوئے کاغذات سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی کچھ گنگنایا بھی جا رہا تھا۔ ملازمہ کاغذات اور فائلز کا بھرا ہوا ایک کارٹن لیے اندر آئی۔ آج صبح ہی فارس نے اپنی اسٹڈی کی صفائی کا حکم جاری کیا تھا۔ سو غیر ضروری فائلز اور ڈاکومنٹس معمول کی طرح اسٹور روم میں جگہ پانے والے تھے۔ ملازمہ نے وہ کارٹن بقیہ کارٹنز کے برابر میں میز پر رکھ دیا تھا۔

"فارس صاحب نے تو مانو گھر کو ہی آفس بنا دیا ہے۔" اقصیٰ صفحے اکٹھے کر کر کے تھک گئی تھی۔ جنت نے اخبار لپیٹ کر دراز میں رکھ دیا۔ کھڑکی کی سلائڈ کھول دی۔

"اور کیا رکھنا ہے آپی؟"

"اوپر جو پردے رکھے ہیں۔ وہ لے آؤ۔"

اسے حکم دے کر باہر دیکھا۔ کچھ دیر تک گہری سانسیں لیتی رہی۔ اس کی دائیں طرف آج ہی فارس کی اسٹڈی سے آنے والا کارٹن ادھ کھلا سا رکھا تھا۔ خاکی رنگ کا ایک تڑا مڑا ہوا سا لفافہ کونے میں پھنسا تھا۔ اس پر کہیں روبی اکرام کا نام لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆

"تم آج چپ چپ سی کیوں ہو؟"

فارس کے پوچھنے پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"نہیں تو۔" بدقت مسکرائی۔ کتاب ہاتھ میں تھی۔ اس نے ابھی تک اس کا ایک صفحہ بھی نہیں پلٹا تھا۔ گال پر پھسلتی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے اس نے فارس کو دیکھا۔

وہ صوفے پر تھی اور فارس بیڈ کی پائنتی کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔

اس کی فریم گلاسز پر لیپ ٹاپ اسکرین سبزی مائل عکس منعکس ہو رہا تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے تھے۔

وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں حماد بھائی یاد تو آتے ہوں گے۔"

اس کا سوال اتنا اچانک اور فارس کے لیے اس قدر غیر متوقع تھا کہ پیج پیڈ پر اس کی انگلی ایک دم سے ساکت ہوئی تھی۔ اس نے بے ساختہ نظر اٹھا کر جنت کو دیکھا تھا۔ لب باہم پیوست رہے۔ جنت کی نگاہیں اس پر جمی تھیں۔ شاید وہ منتظر تھی کہ وہ اپنے بھائی کے ذکر پر اس سے کچھ تو کہے گا۔ مگر فارس کا چہرہ سپاٹ اور زبان بالکل خاموش تھی۔

"اچانک یہ سوال کیوں؟" خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"ایسے ہی خیال آ گیا۔" اس نے کہا۔ "آنٹی بھی ان کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتیں۔"

فارس وجدان کی آنکھیں فریمیلس گلاسز کے پیچھے مکمل چھپ گئی تھیں۔ اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ چہرہ مزید سپاٹ اور سنجیدہ سا لگنے لگا تھا۔

www.pklibrary.com

شاید گزر جانے والوں کا ذکر کچھ قریبی رشتوں کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہوگا۔ اس نے گہری سانس لے کر سوچا۔ لیکن وہ تو آج بھی اپنے نانا کو یاد کرتی تھی اور ان کے بارے میں ڈھیروں باتیں بھی کرنا چاہتی تھی۔ جانے کیا وجہ تھی کہ اس گھر میں ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا جو اسی گھر کا ایک مضبوط حصہ رہ چکے تھے۔

گہری سانس لے کر اس نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔

مسز شیرازی کے بیڈ روم کے سامنے رک کر اس نے بند دروازے پر آہستگی سے دستک دی تھی۔

''کم ان۔''

اجازت ملتے ہی وہ دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔ مسز شیرازی بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے، کوئی کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں۔ کہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ فارس کے ہمراہ انہیں شب بخیر کہہ کر گئی تھی۔

''میں آپ کے پاس آ جاؤں؟'' معصومیت سے پوچھا۔

''بھلا یہ کیسا سوال ہوا؟'' کتاب رکھ کر، گلاسز ہٹاتے ہوئے انہوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وہ بہت سے آنسو اپنے اندر اتارتی ان کے پہلو میں لیٹتے ہوئے ان کی بانہوں میں سما گئی تھی۔

''کیا ہوا میری بیٹی کو؟''

ان کے سینے پر سر رکھے وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ ان کی آغوش میں ایک دم سے بہت سکون سا ملا تھا اسے۔

''کچھ بھی نہیں ہوا مجھے۔'' کہہ کر کچھ دیر چپ چاپ لیٹی رہی۔

وہ ان کے سامنے ان کے شوہر اور بیٹے کا ذکر کرنا چاہتی تھی۔ وہ انہیں اسٹور روم سے ملنے والے ایک اخبار کے فرنٹ پیج پر نظر آنے والی ایک خبر کا حوالہ دینا چاہتی تھی۔ غم ان کا تھا۔ درد اسے ہو رہا تھا۔ اسے اس عرصے میں پہلی بار ادراک ہوا، وہ اندر سے کس قدر ٹوٹی ہوئی تھیں۔ پہاڑ جتنی آزمائشیں جھیل کر ان کے لبوں پر آج بھی کلمہ شکر جاری رہتا تھا۔

اسے ان کے پوتے کا خیال آیا۔ وہ معصوم اور یتیم بچہ جسے وجدان ہاؤس میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور جسے فارس وجدان قبولنے کو تیار نہیں تھا۔ اسے فارس کے ساتھ ان کی گفتگو، ان کی باتیں، التجائیہ لہجہ اور آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں یاد آئیں۔

''آپ نے فارس سے دوبارہ بات کی؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''کون سی بات؟'' مسز شیرازی کے داہنے ہاتھ کی انگلیاں اس کے بالوں میں متحرک تھیں۔

''اپنے پوتے کے بارے میں۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ مسز شیرازی کا ہاتھ رک گیا۔

''پہلے میں نے سوچا تھا۔ جب میں عسریسرا کا راز پالوں گی تو آپ مجھے ایڈریس دے دیں گی اور میں آپ کے پوتے سے ملنے جاؤں گی اور اسے یہاں لے آؤں گی۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے اپنی کمزور پڑتی آواز کو مضبوط کیا۔ ''اور اب مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے اس سے جلد ملنا چاہیے۔''

مسز شیرازی کے تاثرات بدل گئے۔ سیاہی مائل آنکھوں میں ایک غیر مفہوم سا تاثر ٹھہر گیا۔ جنت اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ چہرے پر پریشانی لیے اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ انہیں۔

''میں فارس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں اسے سمجھانا چاہتی ہوں کہ وہ ظلم کر رہا ہے۔''

''جنت!'' انہوں نے کچھ صدمے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔ ایک اضطراری سی کیفیت ان کے وجود پر طاری ہو چکی تھی۔

''نہیں۔'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ہاتھ پر گرفت بڑھائی۔ ''ہرگز نہیں۔'' ایک بار پھر زور دے کر کہا تھا۔ ''تم فارس سے اس بارے میں۔ کبھی بھی۔ کوئی بات نہیں کرو گی۔'' لہجہ تادیبی۔ انداز تاکیدی تھا۔

''آنٹی۔''

''یہ میرا اور فارس کا معاملہ ہے بیٹا! تم خود کو الجھا مت کرو۔'' انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

www.pklibrary.com

"تو کیا میں اس فیملی کا حصہ نہیں ہوں؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ایسی بات نہیں ہے بچے۔" پیار سے کہا۔

"تو پھر کیوں۔ آپ پھر کیوں مجھے اپنے پوتے سے ملنے نہیں دے رہیں۔"

"میری طرف دیکھو۔" گیلی آنکھوں سے اب وہ ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ تاثرات یوں ہو رہے تھے جیسے ابھی کسی وقت رو دے گی۔ ماں اور بیٹے کی یہ کیسی محبت تھی کہ ماں صبر پر صبر کیے جا رہی تھی۔ اور بیٹا جبر پر جبر۔ اتنے غم انہوں نے سہے تھے اور اب پوتے کی جدائی بھی جھیل رہی تھیں۔

"تم فارس کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا نہیں سوچو گی۔" انہوں نے جیسے اس کے تاثرات اور آنکھوں سے اس کی سوچ ایک بار پھر پڑھ لی تھی۔

"وہ میرا بہت پیارا بیٹا ہے۔ اس نے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔" وہ کہہ رہی تھیں۔

"ریان میرا پوتا ہے۔ میں جانتی ہوں، مجھے اس معاملے کو کیسے ہینڈل کرنا ہے۔" انہوں نے غم اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات کو چھپاتے ہوئے متوازن لہجے میں سنجیدگی سے کہا تھا۔

"مگر تم۔ تم اس معاملے میں کبھی نہیں پڑو گی۔ کبھی بھی نہیں۔"

وہ کچھ فکرمندی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس کا تو خیال تھا وہ اس کی مدد کریں گی مگر انہوں نے تو صاف انکار کر دیا تھا۔

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا آنٹی۔" اس نے یاد دلایا۔

"تم نے یہ بات کہہ دی۔ میں سمجھوں گی تمہارا وعدہ پورا ہو چکا۔"

جنت انہیں بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔

"وعدہ کرو۔ تم کبھی بھی فارس سے کوئی بات نہیں کرو گی۔ ریان کا نام بھی نہیں لو گی۔"

اس کا سر جھک گیا۔

"کب تک۔ آخر کب تک۔ آپ یہ کہیں گی؟"

اس نے نظر اٹھائی تو آنسو گال پر پھسل گئے۔ "میں ماں بننے والی ہوں۔ میں نے ابھی اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا ہے۔ لیکن ابھی سے۔ آنٹی ابھی سے سوچ آ جائے تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے اور آپ۔"

"جنت!" انہوں نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔ اور اگلے ہی پل اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ "کیا ہو گیا ہے بچے؟ یہ کیا سوچ رہی ہو تم؟ میں پریشان نہیں ہوں۔ تو تم کیوں ہو رہی ہو؟" وہ روئی جا رہی تھی اور جس کا درد تھا وہ اس کی پشت سہلا رہی تھیں۔

"مجھے اللہ پر پورا یقین ہے۔ وہ میرے لیے آسانی کرے گا۔ تم پریشان مت ہو۔" وہ کہہ رہی تھیں۔ پھر اسے خود سے الگ کر کے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا۔ "میں فارس سے خود بات کروں گی جنت۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دے رہی تھیں۔

"تم بس دعا کرو میرے پوتے کے لیے۔ صرف دعا۔" پھر مسکرائیں۔

"اب جاؤ! آرام کرو۔ اور کچھ نہیں سوچنا!" پیار سے گال پر ہاتھ رکھا۔ وہ آنسو صاف کرتی اٹھ کر چلی گئی۔ دروازہ بند ہوا تو مسز شیرازی نے ایک گہری سانس لے کر اپنی پشت بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹکا لی تھی۔ ان کی آنکھوں میں اضطراب نمایاں تھا۔ ہاتھوں میں کپکپاہٹ نظر آ رہی تھی۔ اور دل تو جیسے غم سے پھٹنے کو تھا۔

انہوں نے گہری سانس لے کر آنکھیں موند لی تھیں۔ لبوں پر ورد جاری تھا۔ ذکر جاری تھا۔ دعا جاری تھی۔

اپنے ہر دکھ، ہر درد۔ اور ہر اذیت پر انہیں ہر صورت صبر کرنا تھا۔

☆☆☆

لاؤنج میں وہ صوفے پر لیٹی تھی۔ فارس سامنے ہی بیٹھ کر کسی غیر ملکی چینل پر کچھ خبریں اور کاروباری پروگرام دیکھ رہا تھا۔

کال ریسیو کرتے ہوئے وہ اٹھ کر مسز شیرازی کے پاس چلا گیا تو صوفے پر لیٹے لیٹے وہ پاپ کارن

www.pklibrary.com

کھاتے ہوئے موبائل پر لگی رہی۔ غیر ملکی چینل اسکرین پر ایڈ چل رہے تھے۔ آواز قدرے مدھم تھی۔ ایک پروگرام ختم ہوا تو دوسرا شروع ہوا۔ منظر ایک اسٹیج کا تھا۔ مختلف اینگل سے کیمرہ گھماتے ہوئے آڈیئنس دکھائی گئی۔ بیک گراؤنڈ میں پروگرام کا نام لکھا نظر آرہا تھا۔ ہوسٹ پروگرام کا آغاز کر چکی تھی۔ ایک شان دار سی ڈاکیومنٹری ویڈیو چلا دی گئی۔

ریمپ پر مختلف ملبوسات میں واک کرتی ایک حسین خاتون، مختلف زاویے اور اینگل سے، مختلف ایونٹ میں لی جانی والی تصاویر جن میں سرخ کارپٹ کی تصاویر سب سے نمایاں تھیں۔ کہیں انٹرویو دیتی ہوئی۔ کہیں مسکراتے ہوئے کیمرے کی طرف ہاتھ ہلا کر دیکھتی ہوئی۔ کچھ ایکٹنگ کے سین تھے۔ کہیں وہ وائس اوور کرتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ کہیں وہ اپنی پراڈکٹ لانچ کے دوران مرکز نگاہ بنی ہوئی تھیں۔ کہیں چیریٹی ورک کرتے۔ کہیں مہاجر کیمپ کا دورہ کرتے۔ شامی پناہی گزینوں میں راشن بانٹتے۔ کہیں کسی آرگنائزیشن سے منسلک ہو کر کسی کے لیے آواز اٹھاتے ہوئے۔

تعارف کے ساتھ بھرپور تالیوں کے بیچ وہ اسٹیج کی طرف جاتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

موبائل پر جھک کر ٹائپنگ کرتی جنت نے گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔ وہ ریموٹ سے آواز کم کرنا چاہ رہی تھی مگر اگلے ہی پل۔ ایک امریکن ہوسٹ کے سامنے براجمان اس پرکشش سی خاتون پر نظر پڑتے ہی رک گئی۔ آنکھوں میں ایک دم سے حیرانی اتری۔

اسمارٹ سا سراپا، کریم رنگ کا میکسی نما سادہ سا لباس، سنہری بال ہلکا سا کرل لیے شانوں پر بکھرے تھے، نفیس سا ڈائمنڈ جیولری سیٹ، انگلیوں میں بھی ڈائمنڈ رنگ تھی۔ نازک پنسل ہیل جس میں پاؤں نمایاں ہو رہے تھے۔ سفید دودھیا رنگت نیچرل لک دیتے میک اپ سے کچھ اور کھل رہی تھی۔ عمر یہی کوئی چالیس برس ہوگی۔ اس نے خود سے اندازہ لگایا۔ یا شاید وہ اپنی اصل سے بہت کم نظر آتی تھیں۔

وہ اگلے کئی لمحوں تک شناسا نظر آتے اس چہرے پر سے نظر نہ ہٹا سکی۔ کیا مشابہت تھی اس چہرے میں۔ اجنبی ہو کر ایک دم سے شناسا سا نظر آنے لگا تھا۔

خوش گوار حیرت کے ساتھ والیوم بڑھا دیا۔

ہوسٹ مختلف سوال کرتی جا رہی تھی اور وہ بہت ہی دھیمے لہجے میں بہت نزاکت سے جواب دے رہی تھیں۔

وہ ایک امریکی نژاد پاکستانی ماڈل اور کامیاب بزنس وومن تھیں۔ جو بیس نوجوان آنٹراپرونورز (entrepreneur) کو اسٹارٹ اپ فنڈ دینے والی تھیں۔ یہ پروگرام اسی حوالے سے تھا۔ ساتھ ہی ان کی کامیابی کا راز۔ اور اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں بھی سوال کیے جا رہے تھے۔ وہ سر اٹھائے، گردن سیدھی کیے ہر سوال کا جواب بہت سنجیدگی، متانت اور خوش اخلاقی سے دے رہی تھیں۔ آنکھوں میں ایک فاتحانہ چمک۔ اور مسکراہٹ تو ویسے ہی زندہ دلی کا ثبوت دے رہی تھی۔ جنت ان کی شخصیت سے ایک دم سے مرعوب ہوئی۔ وہ اسے بقیہ سیلیبریٹیز کی طرح نہیں لگ رہی تھیں۔ اسے ان کی باتیں، بولنے کا طریقہ اچھا لگا۔ مسکراہٹ پر تو ویسے ہی دل آیا ہوا تھا۔

ایڈ کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے والیوم کم کر دیا۔

راہداری سے نکل کر فارس موبائل پر کچھ ٹائپ کرتا اوپن کچن میں چلا گیا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

"تمہارا فیمیل ورژن۔" ہنس کر بولی۔ "عمر میں تم سے بڑی ہیں۔ لیکن کمال کی ہیں۔ کہیں تمہاری کوئی بچھڑی ہوئی آپا تو نہیں ہیں؟"

"یہ کوئی اور مذاق ہوگا تمہارا۔" وہ ناسمجھی کے عالم میں مسکرا دیا۔

"اور مسکراتی بھی بالکل تمہاری طرح ہیں۔" جھٹ سے کہا۔

"کس کو دیکھ لیا ہے تم نے۔"

"ایک بزنس وومن ہیں۔" صوفے کی بیک سائڈ پر بازو ٹکاتے ہوئے مڑ کر جواب دیا۔ کچن

www.pklibrary.com

کاؤنٹر کے اس پار وہ اس کی جانب پشت کیے اورنج جوس کے لیے مالٹے کاٹ رہا تھا۔

"کوئی سات برانڈز تو اب تک لانچ کر چکی ہیں۔ مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے کہ وہ پاکستانی ہیں۔"

فارس کی حرکت لمحے بھر کے لیے تھمی۔ صرف ایک لمحے کے لیے۔

"اچھا!" سر جھٹک کر اپنا کام کرنے لگا

"اب شاید ان کا پاکستان کے لیے بھی کوئی بزنس پلان ہے۔ کچھ نوجوانوں کو اسٹارٹ اپ فنڈنگ دیں گی۔ کچھ ایسا ہی کہہ رہی تھیں۔" آدھا انٹرویو سن کے جو باتیں سمجھ میں آئی تھیں۔ اپنی دھن میں بتا رہی تھی۔

فارس چپ رہا تو اسے لگا شاید اسے اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی ہے۔

"مطلب جو پاکستان کے نئے آنٹرپرونورز ہیں۔ جو اپنا وینچر سیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ پارٹنر شپ کر کے انہیں اسٹارٹ اپ فنڈز دیں گی۔ لیکن اس سے پہلے ان کی ٹیم پارٹیسپیٹ کرنے والوں کا بزنس پلان دیکھے گی۔ ان کی قابلیت جانچے گی پھر سلیکٹ کرے گی..... اور مزے کی بات یہ ہے کہ بہت سی غیر ملکی کمپنیز بھی ان کے ساتھ حصہ لے رہی ہیں۔"

"ہونہہ!" اس کا دھیان کہیں اور تھا۔

"جیوری کی ٹیم میں کیا تم بھی شامل ہو گے؟" فارس اپنی جگہ رک گیا۔ مڑ کر اسے دیکھا۔ "میرا کیا دخل؟"

"آئی مین باہر سے ٹیم آئے گی۔ اور تمہارا بھی تو ایک نام ہے بزنس کی دنیا میں۔ پاکستانی ہو کر اس ٹیم میں شامل نہیں ہو گے تو کیا فائدہ؟"

"میرے بزنس مین ہونے کا؟"

"پاکستانی ہونے کا۔" لفظوں پر زور دے کر بولی۔ "تمہیں لازمی انویسٹ کرنا چاہیے۔" اسے مشورہ دے کر پاپ کارن منہ میں ڈالے۔

فارس کو ایک غیر ملکی ٹی وی چینل کو اس کے سامنے کھلا چھوڑ دینے پر پچھتاوا ہوا۔ گہری سانس لے کر پھر سے مالٹے کاٹنے لگا۔

ایڈ ختم ہوا تو انٹرویو کا سلسلہ نئے سرے سے جوڑا گیا۔ پہلا حصہ کاروباری سوالات پر مشتمل تھا تو اب ان کی ذاتی زندگی سے متعلق سوال ہونے تھے۔

"تو کیا یہ اڑتی ہوئی افواہیں سچ ہیں کہ آپ دادی بننے والی ہیں۔"

ہوسٹ کے بالکل سامنے صوفے پر بیٹھی وہ کامیاب خاتون ایک دم سے ہنس پڑیں۔ "اس طرح کی خبریں آپ لوگوں تک کیسے پہنچ جاتی ہیں۔"

وہ آواز۔ وہ شیریں اور دل فریب آواز۔ فارس کے ہاتھ ساکت۔ وجود پتھر کا ہو گیا۔

"بس ہمارے ذرائع آپ سے متعلق ہر چھوٹی بڑی خبر ہم تک پہنچا دیتے ہیں۔"

آڈیئنس میں ایک شور سا مچ گیا تھا۔

"جی بالکل۔ میں جلد ہی دادی بننے والی ہوں۔"

وجود پر ایک لرزہ سا طاری ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کاؤنٹر تھاما تھا۔ وہ آواز۔ ہنسی کی جھنکار۔

پاپ کارن کھاتے ہوئے جنت نے آواز اونچی کی۔ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"ایک نوجوان سی دادی۔ ذرا دیکھیے تو..... میں آپ سے صرف تین سال بڑی ہوں اور مجھے آپ کے سامنے اپنا آپ بوڑھا لگ رہا ہے۔"

وہ اپنے مخصوص انداز میں بالکل ویسے ہی ہنس پڑیں۔

"ذرا بتائیے، آپ کی اس جوانی اور خوب صورتی کا کیا راز ہے؟"

"اوہ پلیز یہ سوال نہیں۔ تقریباً ہر انٹرویو میں مجھ سے یہی سوال پوچھا جاتا ہے۔"

جنت اٹھ کر بیٹھی اب بغور دیکھ رہی تھی۔

"سو آپ کے بیٹے کے حوالے سے۔" اس سے پہلے کہ بات مکمل ہوتی، فارس نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ جھپٹ کر ٹی وی آف کر دیا۔

اس طرح بہت اچانک ٹی بند ہو جانے پر وہ ایک دم سے چونکی۔ "ارے۔ بند کیوں کر دیا۔" ہاتھ بڑھا کر ریموٹ لینا چاہا تو اپنی جگہ رک گئی۔

فارس کی نگاہیں سیاہ تاریک اسکرین پر ٹھہری

www.pklibrary.com

تھیں۔ خالی۔ ویران۔ سفید۔ کوئی عکس نہیں۔ کوئی احساس۔ کوئی رنگ۔ کوئی اثر نہیں۔ چہرہ مکمل تاریک۔ پیشانی کی رگیں ایک دم سے نمایاں ہوئی تھیں۔ جبڑے سختی سے بھنچ گئے تھے۔

"فارس؟" اس کے لب ہلے۔

ایک دم سے اپنے آپ میں واپس آتے ہوئے اس نے جنت کو دیکھا تھا۔ شور تھم گیا۔ آوازیں ختم ہوگئیں۔

"میں مالٹے کاٹ کاٹ کے تھک گیا ہوں۔ اب باقی کا کام تم سنبھالو۔ اٹھو۔" وہ جو ایک دم سے اس کے تاثرات سے پریشان ہوئی تھی۔ تپ گئی۔

"خود کرو جو کرنا ہے۔" ریموٹ واپس لینا چاہا تو اس نے سیل نکال کر جیب میں ڈال لیے۔ بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کچن کاؤنٹر کی طرف لے آیا۔

"یہ اتنے سے مالٹے کاٹ کاٹ کے تھک گئے ہو تم؟"

وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ گلاس میں پانی ڈال کر غٹا غٹ چڑھا گیا۔ جنت نے بگڑے تیوروں کے ساتھ چھری اٹھالی۔ اور اس کے پیچھے وہ کاؤنٹر پر ہتھیلیاں جمائے آگے کو جھک کر گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اعصاب مشتعل ہو رہے تھے۔ اندر باہر ایک آگ سی جل اٹھی تھی۔

سامنے لاؤنج میں اسکرین تاریک تھی مگر منظر آنکھوں میں چل رہا تھا۔ آواز بند ہو چکی تھی مگر ہنسی جیسے پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ وہ بے طرح مضطرب ہو رہا تھا۔

جنت مالٹوں کا جوس تیار کر کے انہیں گلاس میں ڈال کر فارغ ہوئی تو فارس اسے کہیں نظر نہ آیا۔ ٹرے اٹھائے مسز شیرازی کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بھی وہیں بیٹھا تھا۔

سب کو ایک ایک گلاس پیش کر کے، اپنا گلاس ہاتھوں میں لے کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اب وہ ان سے باتیں کر رہی تھی۔ شاید کسی پروگرام کا بتا رہی تھی۔ یا شاید مہمانوں کے لیے کل کا مینو ترتیب دے رہی تھی۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں اپنے آس پاس گہرے سناٹے لیے بیٹھا رہا۔

پھر مسز شیرازی سے اجازت چاہتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔

جنت کمرے میں آئی تو وہ لیٹا ہوا تھا۔

"سنو۔" ذرا سا جھک کر مخاطب کیا۔

"ہوں۔" وہ تکیے میں سر دیے آڑا ترچھا پڑا تھا۔ منہ آنکھیں سب بازو میں چھپا تھا۔

"تم سو رہے ہو؟"

"ہونہہ۔"

"ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔" مایوس ہوئی۔ عموماً وہ آدھا گھنٹہ شام میں اس کے ساتھ لان میں روز واک کرتی تھی۔ آج پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا۔ اتنی جلدی سو رہا تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

خاموشی۔

لائٹس آف کر کے وہ دوسری طرف آ بیٹھی۔ ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے چند لمحوں تک ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتی رہی پھر وہ خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

☆☆☆

روزمرہ کی روٹین کے مطابق ورک آؤٹ کروانے کے بعد وہ آفس کے لیے روانہ ہو چکا تو وہ گھر میں گھومتی پھرتی انتظامات کا جائزہ لینے لگی۔ آفس روم کی صفائی تقریباً روز ہوتی تھی۔ آج بھی ہو رہی تھی تو وہ دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں دوڑانے کے بعد آفس چیئر پر بیٹھ کر دائیں بائیں گھومتے ہوئے دیوار گیر کھڑکیوں سے باہر دیکھنے لگی۔ لان میں دھوپ اتری ہوئی تھی۔ آسمان اجلا لگ رہا تھا۔ وہ مالی عبدالغفور کو پودوں پر جھکا ہوا دیکھ سکتی تھی۔ اقصیٰ کبھی دائیں اور کبھی گھوم کر بائیں طرف آ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنے باپ سے جانے کیا کہہ رہی تھی۔ کئی بار اس نے روتی شکل بنائی تھی۔ اور جب وہ سر جھکائے کھڑی ہوئی تو واضح لگ رہا تھا، اب اسے اپنے باپ سے ڈانٹ پڑ رہی ہے۔

www.pklibrary.com

اس نے ملازمہ کو لان سے تازہ پھول توڑ کر لانے کا حکم دیا۔ اور پھر میز پر کہنیاں ٹکائے میز پر دھری اشیاء کو دیکھنے لگی۔ درازوں میں فائلز۔ کچھ پیپرز وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔

دوسری میڈ شیشے کی میز صاف کر رہی تھی۔ چھوٹے کارپٹ پر ویکیوم پھیرا گیا۔ کاؤچ کے کشن ترتیب سے رکھے گئے۔ کام تمام کر کے آفس ٹیبل کے پاس رکھی ڈسٹ بن خالی کرنا چاہی۔ تب ہی شاپر ہاتھ سے چھوٹا تھا۔ لکڑی کی ٹائلز پر خاکی لفافہ، پھٹے ہوئے کاغذات، تروڑ مروڑ کا شکار کچھ صفحے بکھر گئے تھے۔ معذرت چاہتے ہوئے میڈ دوبارہ سے سب سمیٹنے لگی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ یکا یک اس کی نظر خاکی لفافے پر پڑی۔ سیاہ مارکر سے بڑا بڑا کر کے "روبی اکرام" لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کسی خاتون کا خط تھا۔

"یہ دکھانا مجھے۔" اس نے کہا تو میڈ نے فوراً سے لفافہ اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے لفافہ موڑ کر دیکھا۔ جس پتے سے بھیجا گیا تھا وہ پتا اور ساتھ ہی فون نمبر بھی درج تھا۔

"حیرت ہے، فارس نے پڑھے بغیر ہی پھینک دیا۔" ایک تجسس سا لیے اس نے لفافہ چاک کر کے فولڈ کیا ہوا صفحہ نکالا۔

روبی اکرام کا وہ خط فارس شیرازی کے نام تھا۔ جنت ناسمجھی کے عالم میں چند لمحوں تک کھڑی رہی پھر ملازمہ کے ذمے چند ایک کام لگاتے ہوئے وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے لفافہ چاک کر دیا۔ بھورے رنگ کا بے طرح فولڈ کیا ہوا کاغذ نکال کر کھولا۔ وہ ایک طویل سا خط بہت سے حوالہ جات پر مشتمل تھا۔ پہلے پہل وہ سمجھ نہ پائی وہ کیا پڑھ رہی ہے مگر جب سلام دعا اور خیر خیریت کے بعد ایک معقول اسلوب سے کسی ریان شیرازی کا حوالہ شروع ہوا تو وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ریان شیرازی ساڑھے پندرہ ماہ کا بچہ جو اوصاف منزل میں اپنے ماموں کے یہاں رہ رہا تھا۔ روبی اکرام اس گھر کی ملازمہ تھی۔ بچہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اور وہ اپنی سادہ سی تحریر کے ذریعے بتاتی جا رہی تھی کہ اوصاف منزل میں وہ بچہ کس حال میں تھا اور کس طرح سے رہ رہا تھا۔ جنت جیسے جیسے پڑھتی جا رہی تھی، اس کی سانسیں رکتی جا رہی تھیں۔

"مجھے رشیداں سے پتا چلا، آپ ڈھیر سارا پیسہ دیتے ہیں۔ لیکن طارق صاحب اس میں سے ایک روپیہ بھی ریان پر خرچ نہیں کرتے۔ میں تو دودھ میں بھی پانی ملا کر دیتی ہوں۔ جو روٹی بچ جاتی ہے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے کھلاتی ہوں۔

بیگم صاحبہ ہر چیز پر نظر رکھتی ہیں۔ رمشہ باجی اپنے بیٹے کے کپڑے دے دیتی ہیں تو وہی اسے پہناتی ہوں۔ وہ بہت کمزور ہے۔ اور بیمار بھی ہے۔ میں نے طارق صاحب کو بتایا تو انہوں نے تھوڑے سے پیسے دے کر کہا کہ دوائیاں منگوا لو۔ اب میں اتنے سے بچے کو ڈاکٹر کو دکھائے بغیر کیسے دوائیاں منگوا سکتی تھی؟"

جنت کا داہنا ہاتھ بے ساختہ لبوں پر آ ٹھہرا۔ مسز شیرازی کا پوتا۔ فارس کا بھتیجا۔ اس حال میں؟ مسز شیرازی تو قطعی لاعلم تھیں اس سب سے۔ تو کیا۔ کیا فارس بھی؟ یا پھر وہ سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی ریان کو وہاں چھوڑے ہوئے ہے؟

اس کا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔ فارس اتنا بے حس نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک یتیم بچے کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ مگر خط کی تحریر۔ اس کے ذہن میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

"آپ پیسے بھیجتے ہو لیکن کبھی ریان کو دیکھنے نہیں آئے۔ ریان کی ماں بھی نہیں آتی۔ ثمرین کی شادی پر بھی نہیں آئی تھی ورنہ میں اس سے بات کرتی۔

ریان بیمار رہتا ہے۔ اس کا ہاتھ دروازے میں آ گیا تھا۔ اور تب سے ٹھیک نہیں ہوا۔ اور وہ اپنی مٹھی بند رکھتا ہے۔ میں ذرا سا ہاتھ لگاؤں تو چیختا ہے۔ اسے درد ہوتا ہوگا نا۔"

جنت کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

www.pklibrary.com

آنکھیں تر ہونے لگیں۔

"یہ میرا چوتھا خط ہے۔ میں چار مہینوں سے انتظار کر رہی ہوں۔ ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ صاحب میں آپ سے گزارش کرتی ہوں آپ ریان کو یہاں سے لے جاؤ۔

یہ میرا فون نمبر ہے۔ مجھ سے اس پر رابطہ کر سکتے ہیں۔"

اور نیچے فون نمبر درج تھا۔

بات ختم ہو گئی۔ خط ختم ہو گیا۔ درد ختم نہ ہوا۔ وحشت ختم نہ ہوئی۔ اس نے بے اختیار میز کا سہارا لیا تھا۔ اور پھر گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ آنکھوں میں بے یقینی سی اتری ہوئی تھی۔ اپنے حواس مختل ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ جانتی تھی فارس کا بھتیجا اپنے ننھیال میں رہ رہا ہے۔ ایسے رہ رہا ہے۔ اور اس طرح سے رہ رہا ہے اس کا تو اس نے گمان بھی نہیں کیا تھا۔

مسز شیرازی اور فارس وجدان کے مابین اس نے ریان کا ذکر صرف ایک بار سنا تھا۔ صرف ایک بار۔ جب وہ اسے گھر لانے کی بات کر رہی تھیں۔ تب دروازے کی درز سے اندر دیکھتے اور چھپ کر ان کی بات سنتے اس نے فارس وجدان کو ایک دم سے اشتعال میں آتے دیکھا تھا۔

اس نے چند ایک بار مسز شیرازی سے ان کے پوتے کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہمیشہ اس بات کو ٹال دیتی تھیں۔ انہوں نے حال ہی میں اسے فارس سے کوئی بھی بات کرنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ اسے اس معاملے سے قطعی دور رکھنا چاہتی تھیں۔

انہوں نے کبھی بھی کسی اختلاف کی نشان دہی نہیں کی تھی اور نہ ہی کبھی کسی مسئلے کا ذکر کیا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی ظاہر کرتی تھیں جیسے یہ کوئی سنجیدہ معاملہ نہیں تھا۔ مگر وہ جانتی تھی وہ اپنے یتیم پوتے کی وجہ سے کس قدر اذیت میں رہتی تھیں۔ کتنا غم سہتی تھی اور کتنے درد میں روتی تھیں۔ تب ہی اس نے ہمت بندھائی تھی اور وعدہ کیا تھا۔

وہ وعدہ جو وہ ابھی تک ایفا نہیں کر سکی تھی۔ بات عسریسرا کی تھی تو اس نے خود ہی شرط رکھ دی تھی۔ مگر اب اسے ادراک ہوا تھا مسز شیرازی اسے ریان سے ملوانا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ ورنہ ایک ایڈریس دینا کون سا مشکل کام تھا؟ آخر انہیں کیا خوف اور پریشانی لاحق تھی کہ انہیں خود پر یہ جبر کرنا پڑ رہا تھا؟

کیا فارس اور حماد کے درمیان کوئی اختلاف تھا؟ کیا وہ اسی اختلاف کی بنا پر اپنے بھتیجے کو قبولنے کو تیار نہیں ہے؟ خط پر اپنی لرزتی انگلیوں کی گرفت بڑھاتے ہوئے اس نے شدت سے دھڑکتے دل کے ساتھ کچھ پریشانی سے سوچا تھا۔

کیا وہ اختلاف، وہ جھگڑا، وہ نفرت اتنی شدید تھی کہ بھائی کے موت کے بعد بھی۔

اسے ایک دم سے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی نگاہیں فارس وجدان کے وسیع آفس روم میں یہاں وہاں بھٹک رہی تھیں۔ ان میں ہراس سا پھیلا تھا۔ ان میں وحشت سی اتری ہوئی تھی۔

"کوئی اتنا سنگدل کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ سوچنے لگی تھی۔ وہ پھر سے سوچنے لگی تھی۔ اور ایک دم سے سوچ جامد ہوئی تھی۔ وجود میں سناٹا پھیلا تھا۔ آفس روم تنگ و تاریک ہو گیا۔ آس پاس خاموشی چھا گئی تھی۔

شدید محبت اور اس قدر مضبوط رشتے کے باوجود آخر کیا وجہ تھی کہ مسز شیرازی ابھی تک فارس وجدان کو ریان کے لیے قائل نہیں کر سکی تھیں؟

ملازمہ سامنے ہی ریک پر ترتیب سے رکھی فائلز کو صاف کر رہی تھی۔ پھر اس نے گلدان سے مرجھائے ہوئے پھول نکال کر تازہ پھول ڈالنا شروع کر دیے۔ اس کے آس پاس ایک دم سے خوشبو پھیلی۔

"اسے الزام مت دو جنت! میں بھی نہیں دیتی۔" انہوں نے کہا تھا۔

اس تمام عرصے میں وہ ان کے لیے فارس کی محبت دیکھ چکی تھی۔ وہ ان کی تکلیف پر کس قدر بے چین ہو جاتا تھا۔ ان کا کوئی بھی حکم کسی صورت نہیں ٹالتا تھا۔ اسے ان کی فکر رہتی تھی۔ اس کے باوجود یہ رویہ۔

www.pklibrary.com

وہ بے انتہا الجھنوں کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

روبی کا خط ہاتھوں میں تھا۔ روبی کا نمبر بھی۔ اس کی خواہش اس طرح پوری ہوگی۔ ریان تک پہنچنے کا راستہ ایسے نکلے گا اس کے بارے میں تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

اس نے مطلوبہ نمبر ڈائل کر کے سیل فون کان سے لگالیا۔ کچھ دیر تک اپنی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ گھنٹی کی آواز سنتی رہی۔ کچھ تاخیر سے ہی سہی لیکن کال اٹھالی گئی۔

''ہیلو۔'' وہ سمجھ رہی تھی کوئی خاتون ہوں گی مگر آواز کسی لڑکی کی تھی۔

''روبی اکرام بات کر رہی ہیں؟''

''جی کون؟'' دوسری طرف سے وہ الرٹ ہوئی تھی۔

''میں.....'' اس نے رک کر اپنے اس رشتے کو سوچا تھا جو ریان سے تھا۔ ''میں ریان کی چچی بات کر رہی ہوں۔''

دوسری طرف روبی اکرام ایک جھٹکے سے اپنی چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''آپ..... آپ واقعی ریان کی چچی ہیں؟'' اس کی آواز ایک دم سے بھرا گئی تھی۔ ''میں نے اتنے خط لکھے۔ اتنی دعائیں مانگیں۔''

خوشی کی انتہا نہ تھی۔ مڑ کر سوئے ہوئے بچے کو دیکھا پھر منہ پر ہاتھ رکھے کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اسے تو جیسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ ریان کے ددھیال سے رابطہ ہوگیا تھا۔

''جی۔ مجھے آپ کا خط ملا تھا روبی!'' اس نے خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''ریان کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے جی۔'' مڑ کر نہال ہوتی نگاہوں سے معصوم چہرے کو دیکھا۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ ''سو رہا ہے۔''

''ہاتھ کیسا ہے اب اس کا؟''

''ویسا ہی ہے۔ میں نے رشیداں سے بولا تھا۔ کہہ رہی تھی، ڈاکٹر کو دکھانے لے جائے گی۔ ڈاکٹر فیس بھی تو بھاری لے گا۔ رشیداں اس لیے نہیں لے جاتی۔ اس کا گھر والا ہے بھی بڑے غصے والا۔''

پلکیں جھپکا کر نمی اپنے اتارتے ہوئے جنت نے سر اٹھایا۔

''آپ..... آپ مجھے بتاؤ۔ آپ کب آؤ گی لینے؟''

وہ منتظر سی پوچھ رہی تھی کہ اور کتنے دن ریان شیرازی اس حال میں اوصاف منزل میں رہے گا۔ اس کا بس چلتا تو وہ خود بچے کو چھوڑنے آجاتی۔

''میں جلد آؤں گی روبی!! تم بس ریان کا اچھے سے خیال رکھو۔''

''جلد..... یعنی کب..... کل.....؟''

نچلا لب دانتوں تلے دیئے۔ جھلملاتی آنکھوں سے وہ سر جھکائے رہی۔

''کیا ریان کی مما سے رابطہ نہیں ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

روبی کے کندھے جھک گئے۔ چہرے پر مایوسی در آئی۔ ''میں نے آپ کو سب بتایا ہے۔ آپ پھر بھی ریان کو لینے نہیں آؤ گی؟'' وہ اس کے سوال کا جواب دیے بغیر اپنی کہہ رہی تھی۔

''ایسا نہیں ہے روبی۔ ورنہ میں تم سے رابطہ کیوں کرتی؟'' اس نے سنبھل کر کہا۔ روبی کو کچھ حوصلہ ہوا۔ ''تم مجھے اوصاف منزل کا ایڈریس میسج کر دو۔ میں ان شاء اللہ جلد ریان سے ملنے آؤں گی۔''

''ملنے نہیں۔'' روبی کی آواز میں عجیب سا احساس تھا۔ ''لینے آنا آپ اسے۔''

''لینے ہی آؤں گی۔'' حتمی لہجے میں کہہ کر اس نے کال کاٹ دی تھی۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب خوف کے عالم میں اس کی اچانک آنکھ کھل گئی تھی۔

پیشانی پسینے سے تر بتر۔ اور سانسیں بھی چڑھی ہوئی تھیں۔ کہنی کے بل ذرا سا اوپر ہوئی کہ پانی کی بوتل اٹھا سکے مگر سائڈ ٹیبل پر کچھ نہیں رکھا تھا۔ روہانسا ہو کر سر تکیے پر گرالیا۔

www.pklibrary.com

"فارس۔" اس نے بند آنکھوں کے ساتھ اسے ہلایا۔ حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔

فارس نے اس کی آواز پر بیدار ہوتے ہی کروٹ بدلی تھی۔

"پانی..... پانی چاہیے۔"

وہ اسی وقت اٹھ کر روم فریج سے بوتل نکال لایا تھا۔ بازو کے سہارے اسے اٹھا کر بٹھاتے ہوئے گلاس دیا۔ اس نے پانی یوں پیا جیسے صدیوں کی پیاسی ہو۔

"ٹھیک ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

اس نے سر کو جنبش دی۔ سر تکیے پر واپس رکھا۔ آنکھیں بند کرلیں، بار بار روبی کا خط اور باتیں ذہن میں آرہی تھیں۔ وہ پچھلے تین دنوں سے ریان کے حوالے سے الجھن اور پریشانی میں مبتلا تھی۔ ہر رات اسی ٹینشن میں آنکھ کھل جاتی تھی۔ کبھی خوابوں سے الجھ کر۔ کبھی کسی خوف میں پھنس کر۔ نیند ٹھیک سے نہیں آتی تھی۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی۔

جھنجلاہٹ کے عالم میں اس کی شکل یوں ہوئی جیسے ابھی رو دے گی۔

"اب کیا ہوا؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"بھوک لگ رہی ہے۔" لیٹے لیٹے بھیگی آنکھوں اور روتی آواز میں بولی۔

"اس میں رونے کی کیا بات ہے؟" وہ جو اپنی سائڈ پر آکر بیٹھا تھا تعجب کا شکار ہوا۔

"ابھی سونے سے پہلے ہی تو کھانا کھایا تھا۔" وہ روہانسا ہو کر بول رہی تھی۔ اس کا دکھ کسی اور بات کا تھا۔ اظہار کسی اور بات پر کر رہی تھی۔

"تمہارا کوئی علاج نہیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے چلا گیا۔ جنت نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ ذہن الجھا ہوا تھا۔ ریان کے حوالے سے وہ کسی بھی نتیجے پر پہنچ نہیں پا رہی تھی۔ اسے کیا کرنا چاہیے؟ اور کیا نہیں کرنا چاہیے؟ وہ پچھلے کئی دنوں سے تذبذب کا شکار تھی۔ ابھی بھی سوچوں کا طوفان ذہن میں امڈتا چلا آرہا تھا۔ مسز شیرازی سے وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مبادا انہیں پریشان نہ کردے۔ اور فارس سے بات کرنے کی ہمت وہ خود میں پیدا نہیں کر پا رہی تھی۔

فارس اس کے لیے پھل کاٹ کر لے آیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تمہیں بخار ہو رہا ہے۔" پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"نہیں۔ بس ایسے ہی۔" کہہ کر اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ اب وہ فروٹ کھا رہی تھی تو وہ گھوم کر اپنی جگہ پر آگیا تھا۔

ٹیبل کلاک رات کے ڈھائی بجا رہی تھی۔ ایک بار پھر سونے کی کوشش کی لیکن جنت کی فکر آڑے آگئی۔ کروٹ بدل کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ خالی پلیٹ سائڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد اپنی جگہ پر ویسے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ متفکر نگاہیں نیم تاریکی میں یہاں وہاں بھٹک رہی تھیں۔

"پھر سے کوئی ٹینشن لے رہی ہو؟"

"ن..... نہیں تو....."

"پھر کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے گردن موڑ کر فارس کو دیکھا۔ پھر سیدھا ہوتے ہوئے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔ کمفرٹر انگلیوں میں دبائے۔ اضطراب چھپانے کی کوشش میں ہلکان۔ وہ اب اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر مجھے کوئی بات ڈسٹرب کرے تو..... یا اگر کوئی ایسی بات ہو۔ جس کے بارے میں مجھے یہ لگے کہ....." وہ رک گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ بات کیسے شروع کرے۔

"کہ کیا....."

"اگر کوئی ایسی بات ہو۔ جس کے بارے میں مجھے یہ لگے کہ وہ میں تم سے کروں گی تو شاید تمہیں غصہ آجائے۔"

لحاف کی زد میں ہونٹ چھپے ہوئے تھے تو جنت اس کی مسکراہٹ دیکھنے سے قاصر تھی۔ "تو.....؟"

"تو یہ کہ میں تم سے وہ بات کیسے کروں؟" بڑی فکرمندی سے پوچھا۔

"تم میرے غصے کی پرواہ کب سے کرنے لگیں؟" اس نے آہستگی سے پوچھا اور جنت کمال

www.pklibrary.com

اپنی جگہ تھم گئی۔ سوال درست تھا۔ حق سچ بات کہتے ہوئے اس نے کب فارس وجدان کے غصے کی پرواہ کی تھی؟ خوف کی دھند چھٹ گئی۔ سوچ کے در وا ہوئے۔ کوئی احساس خیال بن کر ابھرا۔

فارس منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا مگر وہ اسے گڈ نائٹ کہہ کر کروٹ بدل گئی۔

فارس چند لمحوں تک اپنی سوچ کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے سوچتا رہا کہ آیا ایسی کون سی بات ہو سکتی تھی جس کے حوالے سے وہ اس کے ممکنہ ردعمل سے اس قدر پریشان نظر آ رہی تھی۔

مگر اس کے ذہن میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔ اس کا ذہن خالی رہا تھا۔

وہ آفس روم میں اپنا کام کر رہا تھا جب وہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ آفس ٹیبل کے قریب آ کر اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین بند کر دی۔ فارس نے نظر اٹھائی۔ تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گلاسز بھی اتار دیئے۔ اس نے گہری سانس لے کر جنت کو دیکھا۔

"میرے ساتھ باہر چلو۔ لان میں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا تو وہ اٹھ گیا۔ وہ اس کے بازو پر دونوں ہاتھوں کی گرفت مضبوط کیے لان میں لے آئی تھی۔ لان لائٹس کی روشنی اور بے انتہا تاریکی میں وہ کچھ دیر اس کے ساتھ کھلی فضا میں ٹہلتی رہی تھی۔

پھر وہ شیڈ تلے آن کھڑی ہوئی۔ چند لمحوں تک خود میں ہمت پیدا کرتی رہی۔ فارس پر سوچ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔

"تو۔ کیا بات کرنی ہے تمہیں مجھ سے؟"

جنت نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ریان! تمہارا بھتیجا۔ میں چاہتی ہوں، تم اسے گھر لے آؤ۔"

فارس وجدان صدمے سے گنگ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ وہ رات کے اس پہر اسے لان میں لا کر اس سے ایسی کوئی بات کرنے والی ہے۔

"فارس۔"

اس نے ہاتھ کھڑا کر کے جنت کو مزید کچھ کہنے سے روکنا چاہا تھا۔ وجود میں لاوا سا بھر گیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم تمہارے اور حماد بھائی کے درمیان کیا اختلاف رہے ہیں لیکن وہ یتیم بچہ ہے۔ تم اب اس کے چچا ہو۔ اس کے باپ کی جگہ ہو۔"

"جنت پلیز۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے اسے تحمل سے روکا تھا کہ وہ بات وہیں ختم کر دے۔ مزید ایک لفظ نہ کہے۔

"میں نے آنٹی کو روتے دیکھا ہے۔ وہ بیمار رہتی ہیں۔ وہ ریان کے لیے ہر وقت پریشان رہتی ہیں۔ وہ تم سے اتنی محبت کرتی ہیں اور تم۔ فارس تم انہیں اس طرح تکلیف کیسے پہنچا سکتے ہو۔" وہ منت بھرے لہجے میں بات کرتے ہوئے بولی تھی اور وہ ایک دم سے پیچھے ہوا۔

رات کی تاریکی اس کے وجود میں اتری۔ اندر باہر آگ پھیل گئی۔

"پیسے بھیج کر تمہیں لگتا ہے، فرض ادا کر دیا۔ صرف اتنا کافی نہیں ہے۔ تم نے اس کی حالت نہیں دیکھی ہے! وہ وہاں کیسے رہ رہا ہے۔ تم یہ بھی نہیں جانتے۔ تم کبھی اس سے ملنے نہیں گئے۔"

وہ درشتی سے اپنا بازو چھڑا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"ٹھیک ہے اگر تم نہیں ملنا چاہتے تو کم از کم مجھے یا آنٹی کو تو ملنے دے سکتے ہو۔"

"فارس! تم خود باپ بننے والے ہو۔ یہ ظلم ہے۔"

"جنت..... ایف....." اس نے شدید غصے کے عالم میں دھاڑ کر کہا تھا اور وہ ایک دم سے سکتے میں آ گئی تھی۔ فارس کے اعصاب مشتعل تھے، اس کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔ اس کے تاثرات سخت پتھریلے ہو رہے تھے۔ وہ متوحش نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ف..... فارس....." اس کے لبوں سے بے آواز نکلا۔

"آئندہ....." اس کی سانسیں پھولی ہوئی

www.pklibrary.com

تھیں۔ جبڑے بھنچے ہوئے اور پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ ”آئندہ تم اس کا نام نہیں لو گی میرے سامنے۔ اور نہ ہی ملنے کی کوشش کرو گی۔“

جنت کمال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے خون جما دینے والے لہجے میں کہا تھا۔ جنت کمال صدمے میں آئی تھی۔ کتنی بے گانگی تھی فارس وجدان کی آنکھوں میں۔ کتنا اجنبی سا لہجہ تھا اس کا۔

”اگر تم چاہتی ہو۔ ہمارے درمیان سب ٹھیک رہے تو.....“ اس نے ایک ثانیے کا توقف کرتے ہوئے کھینچ کر سانس لی۔

”تو تم۔ اس معاملے میں نہیں پڑو گی۔“ کہہ کر وہ مزید ایک لمحے کے لیے وہاں نہیں رکا تھا اور جنت کمال پتھرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتے اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اس کے انداز، لہجے اور اس قدر سخت رویے پر وہ دہشت میں آ گئی تھی۔

”تم فارس سے اس سلسلے میں کبھی بھی کوئی بات نہیں کرو گی۔“ اس سے مسز شیرازی نے کہا تھا۔ اسے اب سمجھ میں آیا تھا مسز شیرازی نے ایسا کیوں کہا تھا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا، وہ اتنی سی بات پر اس طرح ری ایکٹ کرے گا۔ ایک ذرا سے مطالبے پر اس طرح ہائپر ہو جائے گا۔

وہ کچھ دیر تک اپنی جگہ منجمد کھڑی رہی۔

”اسے الزام مت دو جنت! میں بھی نہیں دیتی۔“

فوٹو البم سے جھانکتی کسی تنہا خاموش بچے کی تصویریں۔ اسرار میں ڈوبی ایک ویران زندگی۔ نہ سمجھ میں آنے والا دھوپ چھاؤں سا رویہ۔

خود پر طاری اس جمود کو توڑتے اس نے قدم اٹھائے۔ رخ اپنے بیڈ روم کی طرف تھا۔ دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

اب وہ واش روم کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے کچھ پریشانی کے عالم میں دروازہ بجایا تھا۔ اندر وہ کپڑوں سمیت شاور کے نیچے کھڑا تھا۔ مگر وجود کی آگ تھی کہ بجھنے میں نہیں آ رہی تھی۔ نہ ہی پانی کے شور میں کوئی آواز گم ہو رہی تھی۔

”دروازہ کھولو فارس!“ وہ اسے آوازیں دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جسم پر ایک کپکپی سی طاری تھی۔

وہ شاور کے نیچے سر تھامے بیٹھ گیا تھا۔ آنکھیں موندے۔ سانسیں لیتے۔ وہ اپنے اندر ابھرتی چیخوں کو بآسانی سن سکتا تھا۔ وہ خود کو اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے بہتا ہوا خون پانی کے ساتھ اپنا راستہ بنا رہا تھا۔

یہ جانتے ہوئے کہ دروازہ اندر سے لاکڈ تھا۔ وہ ہینڈل گھمائے جا رہی تھی۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے نہیں سن رہا تھا وہ اسے آوازیں دیے جا رہی تھی۔ کئی خوف اور واہمے سر اٹھا رہے تھے۔ کئی خدشات کی لے پر وہ بہتی جا رہی تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ دروازہ بجاتے ہوئے اسے پکارتی رہی اور پھر۔ اسے پتا نہیں کیا ہوا وہ رو دی۔ وہ سچ مچ میں رو دی۔

”پلیز فارس.....! دروازہ کھولو.....“

ایسا پہلے بھی ہوا تھا۔ اس نے آوازیں دی تھیں۔ اس نے منت کی تھی۔ اور روئی بھی تھی۔ مگر تب دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اب بھی دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔ اسے اپنے آس پاس اندھیرے نظر آ رہے تھے۔ وحشت نظر آ رہی تھی۔

”فارس۔ پلیز.....“

اس کا ہاتھ دروازے پر ٹھہر گیا تھا۔ اس کی سسکیاں بلند ہونے لگی تھیں۔

شاور بند ہو گیا۔ شور ختم ہو گیا۔

پہلے لاک کی آواز گونجی۔ پھر دروازہ بھی کھل گیا۔ فارس وجدان اس کے سامنے مکمل طور پر بھیگا ہوا سا کھڑا تھا۔ بالوں سے، کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس کی خالی ویران آنکھوں میں ابھی بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایک مکمل خاموشی۔ ایک مکمل سناٹا لیے وہ کسی مجسمے کی طرح اس کے سامنے موجود تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.pklibrary.com

مکمل ناول

وہ یونیورسٹی میں اس کا پہلا دن تھا۔ جرنلزم ڈپارٹمنٹ میں پڑھنا اور اخباروں میں کالم لکھنا اس کا خواب تھا۔ مگر اس کا یہ خواب پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آج وہ یہاں تھی اور اس خوشی اور اطمینان کو جی بھر کے محسوس کرنا چاہتی تھی۔

وہ بالکل دروازے کے قریب کی سیٹوں پر بیٹھی تھی۔ اس لیے ہر آنے جانے والا اس کے قریب سے گزر کر جا رہا تھا۔ ان ہی کمروں میں ان ہی کرسیوں پر بیٹھ کر اس کے اماں ابا نے جرنلزم کی ڈگری لی تھی۔ مگر تب زمانہ اور تھا۔

عبدالسلام خورشید، مہدی حسن اور وارث میر کا زمانہ۔ آج دور بدل چکا تھا۔ اب نئے استادوں کے ساتھ طالب علم بھی بدل چکے تھے۔ مگر عمارت وہی تھی۔

سر فیاض کلاس میں آ چکے تھے۔ اور رول نمبر کال کے بعد باری باری سب سے متعارف ہو رہے تھے۔

"عائزہ مسعود جامی!" اس نے اپنے آپ کو متعارف کروایا۔ "میرے ابا مسعود جامی بھی یہاں کے طالب علم تھے۔"

"آپ مسعود جامی کی بیٹی ہیں؟" سر فیاض کے لہجے میں عقیدت در آئی۔ "آپ کو یہاں دیکھ کے بے پناہ خوشی ہوئی ہے۔ اپنے ابا کی روایات کو زندہ رکھنا۔"

"جی، ان شاء اللہ!" وہ پورے یقین سے بولی۔

جبیں اچیمہ

نصیب کی بارشیں

pklibrary.com

www.pklibrary.com

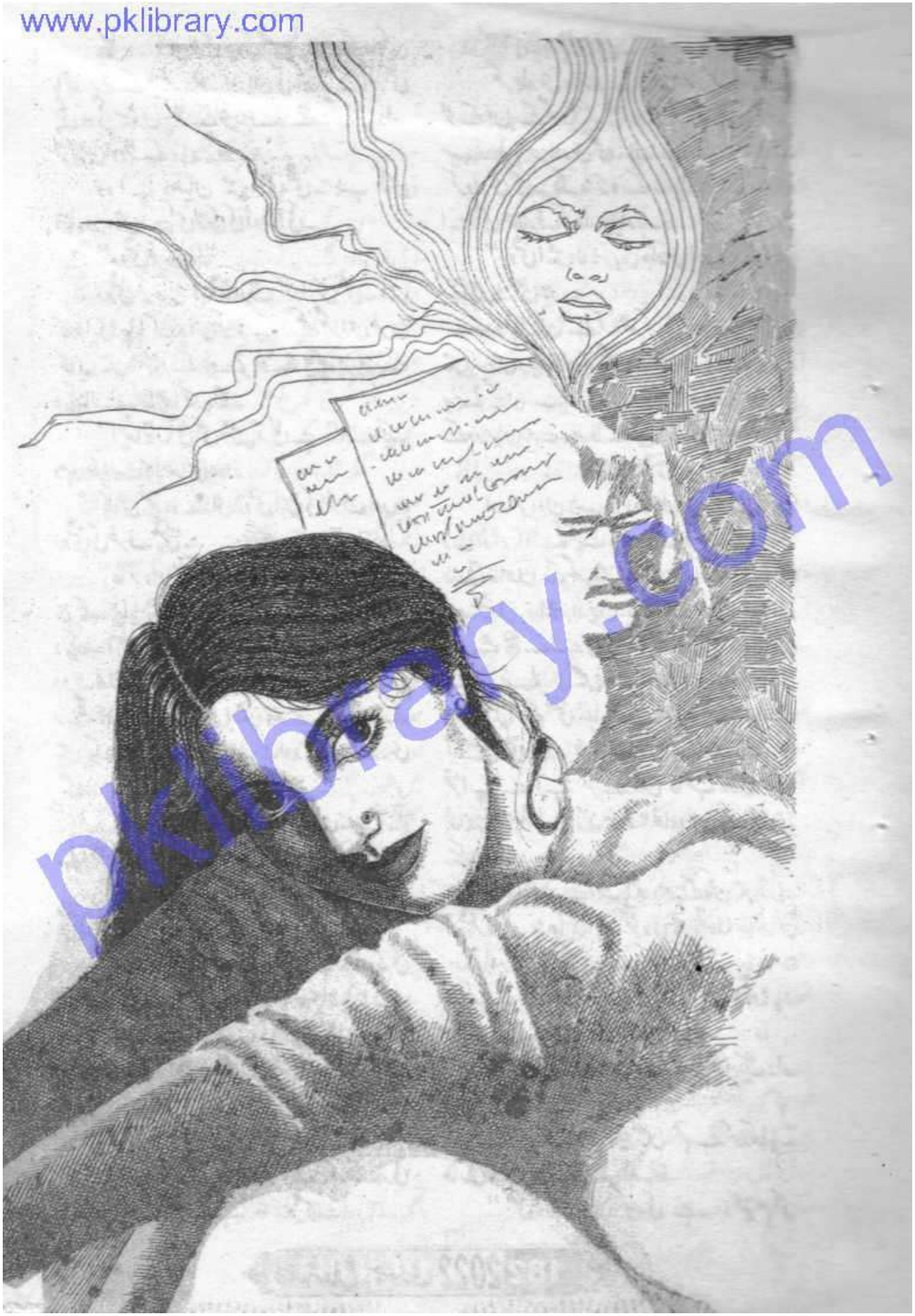

pklibrary.com

www.pklibrary.com

پہلی دو لائنیں لڑکیوں کی تھیں۔ ان کے دائیں ہاتھ پر لڑکے بیٹھے تھے۔ اور ان کی قطار کے بعد بھی بچی ہوئی سیٹوں پر لڑکے ہی ہوتے تھے۔ مگر اس دفعہ لڑکیاں اور لڑکے برابر برابر تھے۔

وہ اپنے دھیان میں بیٹھی تھی۔ جب پچھلی قطاروں میں سے کسی لڑکی کی آواز آئی۔

"روشنی فرحان!"

روشنی فرحان اپنا تعارف کروا رہی تھی۔ اس کا بڑا جی چاہا کہ وہ اس کو مڑ کے دیکھے مگر اس طرح کلاس میں استاد کے ہوتے ہوئے پیچھے مڑ مڑ کے دیکھنا اسے کچھ اچھا نہیں لگا۔

"اچھا تو روشنی بھی یہیں آ گئی ہے۔" اسے ایک دم دوسراہٹ کا احساس ہوا۔

کلاس ختم ہوتے ہی روشنی اس کی طرف اور وہ روشنی کی طرف لپکی۔

"عائزہ تم!" روشنی نے عائزہ کو دیکھا۔ سر سے پیر تک عبایا میں چھپی ہوئی اور عائزہ نے روشنی کو دیکھا۔ اسکن کلر کی ٹائٹس پہنے اوپر چھوٹا سا ٹاپ۔ دوپٹہ ندارد۔ اس کے لمبے بال سنہرے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پاؤں میں بند جوتے پہنے، گلے میں بیگ لٹکائے وہ بہت اسمارٹ اور ماڈرن لگ رہی تھی۔

"عائزہ! یار تم تو ذرا بھی نہیں بدلیں۔ یہ خیمہ تم نے ابھی تک اتارا نہیں۔" روشنی ہنستے ہوئے بولی۔

"اور روشنی تم..... تم ایسی تو نہیں تھیں۔" عائزہ کی آواز میں حیرت تھی۔

"ارے بھئی، زمانہ ترقی کر رہا ہے۔ آگے کی طرف جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ بلکہ دوڑنا پڑتا ہے۔ تم لوگوں کی طرح نہیں کہ یا تو ایک جگہ جمے رہیں یا پیچھے کی طرف دوڑنا شروع کر دیں۔ اور پھر نہیں، ملک ترقی نہیں کر رہا۔" روشنی بولی۔

"نہیں، بلکہ تمہیں دیکھ کر تو لگتا ہے کہ ملک ترقی کی راہ پر اڑانیں بھر رہا ہے۔" عائزہ ہنسی۔

"آؤ، باہر بیٹھتے ہیں۔" وہ دونوں باہر آ گئیں۔

مگر جلد ہی عائزہ نے دیکھا کہ ڈپارٹمنٹ کے لڑکے ان کے گرد آ کر جمع ہونے لگے ہیں۔ روشنی سب سے ہاتھ ملا رہی تھی۔ اور اپنے آپ کو متعارف کروا رہی تھی۔ بلکہ عائزہ کے نہ چاہنے کے باوجود اسے بھی متعارف کروایا جا رہا ہے۔

"روشنی! میں لائبریری جا رہی ہوں۔ مجھے کچھ کتابیں دیکھنی ہیں۔"

وہ اپنا بیگ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ لائبریری میں کتابیں دیکھتے اور اگلے چند ایک پیریڈ اٹینڈ کرتے جانے کیوں اسے احساس ہونے لگا کہ روشنی اور اس کے درمیان بہت سے فاصلے پیدا ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

اور اس دن جب دن ڈھلے وہ باغ جناح کے (جی او آر) والے گیٹ کے سامنے اتر کر چہل قدمی طارق ماموں کے گھر میں داخل ہوئی تو ممانی فاخرہ بمعہ تینوں صاحبزادیوں کے کھاپی کے گھوڑے گدھے بیچ کے اے سی کی ٹھنڈک میں خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھیں۔

اس کے گھنٹی بجانے پر ماسی فاطمہ کہیں سے آنکھیں ملتی برآمد ہوئی اور اس کے اندر گھستے ہی غڑاپ سے اپنے کمرے میں غائب ہو گئی تاکہ خوابوں کا سلسلہ جہاں سے ٹوٹا تھا، وہیں سے پھر جوڑ سکے۔

وہ عبایا اتار کے، منہ ہاتھ دھو کے کچن میں آئی۔ تو شکر کا کلمہ پڑھا کہ ایک کٹوری میں تھوڑا سا سالن اور روٹی رکھی ہوئی تھی۔ ورنہ اکثر تو کچھ بھی بچا نہ ہوتا اور گھر کے لوگ یوں ظاہر کرتے جیسے اس کا ہونا یا نہ ہونا ان کے لیے برابر ہے۔

شام میں طارق ماموں کے آنے پر ایک دفعہ پھر کچہری لگی۔

"تو تم جو کرنا چاہتی تھیں، تم نے کر دکھایا۔" طارق ماموں کے لہجے میں غصہ تھا۔

"بھئی! آخر اولاد کن کی ہے۔ وہ محترم بھی

www.pklibrary.com

مرتے مر گئے مگر اپنی ضد سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے۔" فاخرہ ممانی نے بھی حصہ ڈالا۔

"بھئی، میں تو اس لیے پیسے دیے جا رہا ہوں اور تمہارے سارے خرچے اٹھا رہا ہوں کہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ لاوارث بھانجیوں کا خیال نہیں رکھا۔"

ماموں ایک دفعہ پھر اس کے سر پر احسان عظیم کی گٹھڑی رکھ چکے تھے۔

وہ ابلے ہوئے چاولوں پر لوبیا ڈال کے چپ چاپ کھاتی رہی۔ اسے پتا تھا کہ ہاسٹل کے اخراجات فی الحال وہ دے نہیں سکتی اور اگر یہ ٹھکانا بھی چھن گیا تو رہائش کہیں نہیں ملے گی۔ اس لیے وہ سنی ان سنی کر کے اپنے کام میں مصروف رہی۔ زوبیہ، حنا اور سبین بمعہ اپنے بھائی شرجیل کے اندر سے پیزا اڑا کے نکلے تھے۔

طارق ماموں اور ممانی عام طور پر کہیں نہ کہیں انوائٹ ہوتے۔ بچوں کے اپنے پروگرام ہوتے۔ ایسے میں ماسی جو کچھ بھی اپنے لیے بناتی۔ اسی میں سے عائزہ کو بھی مل جاتا۔

کپڑے وہ ابھی تک صوفیہ کے پہن رہی تھی۔ البتہ جوتے اس کے ٹوٹ چکے تھے۔ مگر بار بار ممانی اور ماموں کے سامنے ہاتھ پھیلانا اسے کسی صورت بھی گوارا نہ تھا۔

اس رات اس کمرے میں (جس میں پہلے وہ اور صوفیہ تھے۔ اور صوفیہ کی شادی کے بعد سے وہ اس میں اکیلی رہ رہی تھی) آنے کے بعد دیر تک اس کی سوچیں جانے کہاں کہاں بھٹکتی رہیں۔ وہ وقت جو اس نے اپنی اماں اور بابا کے ساتھ ملتان میں گزارا تھا۔

وہ بڑا سا گھر جس میں بہت سے پھول اور پودے تھے۔ پھل دار درخت تھے۔ گرمیوں میں آم اور جامن گھر میں ڈھیروں ڈھیر ہوتے۔ لیموں کا پودا بارہ مہینے لیموؤں سے بھرا رہتا۔ امرود کے درخت پر سال میں دو دفعہ امرود لگتے۔ ماما، دیوار کے ساتھ ساتھ دھنیا، پودینہ اور ہری مرچیں ضرور لگواتیں۔

وہ دو بہنیں تھیں۔ صوفیہ اور عائزہ دونوں بے پناہ حسین تھیں۔ خوب صورت تھیں۔

مگر اس نے اپنے آنسو اپنے دوپٹے سے صاف کیے۔ شاید بدقسمت بھی تھیں، اس نے سسکی سی لی۔

اس کے بابا جرنلسٹ تھے، بہت ایمان دار۔ اپنی قوم اور ملک کے وفادار۔ نہ جھکنے والے، نہ بکنے والے۔ اس کی والدہ بھی جرنلزم میں ماسٹرز کر چکی تھیں۔ وہ بابا کو آرٹیکل لکھنے، ٹائپ کرنے میں مدد ضرور دیتیں مگر خود وہ مکمل گھریلو خاتون تھیں۔ ایک دین دار مشرقی گھریلو عورت۔ وہ اپنے آپ کو اپنے بچوں اور خاوند کے لیے وقف کر چکی تھیں۔

گھر میں سکون تھا۔ امن تھا، چین تھا۔ دونوں میاں بیوی اپنی بچیوں کے ساتھ بہت خوش خوش زندگی گزار رہے تھے۔

پھر اس کے والد کا اپنے اخبار اور چینل سے جھگڑا رہنے لگا۔ اور پھر یکے بعد دیگرے جب انہوں نے حساس موضوع پر لکھا۔ حکومت کی چند اور خامیوں کی شدومد سے مخالفت کی تو انہیں بھی دفتر جاتے ہوئے راستے سے اٹھا لیا گیا۔ صحافیوں کے احتجاج اور اخباروں میں لگی سرخیوں کے اور انٹرنیشنل میڈیا میں شور مچنے کے بعد وہ اس حالت میں گھر کے باہر پھینکے گئے کہ ان کی پسلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ سر کی چوٹوں کی وجہ سے یادداشت کافی حد تک گم ہو گئی تھی۔ ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔

ماما جوان کی نظر سے دنیا کو دیکھتی تھیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حواس کھو بیٹھیں۔

بابا کا علاج ہوتا رہا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ آخر میں لوگ یہی کہتے سنے گئے کہ ان کی حالت کچھ سنبھل رہی تھی۔ مگر شارٹ سرکٹ سے ہسپتال کے اسی وارڈ میں آگ لگی، جس میں بابا اور ماما جو رات کو بھی ادھر ہی ہوتی تھیں۔ بابا کے ساتھ ہی ختم ہو گئیں۔

وہ دسویں میں تھی اور صوفیہ ایف اے کر چکی تھی۔ اس رات ان کی اکلوتی پھوپھو ان کے ساتھ گھر

www.pklibrary.com

میں تھیں اور وہ قیامت کا دن جب سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اس کے ماموں اور ممانی انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ گھر کو تالا لگا دیا گیا۔

وہ اور صوفیہ ماموں، ممانی کے گھر آ گئے۔ جن کے اپنے چار بچے تھے۔

ماموں نے ان کے گھر کا سارا سامان منگوالیا تھا۔ جانے فاخرہ ممانی نے کس کو دیا یا کہاں بیچا۔ اور مکان کرائے پر چڑھا دیا۔ کیونکہ مکان بابا نے ان ہی دونوں بہنوں کے نام کر دیا تھا۔ وہ دونوں بیچنے پر تیار نہیں تھیں۔

صوفیہ نے مشکل سے بی اے کیا کیونکہ ممانی نے گھر کی ساری ذمہ داریاں اس پر ڈال دی تھیں۔

اور پھر دو سالوں کے بعد صوفیہ کو ممانی نے اس سے دوگنی عمر کے اپنے بھتیجے سے بیاہ دیا تھا جو عائزہ کو صوفیہ کے کسی صورت لائق یا قابل نہیں لگتا تھا اور جو ایک بیوی کو پہلے بھی بھگتا چکا تھا۔

عائزہ کے بار بار منع کرنے اور کئی دفعہ ممانی سے لڑائی کرنے کے بعد بھی صوفیہ چپ ہی رہی تھی۔

مگر جانے سے پہلے آخری رات اس نے عائزہ کو بتا دیا تھا کہ وہ یہ قربانی محض اس لیے دے رہی ہے کہ اس گھر کے دروازے ان دونوں پر کھلے رہیں۔

اسی شہر کے کسی گلی یا محلے میں ان کی پھوپھو کا گھر بھی تھا۔ پھوپھا اسکول ماسٹر تھے اور اپنی ذمہ داریاں مشکل سے نبھاتے تھے اور پھر ان کا بڑا بیٹا عمر جس کو دیکھتے ہی ٹانگیں کانپنے لگتیں، انتہائی غصیلا اور سر پھرا۔

پھوپھو ان دونوں کی ذمہ داریاں کیسے لے سکتی تھیں۔ شروع شروع میں وہ ان سے ملنے آتی رہیں۔ وہ ان کو گلے لگا کے روتیں۔ تو ممانی کو نحوست پھیلنے کے وہم ستانے لگتے۔ وہ ان سے اکیلے میں چند منٹ بات بھی کر لیتیں تو ممانی ان پر پٹیاں پڑھانے کے الزام لگانے لگتیں۔ آخری دفعہ وہ صوفیہ کی شادی میں آئیں۔ ان کو بھی عائزہ کی طرح اس کے جوڑ پر اعتراض تھا۔ بلکہ انہوں نے تو صاف صاف ممانی کے منہ پر کہہ دیا تھا۔

"تمہیں اپنی اتنی بڑی عمر کے بھتیجے کے لیے میری اتنی چھوٹی سی معصوم بھتیجی ہی ملی تھی۔ جس کی تم نے قربانی کر ڈالی۔"

مگر فاخرہ ممانی نے ان کے وہ لتے لیے کہ وہ دوبارہ کبھی لوٹ کے نہیں آئیں۔

اس کا داخلہ بھی جانے کیسے ممانی نے ہونے دیا تھا۔ ایک تو اس کی ضدی طبیعت، دوسرا اس نے کہہ دیا تھا کہ اگر اسے یہاں سے ایم اے نہ کرنے دیا گیا تو وہ اپنا گھر بیچ دے گی اور ملتان یا یہیں کے کسی ہوسٹل چلی جائے گی۔ مگر ممانی کی اپنی چالیں تھیں وہ فی الحال اس گھر سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتی تھیں۔ جس کا کرایہ ان کے کافی کام آ رہا تھا۔

اس رات سونے سے پہلے عائزہ کو جو آخری بات یاد آئی۔ وہ روشنی تھی اسے یاد آیا وہ ملتان کالونٹ میں چھٹی جماعت سے اکٹھی ساتھ پڑھ رہی تھیں۔ روشنی کے ابا سول سرونٹ تھے۔ ان کو حکومت کی طرف سے بڑا بنگلہ ملا ہوا تھا۔ نوکر چاکر تھے مگر گھر کے اندر شرافت تھی۔ اس کی والدہ باہر نکلتے وقت چادر لیتی تھیں۔ جب عائزہ نے نویں کلاس میں عبایا لینا شروع کیا تو روشنی بھی اس کے ساتھ عبایا لینے پر تیار ہو گئی تھی۔ مگر پھر ان کا ٹرانسفر ملتان سے کہیں اور ہو گیا تھا مگر اسکول میں وہ تین سال تک ہمیشہ اکٹھی نظر آتیں۔ ان کا ایک دوسرے کے گھر بھی آنا جانا رہا اور اس کے بابا نے کبھی بھی اسے روشنی کے گھر جانے سے منع نہیں کیا۔

وہ اتنے سالوں بعد ملی تھیں۔ مگر اسے روشنی کچھ عجیب سی لگی تھی جیسے وہ بدل گئی ہو۔ اس نے بتی بجھائی۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

اگلے چند دنوں میں اس کی کلاسیں پوری طرح شروع ہو گئی تھیں۔ جس کلاس میں طالب علموں کا پڑھائی کا موڈ نہ ہوتا اس میں وہ کوئی نہ کوئی بحث چھیڑنے کی کوشش کرتے۔

www.pklibrary.com

سر "زرد جرنلزم" کا کچھ زیادہ زور نہیں ہو گیا۔ کسی کا گھر محفوظ ہی نہیں رہا۔ گھروں کی خواتین تک کو نہیں بخشا جا رہا۔" پیچھے سے ایک آواز اٹھی۔

"سر! حقیقت سامنے آنی چاہیے۔" کوئی اور لڑکا لقمہ دیتا۔

"اگر گھروں میں رہنے والی عورتوں کے کچھ اسکینڈل مشہور ہیں تو ان پر کیوں پردہ ڈالا جائے۔" کوئی اور آواز ابھرتی۔

وہ چونکہ ابھی تک کسی بھی لڑکے نام سے واقف نہیں تھی اس لیے فی الحال وہ صرف آوازیں ہی سنتی۔ اگر کوئی سخت استاد ہوتا تو وہ اس بحث کو بعد کے لیے اٹھا رکھنے کا مشورہ دے کر لیکچر شروع کر دیتا۔ اور اگر بغیر تیاری کے کوئی استاد ہوتا۔ تو پورا پیریڈ اسی بحث میں گزر جاتا۔

ان بحثوں میں سب سے آگے آگے روشنی اور کاظم تھے۔ کاظم شاہ ان کی کلاس کا سی آر تھا روشنی آتے جاتے عائزہ سے ہائے ہیلو تو ضرور کرتی۔ مگر اب اس سے پرانے مراسم زندہ کرنے کا شاید وقت نہیں تھا۔

پچھلے گزرے چار پانچ سالوں میں وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ وہ چست جینز کے ساتھ چھوٹا سا ٹاپ پہن کے آ جاتی یا ٹائٹس کے ساتھ کوئی چھوٹا سا کرتا۔ دوپٹہ یونیورسٹی میں کافی کم ہو گیا تھا۔ مگر عائزہ دیکھتی کہ عبایا لینے والی لڑکیوں کی بھی کافی تعداد تھی۔

ماموں کی بڑی دونوں بیٹیاں کالج جا رہی تھیں۔ پڑھائی کا تو پتا نہیں کہ وہ علم کے نام پر کیا حاصل کر رہی تھیں۔ البتہ فیشن اور ماڈرن ازم کے نام پر وہ کافی کچھ سیکھتی جا رہی تھیں۔ چھوٹی میٹرک میں تھی۔ اور وہ بھی بڑی بہنوں کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ بیٹا چھوٹا تھا۔ جو فی الحال کسی گنتی شمار میں نہیں تھا۔

اسے یونیورسٹی جاتے چند ماہ ہو چکے تھے۔ اس کے چند آرٹیکلز ملک کے مشہور اخباروں میں شائع ہو چکے تھے، اسے فی الحال سب نے منع کیا تھا کہ وہ ایسی کسی چیز کے بارے میں نہ لکھے جو متنازع ہو۔ اور اس کے لیے مصیبت کا باعث بنے۔ سر اشفاق، جو اس کے والد کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ بھی اکثر اسے سمجھاتے رہتے تھے مگر اس کے اندر ایک بے چین روح تھی۔ جو اسے کچھ نہ کچھ کرتے رہنے پر اکساتی تھی۔

☆☆☆

ان کا دوسرا پیریڈ فارغ تھا۔ جب اس کی نئی بنی دوست عشنا نے کہا۔

"چلو ہاسٹل چلتے ہیں۔ مجھے لائبریری کی کتابیں واپس کرنی ہیں جو میں کمرے میں بھول آئی ہوں۔ اور آج ان کی واپسی کی آخری تاریخ ہے۔ بس ابھی گئے اور ابھی آئے۔" عشنا نے چٹکی بجائی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کتابیں سمیٹیں اور اس کے ساتھ ہو لی۔

نہر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے اس نے روشنی کو دیکھا۔ وہ کاظم علی کے ساتھ نہر میں کشتی چلا رہی تھی۔ چپو چلاتے ہوئے وہ بار بار پیچھے کو جھکتی تو اس کے مختصر سے کپڑے اور مختصر ہو جاتے۔

"عائزہ! اس لڑکی کو دیکھو۔ یہ تو شاید یونیورسٹی میں محض موج میلے کے لیے آئی ہے۔ پہلے دن سے اس کے یہی اندر ہیں۔ جانے گھر والے کہاں آنکھیں بند کیے پڑے ہیں۔" عشنا نے کہا۔

"اس نے نویں جماعت تک میرے اسکول سے پڑھا ہے۔ تب تو ایسی نہیں تھی۔" عائزہ بولی۔

"یقیناً اس کے گھر میں حرام کی کمائی آتی ہے۔ جس سے یہ اس طرح کی ہو گئی ہے۔" عشنا نے اتنے وثوق سے کہا کہ وہ بے اختیار ہنس دی۔

"کیا کہہ سکتے ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

ہاسٹل پہنچے تو ایک نیا تماشا ان کا منتظر تھا۔ ان کی یونیورسٹی کی ایک پیاری سی لڑکی جو بہت اچھے گھر سے تھی کیونکہ اس کے والدین ہاسٹل اس سے ملنے آتے رہتے تھے۔ سب لڑکیاں جانتی تھیں وہ دونوں استاد

www.pklibrary.com

تھے اور بہت مہذب تھے۔ اس کو کچھ لڑکیاں گھیرے کھڑی تھیں کہ اس نے ان کے کپڑے چرائے ہیں۔ اور وہ مسلسل انکار کر رہی تھی۔

"نہیں نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" عائزہ نے عشنا کی طرف دیکھا۔

"ہونے کو تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔ مگر فی الحال ہمیں واپس بھی جانا ہے۔" عشنا بولی۔

"چلو، تم اللہ کی کتاب پر ہاتھ رکھ کے قسم کھاؤ۔" کسی لڑکی نے کہا۔

"ٹھیک ہے، لاؤ۔" وہ بے دھڑک بولی۔

"ٹھہرو..... ٹھہرو۔" عائزہ ان کی طرف لپکی۔ "اللہ کی کتاب کو بیچ میں مت لاؤ۔ تم لوگ اپنے جھگڑے اللہ کی کتاب کو بیچ میں لائے بغیر ہی نبٹاؤ۔"

"تو چلو پھر اس کے کمرے کی تلاشی لیتے ہیں۔" لڑکیاں بولیں۔

"دھوبی ہمارے کپڑے لاکر جس جگہ بھی رکھے۔ یہ وہاں سے اٹھالیتی ہے۔ میں نے خود اسے دیکھا ہے۔" ان میں سے ایک بولی۔

مگر وہ کسی طور بھی تلاشی دینے کو تیار نہیں تھی۔

"عشنا! یہ ہماری سوسائٹی کس طرف جارہی ہے۔ کوئی غریب چوری کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ مگر اچھے بھلے گھروں کی لڑکیاں اس طرح کی حرکتیں کریں تو اسے کیا کہیں گے۔" عائزہ بولی۔

"بس انسان کی طبیعت میں اگر ہوس ہے۔ حرص ہے، طمع ہے، تو چاہے اس کو ایک پوری وادی بھی سونے کی دے دی جائے وہ دوسری کی طمع کرے گا۔" عشنا بولی۔

"ہاں یہ تو ہے۔ ورنہ ہر محکمے میں ملک اور قوم کا پیسہ کیوں لوٹا جاتا۔" عائزہ بولی۔ "ایک محل کھڑا ہوگیا تو ایک اور چاہیے۔ وہ مل گیا تو کچھ اس سے بھی بڑا چاہیے۔ لوگوں کا پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔"

اس نے اپنے پیروں میں پہنی ہوئی چپل کی طرف دیکھا۔ جو بس ٹوٹنے ہی والی تھی۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں اللہ اللہ کر کے پہلا سمسٹر ختم ہوا۔ تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"ماموں! مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔ میرے کپڑے اور جوتے کافی حد تک پھٹ چکے ہیں۔ میں پچھلے دو سال سے صوفیہ کے کپڑے استعمال کر رہی ہوں مگر اب وہ بھی پہننے کے قابل نہیں رہے۔" اس نے کافی عرصے کے بعد ماموں سے پیسوں کا تقاضا کیا مگر وہی فاخرہ مامی کی فطرت وہ خواہ مخواہ ہی بیچ میں کود پڑیں۔

"ہاں پیسوں کے انبار لگے ہیں نا۔ پہلے دونوں کو گھر میں رکھا پھر ایک کو بیاہا اور اب تمہیں یونیورسٹی میں پڑھا رہے ہیں۔ رہائش، کھانا، فیسیں، باقی اخراجات..... کیا کیا پورا کریں۔" وہ بولیں۔

"ہمارا گھر پچاس ہزار پر تو چڑھا ہی ہوگا۔ ان پچاس ہزار میں سے میری فیس کے بعد کیا اتنا بھی نہیں بچتا کہ میں چند جوڑے کپڑے اور جوتے خرید لوں۔" وہ بھی غصے سے بولی۔

"لیں اور چڑھائیں اس کو سر۔ طارق صاحب! دیکھ رہے ہیں، کتنی زبان دراز ہے۔ میں تو کہتی ہوں۔ اس کا بھی کہیں نکاح کریں تاکہ ہم تو آزاد ہوں۔" ممانی تڑخ کر بولیں۔

"دیکھتا ہوں اس کے لیے بھی کچھ۔" ماموں بے زاری سے بولے۔

مگر اس رات جب وہ سونے کی تیاریوں میں تھی۔ ماموں اس کے ہاتھ میں چپکے سے چند نوٹ پکڑا گئے۔ اس نے کتنی ہی دفعہ ان پیسوں کو گنا پھر اپنے جوتوں اور بوسیدہ کپڑوں پر نظر ڈالی۔ کپڑوں کا بھرم اس کا حیا رکھ لیتا تھا۔ اسے ہر روز نئے کپڑوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ مگر چند جوڑے گرمیوں میں اور چند سردیوں میں تو ضروری تھے۔ اور پھر جوتے لازمی لینے تھے۔

اس رات وہ اگلے دن کی خریداری کے متعلق سوچتے ہوئے سوئی کہ کل عشنا کے ساتھ جاکر اپنی

www.pklibrary.com

ضروری چیزیں خریدے گی۔

اگلے دن جب اس نے عشنا سے بازار چلنے کو کہا تو وہ پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔

"چلو، میں بینک سے پیسے نکلوالوں پھر چلتے ہیں۔ لبرٹی سے شوارما اور فریش جوس بھی پیتے ہیں۔" عشنا نے فوری طور پر سارا پروگرام اس کے گوش گزار کیا۔

"کبھی کھانے پینے کے کریز سے باہر بھی نکلو۔" عائزہ ہنسی۔

"ارے عائزہ! تم ہنسی تھیں۔ تم ہنستی رہا کرو۔ تم ہنستی ہوئی بڑی پیاری لگتی ہو۔" عشنا بولی۔

"لڑکی! تم کیا جانو زندگی کا مطلب۔ یہ ہنسنے کب دیتی ہے۔ بس سانس لینے کی اجازت دے دے، ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" عائزہ کا لہجہ زخمی تھا۔

"اچھا اب پھر المیہ کہانی کی ہروئین بننے کی ضرورت نہیں، آؤ چلیں۔" وہ اپنے ڈپارٹمنٹ سے باہر نکلیں۔

بینک کے آگے طالب علموں کی لمبی قطار تھی۔ عشنا بھی اسی قطار میں شامل ہوگئی۔

عائزہ اس کی اور اپنی کتابیں سنبھالے ایک خالی بینچ پر بیٹھ گئی تب ہی اس نے ایک پیاری سی لڑکی کو دیکھا۔ وہ دبلی پتلی نازک سی لڑکی تھی۔ صاف ستھرے رنگ کی، اس نے سفید بیل باٹم پر لمبی پرپل کڑھائی والی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ گلے میں سفید دوپٹا تھا۔ اور وہ اپنی فائل کو سینے سے لگائے تجسس بھری آنکھوں سے کسی کو تلاش کررہی تھی۔ یہ علیزے تھی جس پر اس دن ہاسٹل کی لڑکیوں نے چوری کا الزام لگایا تھا۔

"نہیں، یہ چور نہیں ہوسکتی۔" عائزہ اس کو دیکھ کے سوچ میں پڑ گئی۔

"عائزہ!" دور سے اسے کسی لڑکی نے پکارا تھا۔ وہ اس کی کلاس فیلو زینب تھی۔

عائزہ اپنی اور عشنا کی کتابیں وہیں چھوڑ کے اس کے پاس کاریڈور میں آگئی۔

"عائزہ! میں نے تمہارا آرٹیکل اخبار" میں پڑھا ہے۔ آج کل کی لڑکیوں اور لڑکوں کی بے راہ روی کے بارے میں تمہارا تجزیہ بہت زبردست ہے بھئی۔ آخر ہو کس کی بیٹی۔"

زینب کھلے دل سے اس کی تعریف کررہی تھی۔ اور وہ مسکرا مسکرا کر اسے وصول کررہی تھی۔ وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی جبکہ زینب اس کے سامنے تھی۔

"عائزہ! عائزہ! بھئی کہاں ہو؟" عشنا اسے آوازیں دیتے ہوئے اردگرد دیکھتی ہوئی ان کے قریب آگئی تھی۔

"بس آرہی ہوں۔" وہ زینب سے اجازت لے کر عشنا کی طرف آگئی۔

"چلو آؤ۔ باقی کے پیریڈ ویسے بھی فارغ ہیں تو ابھی نکلتے ہیں۔"

وہ دونوں اپنی کتابوں کے قریب پہنچیں تو زینب ابھی تک وہیں کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"عائزہ! میرا پرس..... ابھی میں یہیں رکھ کے تمہیں بلانے گئی تھی۔ ہائے عائزہ! ابھی میں نے تیس ہزار نکلوائے تھے۔"

"زینب! تم نے کسی کو میرا پرس اٹھاتے تو نہیں دیکھا۔ چھوٹا سا پاؤچ تھا۔ میں نے بے خیالی میں وہ بھی کتابوں پر ہی رکھ دیا تھا۔"

"میں نے اٹھاتے تو نہیں مگر ابھی ابھی علیزے کو اس جگہ کھڑے دیکھا تھا۔ آؤ۔ اس سے پوچھتے ہیں۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟" عشنا نے پریشانی سے پوچھا۔

"وہ ابھی ڈپارٹمنٹ کی طرف گئی ہے۔" زینب نے بتایا۔ وہ تینوں اس کی طرف دوڑیں۔ وہ راستے میں اس کے بارے میں پوچھتی بھی جارہی تھیں۔ جب اوپر پہنچیں تو وہ کامن روم سے باہر آرہی تھی۔

زینب اور عشنا نے فوراً اسے روک لیا۔

"تم سے بات کرنی ہے۔" اور عائزہ فوری طور

www.pklibrary.com

پر پہلے کامن روم اور پھر خواتین کے واش روم میں گھس گئی۔

واش روم میں اسے عشنا کا پاؤچ پڑا ہوا مل گیا۔ مگر وہ خالی تھا۔

عائزہ، عشنا کا پاؤچ لے کر باہر آئی تو زینب اور عشنا کو پورا یقین ہو گیا کہ اسی نے اس کا پاؤچ اٹھایا تھا۔ وہ تینوں اسے لے کر کامن روم میں آ گئیں۔ اگرچہ اس نے ان سے اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی۔ مگر علیزے کی جامہ تلاشی سے انہیں عشنا کے پیسے مل گئے۔

وہ علیزے کو لے کر چیئرمین کے دفتر پہنچیں۔ اور تفتیش کے بعد علیزے نے بتایا کہ یہ پیسے اس کے اپنے ہیں۔ وہ روشنی، کاظم اور یونیورسٹی کے دو اور لڑکے چند دنوں کے لیے مری جا رہے ہیں، اس لیے وہ یہ پیسے گھر سے لے کر آئی ہے۔

روشنی اور کاظم شاہ نے بھی اس کی تصدیق کر دی کہ وہ سب چند دنوں کے لیے مری جا رہے ہیں۔

"کیا تم لوگوں کے گھر والوں کو علم ہے کہ تم لوگ شہر سے باہر کچھ دنوں کے لیے جا رہے ہو۔" چیئرمین صاحب نے روشنی اور علیزے سے پوچھا۔

"جی سر! ہم ان کو بتا کر جا رہے ہیں۔" دونوں لڑکیوں نے بلا جھجک جواب دیا۔

"سر! یہ پیسے علیزے کے ہیں۔ ہم سب نے بھی اتنے اتنے ڈالے ہیں مگر علیزے کو چونکہ زینب نے عشنا کی چیزوں کے پاس رکتے اور پھر تیزی سے ڈپارٹمنٹ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس لیے عشنا کا یہ دعوا کہ یہ پیسے اس کے ہیں۔ ٹھیک نظر آ رہا تھا۔" روشنی نے کہا۔ روشنی اور کاظم شاہ کے آتے ہی علیزے مضبوط نظر آنے لگی تھی اس کے چہرے کی رنگت بھی بحال ہو گئی۔

روشنی نے چند منٹوں میں ہی اپنے دوسرے دو ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ وہ یونیورسٹی کے جانے مانے غنڈے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی زینب کے پسینے چھوٹ گئے۔ سر بھی نروس نظر آنے لگے۔

"سر! یہ چور نہیں ہے۔ ان لڑکیوں کی کیسے جرأت ہوئی کہ اس پر ایسے الزام لگائیں۔" تینوں لڑکے انہیں خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"کس نے علیزے پر الزام لگایا ہے کہ اس نے چوری کی ہے۔" انہوں نے ان تینوں کو دیکھا۔

"کس نے اسے پیسے چراتے ہوئے دیکھا ہے؟" روشنی بولی۔

"زینب نے۔" عشنا نے کہا۔

"نہیں نہیں، میں نے صرف اسے وہاں رکتے دیکھا تھا۔ جہاں ان لوگوں کی کتابیں پڑی تھیں۔" زینب خوف سے پیلی پڑ گئی۔

"تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ چور ہے۔" وہ زینب پر چڑھ دوڑے۔

"میں نے یہ کب کہا۔" وہ صاف مکر گئی۔

پروفیسر صاحب بے بسی کی تصویر بنے علیزے کے ساتھیوں کو عشنا کو دھمکیاں دیتے سن رہے تھے۔ جو پیسے گم ہونے پر پہلے ہی بوکھلائے ہوئی تھی۔

"ہم لوگ اس کے پیچھے دوڑے تھے۔ میں نے اسے واش روم سے نکلتے دیکھا۔ تو میں نے واش روم میں جھانکا۔ وہاں سے ہمیں عشنا کا پاؤچ ملا ہے۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے ہی تھے۔" عائزہ بولی۔

"اور علیزے پر تو ہوسٹل کی لڑکیوں کو بھی یقین ہے کہ یہ ان کے کپڑے اٹھالاتی ہے۔" عشنا نے بتایا۔

"آپ کا خیال ہے کہ آپ کسی پر بھی الزام دھر دیں گی اور وہ چور ہو جائے گا۔"

وہ عشنا اور عائزہ کی طرف مڑے۔

"سر! یہ میرے پیسے ہیں، میں نے ابھی بینک سے نکلوائے ہیں۔" عشنا رو دینے کو تھی جبکہ عائزہ اس کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔

"سر! میرا پیریڈ ہے۔" زینب اچانک کمرے سے نکل گئی۔

"سر! ان سے کہیں، علیزے کے پیسے واپس کریں۔ ورنہ ہمیں پھر زبردستی کرنی پڑے گی۔"

www.pklibrary.com

علیزے کے حامی لڑکے بولے۔

سر نے انتہائی بے بسی سے عشنا اور عائزہ کی طرف دیکھا۔

"آپ لوگ علیزے کو پیسے واپس کردیں۔ کیونکہ آپ کا گواہ بھاگ گیا ہے۔" سر بولے۔

وہ دن جتنی خوشی سے شروع ہوا تھا۔ اتنی ہی بری طرح ختم ہوا۔ عشنا کی آنکھوں میں بار بار آنسو آجاتے۔ وہ کئی دفعہ عائزہ سے لڑ چکی تھی کہ "وہ کیوں چیزیں وہیں رکھ کے زینب کی بات سننے گئی تھی۔ میں نے بھی بے خیالی میں پاؤچ ادھر رکھ دیا۔"

"مجھے کیا پتا تھا کہ چوروں ڈاکوؤں سے یونیورسٹی بھری ہوئی ہے۔"

☆☆☆

اور پھر کچھ دن یونہی بیزاری اور کوفت میں گزر گئے۔

"عشنا! میرے پاس یہ پیسے ہیں۔ ماموں نے خیرات کے طور پر دیے ہیں۔ چلو ان کو آدھا آدھا کرلیتے ہیں۔ اور جو بھی آتا ہے، لے آتے ہیں۔" اس دن اس نے عشنا کو وہ پیسے پکڑاتے ہوئے کہا جو اسے ماموں نے دیے تھے۔

"نہیں، تم اپنی چیزیں خریدو۔ میرے پاس ابھی کافی کپڑے ہیں میں بعد میں لے لوں گی۔" مگر عائزہ اس کو لیے بازار پہنچی تو جو اپنے لیے لیا۔ اس کے لیے بھی لیا۔ اگرچہ چند جوڑے کپڑوں کے اور جوتے ہی آئے۔ مگر اس دن کے بعد یہ ہوا کہ وہ دونوں مل بانٹ کے کھانے لگیں۔

علیزے سوشیالوجی میں تھی اور روشنی جرنلزم کی طالبہ تھی لیکن دونوں وہ اکٹھا کتھی دیکھی جاتیں۔

☆☆☆

وہ فروری کا ایک عام سا دن تھا۔ ان دنوں اس پر پڑھائی کا بھوت سوار تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ طالب علموں میں بڑھتے ہوئے علاقائی تعصب پر بھی دھڑا دھڑ لکھ رہی تھی۔

وہ سیدھے اور صاف الفاظ میں پوچھتی کہ اگر کوئی انسان کسی صوبے میں پیدا ہوگیا ہے تو کیا اس میں اس کی اپنی مرضی شامل تھی یا وہ اپنے ارادے سے کسی بھی صوبے میں پیدا ہوا ہے۔ اگر اس میں اس کا کوئی قصور ہی نہیں تو پھر محض اس لیے اس سے نفرت کیا معنی رکھتی ہے۔ اگر کسی صوبے کے وسائل لوٹے گئے ہیں۔ تو لوٹنے والے حکمران ہیں۔ نہ کہ عوام وہ تو ہر جگہ یکساں مظلوم ہیں۔"

وہ آسان اور سیدھے الفاظ میں دلیل سے لکھتی، اس لیے آج کل اس کے پڑھنے والوں کا حلقہ بڑھ رہا تھا۔

اس شام وہ گھر آئی تو زوبیہ اور حنا شاید کہیں جانے کے لیے تیار تھیں۔ وہ گیٹ کے سامنے ہی ٹہل رہی تھیں۔ عائزہ کو بس چونکہ کافی دور اتارتی تھی۔ اس لیے وہ سستی سے پیر گھسیٹتی گھر میں داخل ہوئی۔ تو ان دونوں سے سامنا ہوگیا۔

"تم لوگ کہیں جارہی ہو؟" عائزہ نے ان کے بنے ٹھنے حلیوں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم تو تمہارے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔" ان دونوں نے قہقہہ لگایا۔

"آؤ پھر اندر چلیں۔ استقبال تو ہوگیا۔" اس نے ان کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"تم چلو، ہم آتے ہیں۔" زوبیہ بولی۔

وہ اپنے کمرے میں آئی۔ کپڑے بدلے۔ نماز پڑھنے میں اسے کافی دیر لگی۔ بھوک کے مارے اس کی انتڑیوں میں بل پڑ رہے تھے۔ وہ تیزی سے نیچے اتری۔ تو سامنے ہی ماموں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ موجود تھے۔

ان کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں کوئی گفٹ پیک تھا۔

"یہ کہاں سے آیا؟" بے اختیار اس کے منہ سے پھسلا حالانکہ وہ شروع سے ہی ہر بات سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر آج جس انداز میں ماموں یہ سب لیے کھڑے تھے۔ تو اسے تجسس کے ساتھ ساتھ حیرانی بھی ہو رہی تھی۔

www.pklibrary.com

"یہی تو میں تم سے پوچھنے والا ہوں کہ وہ کون لڑکے تھے جو تمہارے لیے یہ دینے آئے تھے۔" ماموں کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔

"میرے لیے؟ مگر میرے لیے کیوں کوئی پھول اور تحفے گھر میں لائے گا۔ جبکہ لڑکے تو رہے ایک طرف میری تو کسی سہیلی کے پاس بھی آپ کے گھر کا ایڈریس نہیں ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"بی بی! اپنے یہ کرتوت گھر کے باہر ہی رکھو۔ ہماری بھی جوان بچیاں ہیں۔ ان پر اپنا سایہ نہ ڈالو۔" فاخرہ ممانی بھی جلدی سے کمرے سے نکلیں۔

"ماموں! آپ اچھی طرح جانتے ہیں مجھے، میں نے اپنی مرضی سے عبایا لیا ہے۔ میرے اوپر کسی نے زور زبردستی اس کو نہیں لادا اور آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ میں اپنے اصولوں کی کتنی پکی ہوں۔ میرے لیے اگر کوئی یہ لایا بھی تھا تو پھر مجھے دینے کی جرأت بھی کرتا، اپنا نام تو کم از کم بتاتا۔ یہ چیزیں میری نہیں ہیں۔ نہ ہی ایسے گھٹیا کاموں سے میرا کوئی تعلق ہے۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

"آپ نے اس لڑکے کو پکڑا کیوں نہیں۔" ممانی بولیں۔

"وہ ایک نہیں دو تھے اور یہ چیزیں وہ زوبیہ اور حنا کو دے چکے تھے۔ مگر میری گاڑی دیکھتے ہی وہ بھاگ گئے۔" ماموں نے بتایا۔

"اچھا تو اس لیے یہ دونوں صبح سے ویلنٹائن ڈے کا ذکر کر رہی تھیں۔ شکر ہے وقت پر دونوں کو عقل آ گئی اور انہوں نے عائزہ کا منہ کالا کر دیا۔" فاخرہ ممانی دل ہی دل میں ہنسیں۔

"اگر کوئی ان کو دے کر گیا ہے تو پھر یہ ان ہی کے لیے ہوگا۔ میرا ذکر بیچ میں کہاں سے آ گیا۔" عائزہ بے اختیار بولی۔

"خبردار جو میری شریف بچیوں پر الزام تراشی کی۔ لڑکوں کے ساتھ تم پڑھتی ہو۔ یا میری بچیاں۔ وہ کیا جانیں تمہارے جیسے چلتر۔ ہم کیا جانیں، باہر کیا کرتی پھرتی ہو۔" ممانی اپنی بچیوں کے دفاع میں فوراً سامنے آ گئیں۔

مگر وہ جس کا اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کس سے فریاد کرتی۔ کاش میرے پاس کوئی اور ٹھکانا ہوتا۔ اس نے انتہائی بے بسی سے سوچا۔

ان لوگوں سے کب میری جان چھوٹے گی۔ وہ واپس اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔ ماموں نے زور سے پھول اور وہ گفٹ پیک اس کے قدموں میں دے مارے۔

"یہ سوغاتیں بھی ساتھ لے جاؤ۔" وہ پھنکارے۔

"ہم شریف لوگ ہیں۔ یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتے۔ کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" ممانی ہاتھ نچاتے ہوئے بولیں۔

"ماموں! اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں رات کو بھی یہاں نہ آؤں تو آپ میرے مکان کا کرایہ مجھے دے دیں۔ میں ہاسٹل چلی جاتی ہوں مگر میرے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے آپ ہزار دفعہ سوچیں کہ آپ کی اپنی بھی تین تین بیٹیاں ہیں۔ اگر ان کو آپ اس حال میں چھوڑ جائیں جس حال میں میں ہوں اور ان کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہو جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ تو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔"

وہ جو بظاہر بہت مضبوط تھی، اس وقت بے طرح خود ترسی کا شکار تھی۔ اندر سے تو کب کی ٹوٹ چکی تھی۔ بس ڈھیٹ بنی ہر چیز سہہ رہی تھی۔

اس رات وہ اپنے آپ سے لڑ لڑ کے ہار چکی تھی۔ وہ مارے بھوک کے دوہری ہوئی جا رہی تھی مگر اب وہ ان کے گھر سے کچھ بھی کھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی اماں کا کیسا بھائی تھا۔ جس کے دل میں اس کی ذرا سی بھی محبت نہیں تھی۔ جو بیوی کی آنکھوں سے دیکھتا اور بیٹیوں کے کہنے پر چلتا تھا کیا اس کو اللہ کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔

وہ کوشش کر کے اٹھی۔ اور وضو کرنے واش روم

www.pklibrary.com

میں گھس گئی۔ وضو کے دوران اس نے پیٹ بھرنے کے لیے بہت سا پانی پیا اور جائے نماز بچھا کے کھڑی ہوگئی۔

تب ہی کوئی آہستہ سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو ماسی فاطمہ اس کا کھانا لیے کھڑی تھی۔

"آؤ بچے! کھانا کھاؤ۔" اس نے اسے ہاتھ سے پکڑ کے جائے نماز پر ہی بٹھا دیا۔ گرم گرم روٹی اور تھوڑی سی سبزی تھی۔

"میں نے فریج نہیں کھولا کہ کہیں مجھے فاخرہ بی بی یا بچے دیکھ نہ لیں۔ میں یہ چیزیں اپنے لیے لے کر گئی تھی۔ اسی میں سے تمہارے لیے بچالیا۔ روٹی بھی میں نے بغیر لائٹ جلائے بنائی ہے۔"

"کیا تمہیں رب کی طاقت کا اندازہ ہے؟" اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا کیسے رات کے اس پہر اس عورت کو اس نے میرے لیے جگا رکھا تھا۔ کیسے اس نے رات کے اس پہر میری بھوک کا بندوبست کیا ہے۔ وہ کھانا ایک طرف کر کے وہیں گر گئی۔

"میرے اللہ! میں تنہا کب ہوں تو میرے ساتھ ساتھ ہے۔"

اس نے سر اٹھایا۔ تو ماسی اس کا بھیگا ہوا چہرہ دیکھ کر خود بھی آب دیدہ ہوگئی۔

"بیٹی! یہ سارے کرتوت ان کی اپنی بیٹیوں کے ہیں۔ ماں سب کچھ جانتی ہے مگر آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ کسی دن خود ہی نتیجہ بھگتیں گے۔"

☆☆☆

اور پھر اس طرح کے واقعات اکثر ہی ہونے لگے۔ کبھی کبھار لینڈ لائن پر کسی انجان نمبر سے کال آتی۔

اگر ماموں یا ممانی اٹھاتے تو وہ بند کر دی جاتی۔

اس دن عائزہ بہت اداس تھی۔ عشنا نے دیکھا تو اسے اپنے ساتھ ہاسٹل لے آئی۔

"تم چاہو تو میرے ساتھ ایک دو دن میرے گیسٹ کے طور پر رہ سکتی ہو۔" عشنا نے اسے تجویز دی۔

"نہیں عشنا! میں گھر ہی جاؤں گی۔ جانے رات باہر گزارنے پر ماموں، ممانی میرے اوپر کیا کیا کیچڑ اچھالیں۔" وہ عبایا اتار کے اس کے ساتھ اس کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

تب ہی عشنا کی ایک رشتے کی خالہ عشنا سے ملنے آپہنچیں۔ وہ اپنے ساتھ بریانی بنا کر لائی تھیں۔

"میں نے تمہاری امی سے وعدہ کیا تھا کہ میں عشنا سے ملنے جاتی رہوں گی۔ مگر آ نہیں سکی۔ وہی اکیلا پن، مشکل سے گھر کا کام ختم ہوتا ہے۔ گھر میں ماسی بھی ہے پھر بھی سو کام خود نمٹانے پڑتے ہیں۔" خالہ بولیں۔

"خالہ! آپ فراز بھائی کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں۔ اچھا خاصا کما رہے ہیں۔" عشنا بولی۔

"بیٹی! کوئی لڑکی مجھ بڑھیا کو ساتھ رکھنے پر تیار نہیں، اگر شادی کر دوں تو خود کہاں جاؤں۔" وہ لاچاری سے بولیں۔

"میں نے جہاں بھی رشتے کی بات کی۔ لڑکی کے گھر والے میرے بارے میں سوال کرنے لگتے ہیں کہ میں کہاں رہوں گی۔"

"ہائیں، پاکستان میں بھی۔" دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ہاں تو اور کیا۔" وہ آزردگی سے بولیں۔ "اچھا چھوڑو، تم لوگ بریانی کھاؤ، ابھی گرم ہی ہے۔"

کھانے کے بعد عائزہ نے عبایا پہنا، کتابیں اٹھائیں اور جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

"اچھا، میں چلتی ہوں عشنا! خدا حافظ خالہ جان!" وہ عشنا کی خالہ کے سامنے جھکی، وہ اسے دعائیں دینے لگیں۔

☆☆☆

اس سہ پہر وہ گھر پہنچی تو اس بات سے مطمئن تھی کہ آج اسے نیچے جا کر کھانا کھانے کی ذلت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

عصر پڑھنے کے بعد اس نے فائل میں سے

www.pklibrary.com

چند اوراق نکالے اور تعلیمی اداروں میں ڈرگز کے بڑھتے ہوئے واقعات کے بارے میں لکھنے لگی۔

رات تک مضمون مکمل کر کے اور اسے مختلف اخبارات میں بھیج کر وہ خاصی ہلکی پھلکی ہو کر سوئی۔

اگلی صبح جاتے ہی اسے سر فیاض نے اپنے دفتر طلب کیا۔

"عائزہ! میں نے آپ سے کہا تھا کہ ایسے مسائل میں ہاتھ نہ ڈالیں۔ جن کے ذکر سے بڑے بڑے کانپتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ کام ان معمولی ورکروں کا ہے؟ نہیں، اس کے پیچھے بہت طاقت ور لوگ ہیں۔ جو راہ میں آئے کسی بھی انسان کو کچل سکتے ہیں۔

آپ ایک لڑکی ہیں۔ آپ گھر سے بس میں آتی اور جاتی ہیں۔ آپ کی حفاظت کون کرے گا۔" انہوں نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"میری حفاظت میرے اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔" وہ بے خوفی سے بولی۔

"ہمت اور جرأت اچھی چیز ہے مگر حد کے اندر، عورت کی کچھ حدود ہیں۔ جس کی پاس داری اس کے لیے لازمی ہے۔" وہ سختی سے بولے۔

"بہتر ہے، آئندہ سے آرٹیکل لکھ کر مجھے دکھا دیا کرو۔" انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

وہ کلاس روم میں آئی۔ تو روشنی اور کاظم شاہ اس کی سیٹ کے سامنے آ رکے۔

"واہ بھئی واہ، یہاں تو ایک زیرو زیرو سیون کرنل فریدی بیٹھا ہوا ہے۔" کاظم شاہ نے تالی بجاتے ہوئے کہا۔ "پاپڑ والے، بھٹے والے، کینٹین والے، باورچی اور بیرے..... ذرا یاد کرو عائزہ! کوئی رہ تو نہیں گیا۔"

"عائزہ! تم خود کیوں نہیں ان کی تلاشی لے لیتیں۔" روشنی نے قہقہہ لگایا۔

"سستی شہرت کے لیے ایسی بونگیاں مارنی بند کرو۔ ورنہ غریب لوگوں کے رزق پر لات مارو گی۔ تو وہ تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑیں گے۔" کاظم شاہ پھر بولا۔

"تم لوگوں کو کیا مسئلہ ہے۔ میں کچھ بھی لکھوں۔" اس نے روشنی کی طرف دیکھا۔

"ہم تمہیں بے موت مرتے نہیں دیکھنا چاہتے۔" وہ روشنی کو لیے آگے بڑھ گیا۔

"اس کی دم پر کیوں پاؤں آ گیا ہے۔" حشنا اس سے سرگوشی میں بولی۔

"اللہ جانے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

☆☆☆

وہ اس کی زندگی کے سب سے سیاہ دن تھے۔ گھر تھا مگر کوئی آسرا وسیلہ نہیں تھا۔ جس کی مدد سے وہ گھر حاصل کر لیتی۔ ماموں کے گھر میں وہ اچھوت بن کے رہ رہی تھی۔

اس سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ اور وہ خود بھی کسی کو دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ وہ سارے دن کی تھکی ہاری جوتیاں گھسیٹتی ماموں کے گھر میں داخل ہوتی اور اپنے کمرے میں گھس جاتی۔ کبھی کبھار نیچے اتر کے خود ہی اپنے لیے کچھ کھانے کو لے آتی۔ کبھی کبھار ماسی کچھ دے جاتی۔

ان ہی دنوں حالات سے تنگ آ کر اس نے صوفیہ کو لکھا کہ وہ مکان بیچنا چاہتی ہے۔ تاکہ اس کے ہاتھ میں چند پیسے آئیں۔ اور وہ اپنا کہیں ٹھکانا بنا لے۔

☆☆☆

دسمبر دیوں کی ایک اداس سی شام تھی۔ جب وہ اپنا آپ گھسیٹتی ہوئی ماموں کے بنگلے میں داخل ہوئی۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ چپ چاپ دبے قدموں اوپر اپنے کمرے میں جا رہی تھی جب صوفیہ کمرے سے نکلی۔

"صوفی!" وہ گرم جوشی سے بہن کی طرف بڑھی۔

"عائزہ! یہ تم نے کیا کیا۔" صوفیہ کے لہجے میں اس کے لیے پریشانی تھی۔

"آؤ، تمہارے کمرے میں چلتے ہیں۔" وہ

www.pklibrary.com

اسے لیے کمرے میں آ گئی۔

"عائزہ! اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو تو طارق ماموں اور فاخرہ ممانی کو صاف صاف بتا دو۔ وہ تمہارا وہیں رشتہ کر دیں گے جہاں تم چاہتی ہو۔ مگر ایسی حرکتیں کر کے خدا کے لیے میرا گھر برباد نہ کرو۔ تم جانتی ہو، تمہاری ایسی حرکتوں سے سسرال میں میری کتنی بے عزتی ہوئی ہے۔

"کیسی حرکتیں صوفیہ! کیا تم مجھے نہیں جانتیں۔ کیا ہم نے زندگی کے بے شمار دن اکٹھے نہیں گزارے۔ کیا تمہیں میرا کردار مشکوک لگتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میرے ڈپارٹمنٹ میں مجھ سے پہلے لوگ ابا کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ میری یونیورسٹی میں آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ مجھ سے فالتو بات بھی کر سکے۔ پھر تم کن حرکتوں کی بات کر رہی ہو۔" اس نے صوفیہ کو جھنجوڑ ڈالا۔

اور یہ جو کچھ ماموں اور ممانی کہتے پھر رہے ہیں؟" صوفیہ بولی۔

"وہ اپنی بیٹیوں کے کرتوت میرے سر منڈھ رہے ہیں، شاید وہ نہیں جانتے کہ جس نے کسی بھی بے گناہ کی کردار کشی کی۔ اس نے گویا اسے قتل کر دیا اور قتل کا بدلہ قتل ہے۔ میں نے اپنا مقدمہ اللہ کی عدالت میں داخل کر دیا ہے۔ اور فیصلہ اسی پر چھوڑ دیا ہے۔ تم گھر کی بات کرو۔ میں اسے بیچنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ جہاں میری کردار کشی کی جاتی ہو۔ اور جھوٹے بہتان لگائے جاتے ہوں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

صوفیہ نے دیکھا کہ معمولی کپڑوں میں ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ کتنی بے بس اور کمزور لگ رہی تھی۔ اس کی تھکی تھکی آنکھوں میں زندگی کی امنگیں کہیں دفن ہو گئی تھیں۔ وہ اتنی پریشان اور شکستہ حال لگ رہی تھی کہ صوفیہ اسے گلے سے لگا کر رونے لگی۔

"عائزہ! تم نے اپنے آپ کو یہ کیا کر لیا ہے۔ تمہاری صحت کتنی خراب ہو گئی ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گئی ہو۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"مکان کے کاغذات تو ہیں میرے پاس، اسی لاکر میں پڑے ہیں۔ جس میں امی کی چوڑیاں پڑی ہیں۔ مگر میں اسے بیچنا نہیں چاہتی کیونکہ گھر بک گیا تو میرے حصے کے سارے پیسے میرا خاوند ہتھیا لے گا۔ اور نشے میں ختم کر دے گا۔ تمہارا پہلا سال ختم ہونے والا ہے۔ جسے تیسے دوسرا سال ختم کر لو۔ پھر ان شاء اللہ دن پھر جائیں گے۔" صوفیہ نے اسے رسان سے سمجھایا۔

"مگر صوفیہ کیسے؟ پورا سال کیسے گزاروں، یہاں تو کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ کہاں سے کھاؤں۔ سو ضرورتیں ہوتی ہیں۔ کہاں سے پوری کروں۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ماموں سے کہو کہ وہ کرایہ ہم دونوں بہنوں کو دیں۔ تو میں ہوسٹل چلی جاؤں یہاں رہی تو نہ میں پڑھ سکوں گی اور نہ زندہ رہ پاؤں گی۔"

مگر صوفیہ سدا کی بزدل۔

"عائزہ! وہ نہیں مانیں گے۔ ممانی بار بار یہی کہتی ہیں کہ انہوں نے میری شادی پر بہت خرچ کیا ہے۔ اس لیے مکان کا کرایہ وہی قرض اتارنے میں خرچ ہو رہا ہے۔ وہ ہمیں کچھ نہیں دیں گے۔" صوفیہ مایوسی سے بولی۔

"آؤ نیچے۔ میں تمہارے لیے روٹی ڈالتی ہوں۔ کھانا کھا لو۔"

وہ دونوں بہنیں نیچے آئیں تو ممانی بھی باورچی خانے میں آ گئیں۔

"صوفیہ! اب تم اسے سمجھا کے جانا کہ ہمارے سر پر خاک نہ ڈالے۔ بہتر تو یہ ہے کہ تم اپنے اردگرد اس کے لیے کوئی رشتہ دیکھو۔ اور ہم اپنے فرض سے فارغ ہوں۔" فاخرہ ممانی بولیں۔

"میرے اردگرد کون سے رشتے ہیں۔" صوفیہ حیرانی سے بولی۔

"کیوں، رشتے کیوں نہیں ہیں۔ میرے چچا مشتاق کے تین بیٹے ہیں اور تینوں جوان اور کماؤ ہیں۔" ممانی بولیں۔

www.pklibrary.com

"مگر وہ تو سب کے سب میٹرک پاس بھی نہیں ہیں۔" صوفیہ حیرانی سے بولی۔

"تینوں کی اپنی اپنی دکان ہے۔"

"مگر ان پڑھ لڑکے کے ساتھ عائزہ کا گزارا کیسے ہوسکتا ہے۔" صوفیہ نے پوچھا۔

"جیسے تمہارا اظہر سے ہو رہا ہے، اپنے گھر میں خود مختار ہو۔ اپنی مرضی سے کھاتی پکاتی ہو اور کیا چاہیے۔"

عائزہ لاتعلق بنی چپ چاپ کھانا کھاتی رہی۔ مگر اس رات طارق ماموں کے آنے پر صوفیہ نے نا صرف انہیں اپنے گھر کے حالات بتا کر بلکہ عائزہ کی ضرورتوں کی فہرست سنا کر اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ ان دونوں کو ان کے گھر کے کرائے میں سے کچھ نہ کچھ تو ضرور دیں تاکہ وہ اپنی زندگی کی ضرورتیں پوری کرسکیں۔ طارق ماموں نے صوفیہ کو تو نہیں البتہ اسے پیسے دینے کی ہامی بھر لی۔

☆☆☆

دن یوں ہی سست روی سے بیت رہے تھے۔ وہ آنے والے وقت سے اگر پر امید نہیں تو نا امید بھی نہیں تھی۔ شاید وقت بدل جائے اور سکون کا کوئی لمحہ اس کے نصیب میں بھی آجائے۔

امتحان قریب تھے۔ وہ لائبریری سے کتابیں ایشو کروا کے گھر لوٹی تو دن ڈھل رہا تھا۔ آج اس کا پڑھنے کا موڈ ہو رہا تھا۔ وہ چاہ رہی تھی کہ وہ جلد از جلد گھر پہنچے اور نوٹس بنانے شروع کرے کہ وقت بہت کم رہ گیا تھا۔

وہ گھر کے قریب پہنچی تو اسے دور ہی سے ماسی آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ تیزی سے اردگرد دیکھتی ہوئی کہیں جا رہی تھی۔

"عائزہ بی بی! بات سنو۔" اسے دیکھتے ہی اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے واپس بس اسٹاپ کی طرف کھینچنے لگی۔

"کیا ہوا ماسی! کہاں جا رہی ہو۔ اور اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو۔" اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"فاخرہ بی بی اور سب طارق صاحب کے ساتھ کہیں گئے ہیں۔ گھر میں ان کے جانے کے بعد فاخرہ بی بی کے کوئی رشتہ دار آئے بیٹھے ہیں۔ دو جوان لڑکے اور ایک ادھیڑ عمر آدمی ہے۔ وہ بار بار تمہارا پوچھ رہے ہیں۔" وہ پریشانی سے بولی۔

"بی بی! آج تم گھر نہیں آؤ۔ کسی سہیلی کے گھر یا کہیں بھی چلی جاؤ۔ مجھے وہ اچھے لوگ نہیں لگ رہے۔ بس آج تم واپس اپنی یونیورسٹی چلی جاؤ۔" ماسی نے اس کے ساتھ تیز تیز چلتے ہوئے کہا۔

"مگر طارق ماموں اور مامی گئے کہاں ہیں، کیا پتا وہ ابھی آجائیں۔" اس نے ماسی سے پوچھا۔

"نہیں، فاخرہ بی بی نے مجھے چھٹی دے دی ہے۔ وہ کل شام سے پہلے نہیں آئیں گے۔ شاید اپنی بہن کے گھر گئے ہیں وہ سب۔"

"یا اللہ میں کیا کروں، پہلے جب بھی وہ کہیں جاتے تھے تو شام کو لوٹ آتے اور ماسی تو مستقل وہیں رہتی تھی۔ آج یہ کیا ہوا کہ بغیر بتائے ہی چلے گئے اور ماسی کو بھی چھٹی دے دی۔ فاخرہ ممانی آخر اس کے ساتھ کرنا کیا چاہتی ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لاہور کالج کے مین گیٹ کے قریب پہنچ گئی۔ پتا نہیں یہاں سے یونیورسٹی جانے کے لیے بس ملے گی یا نہیں۔ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر یونیورسٹی کی بس نہ بھی ملی تو وہ لبرٹی جانے والی بس میں بیٹھ جائے گی اور یونیورسٹی کے اسٹاپ سے رکشہ لے لے گی۔ نہ جانے آنے والا کل کیا لے کر آرہا ہے۔ میرے رب میں اتنی سی لڑکی اور اتنی بڑی بڑی آزمائشیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

وہ بے خیالی میں جدھر سے بس کے آنے کی امید تھی ادھر دیکھے جا رہی تھی۔ جب کوئی اچانک اس کے پاس آکر ٹھہر گیا۔

"عائزہ!" کسی نے اسے آواز دی۔ مگر وہ جانے کن خیالوں میں تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا۔

"عائزہ!" اس دفعہ کوئی زور سے اس کے

www.pklibrary.com

کانوں کے پاس بولا۔

"جی!" مارے ڈر کے وہ اچھل پڑی۔

"آپ....." اس نے حیرانی سے آنے والے کو دیکھا۔

"ہاں میں۔ مگر تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"مجھے یونیورسٹی میں کام ہے۔ وہیں جا رہی ہوں۔" اس نے بتایا۔ "پھوپھو کیسی ہیں عمر بھائی؟" اس نے پوچھا۔

"آؤ بیٹھو۔" عمر نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اور وہ چپ چاپ اس میں بیٹھ گئی۔

"امی کئی دن سے کہہ رہی تھیں کہ تمہیں ایک دو دنوں کے لیے تمہارے ماموں کے گھر سے لے آؤں۔ مگر وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ اچھا ہوا تم راستے میں ہی مل گئیں۔ ورنہ تمہاری ممانی کی باتیں کون سنتا۔ اب اس وقت تو تم میرے ساتھ گھر چلو۔ یونیورسٹی کا کام کل کر لینا۔" عمر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بھی تیار ہو گئی۔ کم از کم پھوپھو کی گواہی تو مانی جائے گی۔

پھوپھو اسے دیر تک گلے سے لگائے روتی رہیں اس کی اجڑی صورت، معمولی کپڑے، اس کا ہڈیوں کا ڈھانچا جسم انہیں حالات سے آگاہ کر رہا تھا۔

"میرے بھائی کو اپنی بیٹیاں کتنی پیاری تھیں۔ مگر کیسے رل گئیں۔" بار بار ان کی آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے۔

"تم اس وقت یونیورسٹی کیوں جا رہی تھیں اور واپس پھر اکیلے کس وقت آتیں۔" پھوپھو تشویش سے بولیں۔

"پھوپھو! ماموں اپنی فیملی کو لے کر شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ مجھے انہوں نے صبح نہیں بتایا۔ انہوں نے ماسی کو بھی چھٹی دے دی تو میں بھلا اکیلی کیسے گھر میں رہتی۔ اس لیے میں واپس یونیورسٹی اپنی سہیلی کے پاس جا رہی تھی۔" اس نے انہیں تفصیل سے بتایا۔ مگر گھر آئے بیٹھے مردوں کی بات گول کر گئی۔

"میں ابھی تمہارے ماموں سے حساب لیتی ہوں۔ میرے بھائی کی بچیوں کی اگر ذمہ داری اٹھائی تھی تو پوری بھی کرتا۔"

پھوپھو نے ماموں کو فون کیا۔ تو پھر کوئی لحاظ نہیں رکھا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھیں۔ "تم میری بھتیجی کو لاوارثوں کی طرح سڑک پر پھینک کر چلے گئے۔"

طارق ماموں کو فاخرہ ممانی کے بہانوں کی خبر نہیں تھی۔ نہ ہی انہیں یہ پتا تھا کہ ماسی کو بھی چھٹی دے دی گئی تھی۔ وہ شاید زندگی میں پہلی بار شرمندہ ہوئے تھے۔

رات کے کھانے پر پھوپھا اور عمر بھی موجود تھے۔ پھوپھا کھانے کے بعد جلد ہی سونے کے لیے چلے گئے۔ پھوپھو بھی اپنی نماز کی ادائی کے لیے جلد ہی چلی گئیں اور وہ جو پڑھائی کے لیے سکون چاہ رہی تھی۔ وہ بھی چپ چاپ پھوپھو کے کمرے میں کتابیں کھول کے بیٹھ گئی۔

"امی!" عمر باہر سے آواز دیتا ہوا اندر آ گیا۔

"پھوپھو نماز پڑھ رہی ہیں۔" اس نے بتایا۔

"میں نے تمہارا ڈرگز کے حوالے سے لکھا ہوا مضمون پڑھا تھا۔" وہ شاید ہلکا سا مسکرایا تھا یا اسے یونہی وہم سا ہوا تھا۔

وہ چند لمحے یونہی دم سادھے بیٹھی رہی۔ شاید وہ کچھ بولے۔ شاید اسے اچھا لگا ہو۔ یا شاید اسے وہ بہت ہی بچکانہ لگا ہو۔ کچھ تو کہے۔

"تو!" اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو یہ کہ یہ اتنا معمولی کام نہیں ہے۔ اس کی جڑیں بہت نیچے تک جاتی ہیں۔ اس میں بڑے طاقت ور لوگ ملوث ہیں۔ جن تک آپ پہنچ بھی جائیں تو ان پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہوتا ہے۔ تمہارے کالم نے جہاں والدین کو چوکنا کیا۔ وہیں ڈرگز مافیا کو بھی چوکنا کر دیا۔ مجھے تمہاری طرف سے کافی دن

www.pklibrary.com

پریشانی رہی۔ میں ایک دو دفعہ تمہاری یونیورسٹی میں تمہیں دیکھنے گیا بھی۔ مگر تم سے ملنا مناسب نہیں لگا۔" وہ اپنے اسی اکھڑ لہجے میں بول رہا تھا۔

"آپ کو میری وجہ سے پریشانی رہی؟" وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوئی۔ "میری وجہ سے کیوں؟" وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم میری امی کی سگی بھتیجی ہو۔ میرے اکلوتے ماموں کی بیٹی تو اگر تمہارے ساتھ کچھ برا ہوتا ہے تو ظاہر ہے امی کو تکلیف پہنچے گی۔ امی کو تکلیف سے بچانے کے لیے مجھے تمہاری خیریت درکار تھی۔" وہ اپنی بات ختم کر کے جا چکا تھا۔ مگر وہ ابھی تک چوکھٹ کو گھورے جا رہی تھی۔ جہاں وہ کھڑا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ اسے یونیورسٹی چھوڑنے جا رہا تھا۔ اس کے ڈپارٹمنٹ کے قریب گاڑی روکتے ہوئے اس نے سرسری سا پوچھا۔

"کاظم شاہ کو جانتی ہو۔"

"میری کلاس میں ہے۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" وہ گاڑی کا دروازہ تھامے کھڑی تھی۔

"اب تم جاؤ پھر بھی بتاؤں گا۔" اس کے دروازہ بند کرتے ہی وہ گاڑی اڑا لے گیا۔

"پھوپھو بتا رہی تھیں کہ یہ بھی کسی چینل کے لیے کام کرتا ہے کبھی کسی چینل پر دیکھا تو نہیں۔"

"واہ جیسے ہر وقت چینلز ہی سرچ کر رہی ہوتی ہو۔" اس کے دماغ نے اسے گھر کا۔ "تمہیں کیا پتا آج کل میڈیا میں کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے۔ تمہارے کمرے میں تو معمولی سا ٹی وی بھی نہیں۔" وہ اپنے آپ پر ہنسی۔

اس نے کلاس میں آ کر عشنا کو ساری داستان سنائی۔

"میں تو تمہارے پاس آ رہی تھی مگر پھر عمر بھائی مل گئے تو میں پھوپھو کے گھر چلی گئی۔" وہ بات عشنا سے کر رہی تھی۔ مگر بے خیالی میں آنے والے اسٹوڈنٹس کو دیکھے جا رہی تھی۔

تب ہی اس نے روشنی کو اندر آتے دیکھا۔ اس نے دور تک پیچھے نظریں دوڑائیں۔ مگر کاظم شاہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ شاید آج آیا ہی نہیں تھا۔

"عائزہ! تمہیں پتا ہے روشنی بجھنے کو ہے۔" عشنا اس کی طرف جھکی۔

"کیا مطلب؟" وہ بھی سرگوشی میں بولی۔

"کاظم شاہ کو کوئی نیا شکار مل گیا ہے اور آج کل وہ اس کے ساتھ ہے۔" عشنا بولی۔

"بھاڑ میں جائیں ہمیں کیا۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "مجھے تو آج کل امتحانوں کی فکر ہو رہی ہے کل کتابیں ایشو کروائی تھیں۔ نوٹس بنانے کے لیے رات کو کھول کے بیٹھی تو پھوپھو آ گئیں۔ اور پھر کہاں کی پڑھائی اور کون سے نوٹس، آج پھر کوشش کروں گی کچھ پڑھنے کی۔" وہ بولی۔

اور عشنا جانتی تھی کہ وہ ہر چیز کو سر پر سوار کر لیتی ہے۔ خاص طور سے امتحانوں کو۔

☆☆☆

اس سہ پہر وہ بس سے اتر کے بے دھیانی میں جانے کیا کیا سوچتی فٹ پاتھ پر چلی جا رہی تھی۔ جب اس کے پاس سے ایک کالے رنگ کی گاڑی زن سے گزری۔ جانے کیوں اسے لگا کہ اس میں زوبیہ ہے۔ وہ گھر کے قریب ہی تھی۔

اس نے گاڑی کو ماموں کے گھر کے گیٹ پر رکتے اور زوبیہ کو اترتے دیکھا۔ اس نے جان بوجھ کے اپنی رفتار کم کر لی کہ زوبیہ اندر چلی جائے تو پھر وہ داخل ہو۔

وہ گھر پہنچی تو زوبیہ اور حنا داخلی دروازے کے قریب ہی کھڑی کسی بات پر قہقہے لگا رہی تھیں۔ چھوٹی سبین اور شرجیل سامنے ہی بیڈمنٹن کھیل رہے تھے۔

"ہائے عائزہ! تمہارے کندھے نہیں تھکتے اس عبایا کے بوجھ کو اٹھائے۔ کیسے لادے پھرتی ہو۔" حنا بولی۔

"بھئی، اس سے پارسائی کا ڈھونگ اچھا رچایا جا سکتا ہے۔ سمجھا کرو بات کو۔" زوبیہ بولی۔

www.pklibrary.com

"یہ میرے خالق کا حکم ہے میرے لیے۔ یہ میرے لیے بوجھ نہیں بلکہ یہ میرے گرد حصار قائم رکھتا ہے۔ اور بہت سی گندی نظروں سے مجھے بچائے رکھتا ہے۔ باقی دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔" اس نے اپنے کمرے میں جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"اور تم لوگوں کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ میرے منہ نہ لگو ورنہ سب کی پارسائی میری نظروں میں ہے۔" وہ تیزی سے کہہ کر چلی گئی۔

پیچھے فاخرہ ممانی اپنی دونوں بیٹیوں کے ہمراہ اسے برا بھلا کہنے میں جت گئیں۔ مگر اس نے اپنے کان بند کر لیے تھے۔

☆☆☆

امتحان آئے اور گزر گئے زندگی کا ایک سال ختم ہوا۔ مگر عائزہ کے لیے وہ سال کئی سالوں پر بھاری تھا۔ زندگی کی ایسی قیمت بھی چکانا پڑے گی۔ اس نے یہ سوچا نہ تھا۔

کئی دفعہ ایسا لگتا جیسے فاخرہ ممانی اسے نیست و نابود کر دینا چاہتی ہیں۔ جانے یہ کیسی نفرت تھی۔ جو کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ صوفیہ کی زندگی وہ برباد کر چکی تھیں اور اب اس کے درپے تھیں کہ اسے بھی اپنے کسی ان پڑھ رشتے دار کے ساتھ بیاہ کے فارغ ہوں۔ اپنی بیٹیوں کے لیے جانے کن راجوں مہاراجوں کے خواب دیکھ رہی تھیں۔

گرمی حد سے سوا تھی اور اوپر سے بجلی غائب۔ وہ ابھی ابھی شاور لے کر نکلی تھی اور اب پھر کپڑے پسینے سے چپک گئے تھے۔ وہ فریج سے پانی کی بوتل لینے جا رہی تھی۔ جب اپنا ذکر سن کر اس کے قدم وہیں رک گئے۔

"نہ بہن! نہ ہم اس کی کوئی گارنٹی نہیں دیتے۔ شروع میں تو لڑکے گھر تک پہنچ جاتے تھے پھر ماموں کے ڈر سے اب سارے معاملات باہر ہی طے ہوتے ہیں۔ اکثر گھر کے نمبر پر فون آتے ہیں۔ ہم اٹھائیں تو آگے سے گونگے بہرے بن جاتے ہیں۔ ہم نے اللہ واسطے دونوں بہنوں کو پناہ دی۔ بڑی کو عزت سے دے دلا کر [illegible] گی۔ جانے کس کس کو پیچھے لگایا ہوا ہے۔"

ممانی جانے کس کے سامنے اسے رسوا کر رہی تھیں۔ دروازے کا پٹ نیم وا تھا۔ اس نے سامنے بیٹھی بزرگ عورت کو غور سے دیکھا۔ ان کو میں نے کہاں دیکھا تھا۔ اس نے ذہن پر زور دیا۔ اور ان کے سامنے میرے اوپر بہتان بازی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

وہ واپس پلٹ رہی تھی۔ جب اس نے سنا۔

"میرا تو ایک ہی ایک بیٹا ہے۔ ماڈل ٹاؤن میں اپنا گھر ہے۔ بیٹا وائپڈا میں ایس ڈی او ہے۔ مجھے تو یہ بچی بہت پسند آئی تھی۔ میں نے اسے اپنی بھانجی کے ساتھ یونیورسٹی کے ہاسٹل میں دیکھا تھا۔" وہ خاتون آزردگی سے بول رہی تھیں۔

"کیا کہہ سکتے ہیں۔ صورت مومناں کرتوت کافراں۔" فاخرہ ممانی بولیں۔ "ویسے اس گھر میں اور بھی بچیاں ہیں۔"

اوہ تو یہ عشنا کی خالہ تھیں۔ مگر وہ یہاں تک کیسے پہنچیں۔ کم از کم عشنا کو مجھے تو بتانا چاہیے تھا۔ وہ مارے کوفت اور غصے کے کمرے میں چکر لگانے لگی۔

یا اللہ رحم فرما۔ میں کیسے اپنا دفاع کروں۔

☆☆☆

یونیورسٹی دوبارہ کھلی تو اس نے سکھ کا سانس لیا کہ اس گھر میں اس کا دم گھٹتا تھا۔ سر فیاض کا خیال تھا کہ کلاس کے ایک گروپ کو ایسے خانہ بدوش قبیلے کا سروے کرنا چاہیے۔ جو ہر کچھ دنوں کے بعد اپنا ٹھکانا بدل لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ڈاکیومنٹری بننی چاہیے۔ تاکہ لوگ ان کے بارے میں بھی جان سکیں۔

آج کل ان میں سے بہت سارے راوی کے پل کے اردگرد اپنی جھونپڑیاں ڈالے پڑے تھے۔ جن طالب علموں نے ان کے بارے میں جاننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ کل سات تھے۔ تین لڑکیاں اور چار لڑکے..... لڑکیوں میں عائزہ تھی۔ تو عشنا بھی

www.pklibrary.com

لازمی تھی۔ مگر تیسری لڑکی روشنی تھی۔ جبکہ اس کے ساتھ کا ظم شاہ نہیں تھا۔

اس دن، وہ صبح یونیورسٹی بس پر ان کی جھگیوں میں پہنچے تو لوگ ابھی کام کاج کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ عائزہ اور عشنا کا خیال تھا کہ وہ خواتین سے ان کے رہن سہن اور رسم و رواج کے بارے میں پوچھیں گی اور لڑکے آدمیوں سے معلومات لیں گے اور بعد میں ڈاکیومنٹری بنائی جائے گی۔

روشنی بجائے عائزہ اور عشنا کا ساتھ دینے کے لڑکوں کے ساتھ ہی بیٹھی اور ان کے ساتھ ہی آگے آگے چلنے لگی۔ جلد ہی ان کے اردگرد لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ لڑکے ان سے مختلف سوال کرنے لگے۔ تب ہی ایک بوڑھے نے ایک لڑکے کو دوڑایا کہ "جاؤ سورج کو بلا لاؤ۔"

"سورج نیچے زمین پر کیسے آئے گا۔" ایک لڑکا بولا۔

"بیٹا! ہمارے نام بھی ہماری طرح کے ہوتے ہیں۔ وہ بھی تمہاری طرح ہوشیار، چالاک ہے۔ اس لیے اسے بلوایا ہے۔"

وہ اور عشنا ایک چھپر کٹ کے نیچے جھلنگا سی چارپائی پر بیٹھی اپنے اردگرد اڑتی مکھیوں اور پھوڑوں سے بھرے جسم والے ننگے اور گندے بچوں کے جسموں سے چمٹی ہوئی مکھیوں کو دیکھ کے گھبرا رہی تھیں۔

جہاں وہ بیٹھی تھیں۔ ان کے دونوں طرف جھونپڑیاں تھیں اور درمیان میں خالی جگہ پر کچی نالی تھی۔ جس میں کالا سیاہ پانی اور گندگی بہہ رہی تھی۔ انہوں نے دور سے آتے اس صاف ستھرے حلیے والے لڑکے کو دیکھا۔ جو پینٹ قمیص اور جوتے پہنے ہوئے جھگی والا تو کہیں سے نہیں لگ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے پاس آ ٹھہرا۔

"لو باؤ جی! اب جو پوچھنا ہے۔ سورج سے پوچھ لو۔" بوڑھا بولا۔

اس نے آ کر سامنے کھڑے لڑکے سے ہاتھ ملایا۔ مگر جونہی وہ پلٹا اور اس کی نظر روشنی پر پڑی تو وہ ایک دم گھبرا گیا۔

"آپ لوگ کون ہیں۔ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ مجھے کچھ نہیں پتا، میں کچھ نہیں جانتا آپ یہ کن لوگوں کو لے کر آ گئی ہیں۔ میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا تھا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ ہکلا رہا تھا۔

وہ دونوں بری طرح چونکیں۔ جب کہ لڑکے بھی حیران پریشان کھڑے تھے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ روشنی کا اس لڑکے سے کیا تعلق ہے۔

"سورج! ہم ماس کمیونیکیشن یا آسان لفظوں میں جرنلزم پڑھ رہے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ جو کہیں ایک جگہ بسیرا نہیں کرتے۔ ان کے بچے اسکول نہیں جاتے۔ ان کے شناختی کارڈ تک نہیں بنتے۔ وہ ریاست کے اندر رہتے ہوئے بھی ریاست کے شہری نہیں کہلاتے۔" لڑکوں میں سے ایک نے اسے بتایا۔

"بس ہم صدیوں سے ایسے ہی رہتے آئے ہیں اور ایسے ہی رہیں گے۔ مجھے اور کچھ نہیں پتا، اس لیے اجازت دیں۔"

"تو تم یہاں رہتے ہو سکندر؟" روشنی اسے کڑے تیوروں سے گھور رہی تھی۔

"کون ہے یہ؟" ان کی کلاس کے ارسلان نے پوچھا۔

"اسی سے پوچھ لو۔ مجھے کیا پتا۔" اچانک وہ لڑکا ان کا دائرہ توڑتا بھاگ نکلا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا، میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ زور زور سے بول رہا تھا۔

اچانک عائزہ اور عشنا کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ عورتیں انہیں نفرت سے گھور رہی تھیں۔ جیسے وہ یہاں کسی کی جاسوسی کے لیے آئی ہوں۔ اور پھر وہ سب ایک ایک کر کے وہاں سے کھسک گئیں۔ مرد بھی انہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور اب کوئی بھی ان سے بات کرنے یا انہیں کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں تھا۔

www.pklibrary.com

"یہ مصیبت کیوں ہمارے ساتھ چل پڑی تھی۔" عشنا بولی۔

"مگر یہ اس لڑکے سورج کو کیسے جانتی ہے اور وہ اس کو دیکھ کے گھبرا کیوں گیا تھا۔" عائزہ ابھی تک اسی میں الجھی ہوئی تھی۔

"چلو واپس چلتے ہیں۔" لڑکے بھی واپس آ رہے تھے۔

"تم اس لڑکے کو کیسے جانتی ہو روشنی؟" عائزہ نے دل کڑا کر کے پوچھ لیا۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان بول چال بند تھی۔

"اگرچہ میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں مگر صرف اس لیے تم کہیں اس پر بھی ایک آرٹیکل نہ لکھ مارو، میرے جیسی لڑکی کو ہیروئن اور وہ جھونپڑیوں والا لڑکا ہیرو بنا کے پیش کر دو۔ خاطر جمع رکھو کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ ہمارے گھر نوکری کے لیے آیا تھا۔ مجھ سے ایڈوانس بھی لے گیا۔ مگر واپس نہیں کیا۔ میرے پاس اس کے گھر کا ایڈریس نہیں تھا اس لیے اسے ڈھونڈ نہیں سکی۔ آج اچانک مل گیا تو بس یہ بات تھی۔ ہو گیا تجسس ختم۔" روشنی نے ہاتھ جھاڑے۔

انہوں نے واپس آ کر سر فیاض کو ساری صورت حال بتائی۔ جبکہ سارے طالب علموں کا خیال تھا۔ کہ یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں جتنا روشنی بتا رہی تھی۔

☆☆☆

اس واقعہ کے چند دن بعد لائبریری میں نوٹس بنانے کی کوشش میں ہلکان ہوتی عائزہ نے جونہی کتاب سے نظر اٹھائی سامنے کھڑے عمر کو دیکھ کر چونک گئی۔

"پارکنگ میں آ جاؤ، بات کرنی ہے۔" وہ سرگوشی میں بولا۔ اور اڑن چھو ہو گیا۔

وہ کتابیں اور کاغذات سمیٹتی سیڑھیاں اتر کے پارکنگ میں پہنچی تو عمر اپنی گاڑی کا بونٹ کھولے بظاہر اسے ٹھیک کرنے کی کوششوں میں تھا۔

"جی کہیے۔" وہ اس کے پاس آ رکی۔ "پھوپھو نے بلایا ہے؟"

"نہیں، آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں یہاں بات کرنا مناسب نہیں۔" اس نے اس کے لیے دروازہ کھولا۔ تو وہ چپ چاپ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"تم خانہ بدوشوں کی جھگیوں میں کیا کرنے گئی تھیں؟" گاڑی یونیورسٹی سے جونہی نکلی تفتیش کا آغاز ہوا۔

"جھگیوں میں؟ مگر آپ کو کیسے پتا چلا۔" عائزہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"میں نے تم لوگوں کو وہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔" وہ بولا۔

اس کا بڑا دل چاہا کہ وہ پوچھے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا مگر اس کی غصیلی اور بدلحاظ طبیعت کی وجہ سے وہ چپ رہی۔

"تم نے بتایا نہیں تم لوگ وہاں کیا کرنے گئے تھے۔" عمر نے پھر پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ ہم ان کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ سر فیاض کا خیال تھا۔ کہ ہم لوگ ان پر ایک ڈاکیومنٹری بنائیں۔" اس نے بتایا۔

"تم لوگوں کے ساتھ سر فیاض کیوں نہیں گئے۔ جبکہ ایسی جگہوں پر اگر طالبات کو بھیجا جائے۔ تو استاد ساتھ جاتے ہیں۔" وہ بولا۔

"پتا نہیں وہ جانے والے تھے۔ مگر عین وقت پر انہیں کہیں اور جانا پڑا۔ ہمارا چونکہ پروگرام طے تھا۔ اس لیے ہم لوگ چلے گئے۔" اس نے بتایا۔

"پھر تم لوگ اتنی جلدی واپس کیسے آ گئے۔" عمر نے پوچھا۔

تب عائزہ نے اسے روشنی اور اس لڑکے سورج جسے روشنی سکندر کہہ رہی تھی والا سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"ہوں۔" اس کی ہوں کافی لمبی تھی۔

اس نے گاڑی چورنگی پر روک دی۔ ہاتھ سے رکشے کو اشارہ کیا اور اسے رکشے میں بٹھا کر یہ جا وہ جا۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

آج کل گھر میں بظاہر سکون تھا۔ زوبیہ اور حنا کالج کے بعد بھی دیر تک کالج میں ہی رہتیں۔ بقول ممانی کے بڑی کلاس ہے۔ اس لیے وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر پڑھتی ہیں۔ وہ اکثر شام میں لوٹتیں اور پھر سارا وقت فون کے ساتھ چپکی رہتیں۔

گرمیوں کا آغاز تھا۔ مگر ابھی سے سورج نے آگ اگلنی شروع کردی تھی۔ وہ ماتھے سے پسینہ صاف کرتی جوں ہی کلاس روم میں پہنچی۔ ایک انوکھی خبر اس کی منتظر تھی، لڑکے اور لڑکیاں سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔ عشنا نے اسے بتایا کہ کاظم شاہ اپنی نئی گرل فرینڈ کے ساتھ نہر میں کشتی چلا رہا تھا۔ جب روشنی بھی اپنی کشتی پر ان کے قریب پہنچ گئی اس نے ان کی کشتی پر کود کر کاظم کی دوست کو زدوکوب کیا اور اسے بالوں سے پکڑ کے نہر میں پھینکنے کی کوشش کرنے لگی۔

کاظم شاہ اس کی مدد کو آیا۔ اور اسی لڑائی اور دھکم پیل میں روشنی اس لڑکی کو نہر میں پھینکنے میں کامیاب ہوگئی۔ کشتی بھی بری طرح ڈگمگا رہی تھی۔ بہت مشکل سے کاظم نے نہر میں کود کر اس لڑکی کی جان بچائی جب کہ روشنی اور کاظم ایک دوسرے کو دھمکیاں دیتے رہے۔

روشنی چیخ رہی تھی کہ وہ اس کے راز افشا کردے گی اور کاظم اس کو دھمکیاں دے رہا تھا۔ کہ وہ اسے کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔" عشنا نے بتایا۔

"چلو دفع کرو۔ برائی کا برا انجام۔ آج کل علیزے ان کے ساتھ نظر نہیں آرہی۔" عائزہ نے پوچھا۔

"نہ صرف ان کے ساتھ نظر نہیں آرہی۔ بلکہ میں نے تو اسے کافی دن سے ہاسٹل میں بھی نہیں دیکھا میرا خیال ہے۔ تیسرے سمسٹر میں وہ آئی ہی نہیں۔ اس کی حرکتیں تھیں بھی پراسرار۔"

"عشنا! میں تو حیران ہوں۔ کیا ان کے کرتوتوں کی ان کے گھر والوں کو خبر نہیں ہوتی۔ جوان لڑکیاں گھروں سے کئی کئی دن باہر رہیں تو گھر والے کیسے چین سے سو سکتے ہیں۔ اور پھر سرِعام کسی لڑکے کی وجہ سے مارکٹائی اور جھگڑا۔ کیا ان لڑکیوں میں عزت نفس یا شرم حیا نہیں ہوتی۔" عائزہ پریشانی سے بولی۔

"بس الٹی گنگا بہہ رہی ہے جو نہ کریں، ان پر الزام اور جو مجرم ہوں وہ بری۔" عشنا بولی۔

"عائزہ! میں تم سے شرمندہ ہوں، میری خالہ بغیر مجھے بتائے تمہارے ماموں کے گھر پہنچ گئیں۔"

"اور پھر میری ممانی نے میرے کردار کی جو دھجیاں اڑائیں تو کان لپیٹ کے واپس آگئیں۔" عائزہ تلخی سے بولی۔

"نہیں، بلکہ انہوں نے تو اپنی بیٹیاں بھی دکھائی تھیں۔ مگر خالہ کو وہ پسند نہیں آئیں۔" عشنا بولی۔

کلاس شروع ہوچکی تھی۔ کاظم شاہ اور روشنی آگے پیچھے کلاس میں داخل ہوئے۔ اور اپنی اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

"سر! کل نہر میں بڑی زبردست شوٹنگ ہو رہی تھی۔ ہیرو کے لیے ہیروئن اور اس کی رقیب کے درمیان زبردست فائٹ ہوئی۔" ان کی کلاس کا باسط بولا۔ جو ہر لڑائی میں کودنے کا شوقین تھا۔

"پلیز، فضول باتیں نہیں۔" سر سنجیدگی سے بولے۔ جبکہ لڑکے اور لڑکیاں معنی خیز نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تم باہر نکلو، میں تمہیں دیکھتا ہوں۔" کاظم شاہ غصے سے بولا۔

"کیوں تم ہیرو کے ماموں لگتے ہو۔ تمہیں کس بات پر غصہ آرہا ہے؟" باسط ہنستے ہوئے بولا۔

اور اس سے پہلے کہ کلاس میں دنگل شروع ہوجاتا۔ سر نے باسط کو کلاس سے باہر نکال دیا۔

☆☆☆

عجیب سنسنی خیز سے دن تھے۔ ہر روز کوئی نیا واقعہ ہوجاتا۔ وہ جتنا پڑھنے کی کوشش کرتی، ذہن اتنا ہی منتشر رہتا۔

اس دن یونیورسٹی میں دو گروہوں کے درمیان

www.pklibrary.com

معمولی بات پر لڑائی شروع ہوئی۔ جو بڑھتے بڑھتے فائرنگ تک پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ جانے والی سب لڑکیاں یونیورسٹی سے جلد از جلد نکلنا چاہتی تھیں۔ وہ بھی نہ چاہتے ہوئے ان سب کے ساتھ بس میں سوار ہوگئی۔ ایک کھلی اور آزاد فضا سے واپس کال کوٹھڑی میں جانا کتنا مشکل ہے۔ یہ وہی جانتی تھی۔ وہ بے دلی سے طارق ماموں کے گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ وہ چپ چاپ اوپر اپنے ٹھکانے پر پہنچنا چاہ رہی تھی۔ مگر جانے کیسے فاخرہ ممانی کو اس کے آنے کی خبر ہوگئی۔

"آ گئیں مہارانی۔" وہ طنزیہ بولیں۔ "آج جلدی کیسے تشریف آوری ہوگئی۔ بھئی تم تو ایسے اس گھر میں رہتی ہو، جیسے لوگ فائیو اسٹار ہوٹل میں رہتے ہیں۔ گھر والوں سے تعلق نہ واسطہ مگر کھانا وقت پر چاہیے۔ آج کچھ مہمان ہیں گھر میں، اس لیے میرے ساتھ آ کر کچن میں کام کرواؤ۔ آج ماسی بیمار ہے۔"

وہ اس پر طنز کے تیر چلا کر واپس مہمانوں کے پاس چلی گئیں۔

وہ جب کپڑے بدل کے نیچے آئی تو ڈھیروں جھوٹے برتن پڑے تھے۔ کھانا پکانا تھا۔ اس نے جلدی جلدی برتن دھوئے اور اس انتظار میں کھڑی ہوگئی کہ ممانی آئیں اور بتائیں کہ کیا پکانا ہے۔

"اچھا تو مہارانی ادھر کھڑی ہیں۔ اتنا نہیں ہوسکا کہ آ کر پوچھ لو کہ کیا بنانا ہے۔"

ممانی نے فریزر سے گوشت اور مرغی نکال کے اس کے سامنے پٹخا۔

"گوشت کا قورمہ بنے گا۔ اور مرغی کا پلاؤ بنالو۔" وہ آرڈر دے کر چلتی بنیں۔ وہ کام سے نہیں گھبراتی تھی۔ بلکہ کھانا پکانے میں وہ خاصی ماہر تھی۔ چاولوں کو دم دے کر اور قورمے کا چولہا بند کر کے وہ فارغ ہوئی تو سلاد کاٹنے لگی۔ ممانی کافی دیر کے بعد کچن میں آئیں۔ کھانا پکا ہوا دیکھ کر مطمئن ہوگئیں۔

"میں روٹیاں ڈالتی ہوں۔ تب تک تم مہمانوں کو کچھ ٹھنڈا دے آؤ۔" ممانی نرم لہجے میں بولیں۔

"میں۔" اس نے حیرانی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ممانی کے رشتہ داروں کے سامنے وہ کم ہی جاتی تھی۔ اسے ممانی کی بدفطرتی کا چونکہ اچھی طرح اندازہ تھا اس لیے ان کے رشتے داروں سے وہ دور ہی رہتی۔

"روٹیاں میں ڈال لیتی ہوں۔ آپ اپنے مہمانوں کے لیے جو لے کر جانا ہے۔ خود لے جائیں۔" اس نے آرام سے کہا۔

"اچھا تو تمہاری نظر میں میرے رشتے دار غنڈے، بدمعاش ہیں وہ ان سارے لڑکوں سے بھی گئے گزرے ہیں جن کے ساتھ تم سارا دن گزار کے آتی ہو۔ کیا سمجھتی ہو، تم اپنے آپ کو۔" ممانی اس کے سر بالوں کو آئیں۔

"میرا میکہ تمہاری بہن کا سسرال ہے۔ اسی کا کچھ خیال کرلو۔" ممانی نے دو گلاسوں میں جوس نکال کر ٹرے اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ممانی کی بات نہ مانی تو ممانی اپنے رشتے داروں کے سامنے اس کے وہ لتے لیں گی کہ اسے کہیں چھپنے کو جگہ نہیں ملے گی۔

گھر میں ممانی اور ان کے رشتہ دار تھے۔ آج ماسی بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنا بڑا سا دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا اور ٹرے اٹھا کے لاؤنج میں چلی گئی۔

سلام کے بعد اس نے نظریں اٹھائے بغیر ٹرے آگے کی تو سامنے بیٹھے مرد نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"ماشاء اللہ جیسا سنا تھا، ویسا پایا۔" اس نے ٹرے میں سے گلاس اٹھانے کے بہانے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔

"آؤ بیٹھو۔ ہمارے ساتھ....."

"نہیں۔ مجھے کچن میں کام ہے۔" وہ ٹرے رکھ کے جانے لگی تو اس نے اس کے سامنے ٹانگ کردی۔ عائزہ گرتے گرتے بچی، باہر نکل آئی۔

"اتنی جلدی کیا ہے سرور! یہ بھی ادھر ہے اور ہم بھی ادھر۔ بس چند گھنٹے اور....." اس نے ان کی مکروہ

www.pklibrary.com

ہنسی کی آواز سنی۔

وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اوپر اپنے کمرے میں بھاگی۔

"یا اللہ تو رحمان اور رحیم ہے۔ اس گھر میں میری عزت محفوظ رکھ۔" اس نے جھولی پھیلائی۔ ماموں جانے کب آئیں، اس نے کمرے کی کنڈی لگائی اور دھڑکتے دل کے ساتھ ماموں کے آنے کی دعائیں کرنے لگی۔

"کیا کروں۔" وہ پریشانی سے اٹھی اور وضو کرنے چلی گئی تب ہی دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"عائزہ! نیچے آؤ کھانے کے لیے۔" ممانی دروازے پر کھڑی تھیں۔

"میں نماز پڑھ کے آتی ہوں۔" اس نے انہیں ٹالا۔

مگر وہ شام تک نیچے نہیں گئی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

ماموں کی گاڑی نہیں تھی۔ "کیا پتا وہ شہر سے کہیں باہر گئے ہوں، یا اللہ تو مجھے اس عورت کے فتنے سے محفوظ رکھ۔"

اس نے کھڑکی کھول کے دیکھا۔ اگر اسے اس کھڑکی سے کودنا پڑا۔ تو وہ کیسے کودے گی۔

یہ تو طے تھا کہ ماموں اگر رات کو گھر نہیں آتے۔ تو وہ اس گھر میں کسی طور بھی محفوظ نہیں۔ ممانی اس کے گھر کے لالچ میں یا تو اسے ماردیں گی۔ یا اسے خودکشی پر مجبور کردیں گی۔

گھر میں بظاہر سناٹا تھا۔ شاید سب لوگ کہیں گئے ہوئے تھے۔ ممانی نے اسے دوبارہ نہیں بلایا تھا۔

بیٹھے بیٹھے جانے کب اسے اونگھ آ گئی۔ مگر کچھ ہی دیر کے بعد ایک نامانوس سے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

"عائزہ! دروازہ کھولو۔ تمہارے ماموں نے تم سے بات کرنی ہے۔" ممانی دروازہ کھولنے کی کوشش کررہی تھیں۔

"ماموں کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ماموں کو بلائیں۔" اس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"دروازہ کھولو..... وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ نیچے بیٹھے ہیں۔" ممانی بولیں۔

"دروازہ صبح سے پہلے نہیں کھلے گا۔" اس نے مضبوط بنتے ہوئے کہا۔

"چلو دروازہ توڑو۔ دوپہر کو جب یہ آئی تھی۔ تب ہی قابو کرلینا چاہیے تھا اس کو۔" کسی مرد کی آواز آئی۔

"فاخرہ باجی کے سارے منصوبے ہی کچے ہوتے ہیں۔ پہلے بھی ہمیں بلایا لیکن چڑیا جال میں پھنسی ہی نہیں۔" وہ دروازے کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگے۔ وہ جانتی تھی، یہ دروازہ زیادہ دیر تک اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتا۔

اس نے کھڑکی کھول کے اپنا عبایا اور پرس باہر پھینکا۔ اور پھر بستر کی چادر کھڑکی کے ہک میں پھنسا کر اس کے ذریعے باہر کیاریوں میں کود گئی۔

باہر لان میں اندھیرا تھا۔ اردگرد کے گھروں کا اسے ویسے بھی کچھ پتا نہیں تھا کہ کون رہتا ہے۔ سامنے والوں کا گیٹ تو کھلا تھا۔ شاید ابھی ابھی کوئی گھر آیا تھا۔ مگر ان کے خونخوار کتے سے وہ خوف زدہ تھی۔ وہ سامنے والوں کی گھنی باڑ میں چھپ گئی۔

"کدھر جاؤں۔ کیا پتا وہ مجھے ڈھونڈ ہی لیں اور اگر آج ان سے بچ گئی تو کیا پتا کسی اور کے ہتھے چڑھ جاؤں۔ اس کی اکلوتی دوست بہت دور تھی اور پھوپھو کے گھر وہ اس وقت پہنچ نہیں سکتی تھی۔ یا اللہ مجھے موت دے دے۔"

وہ ننگے پاؤں باڑھ میں چھپی بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی، صبح جانے اس کے لیے کتنی سیاہیاں لے کر آ رہی تھی۔

تب ہی اس نے دور سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس دیکھیں۔ جو آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ وہ طارق ماموں کی گاڑی تھی۔ دنیا میں اس کے واحد محرم رشتے دار اب اگر وہ اسے مار بھی دیتے تو اسے پروا نہیں تھی۔ وہ باڑھ سے نکل کر اندھا دھند بھاگتی ہوئی

www.pklibrary.com

ماموں کے گھر میں داخل ہوگئی۔

"ماموں، ماموں!" وہ ان کے بازو سے لپٹی اونچی آواز میں رونے لگی۔ "ماموں ممانی کے رشتے دار آئے ہوئے ہیں، وہ میرے کمرے کا دروازہ توڑ رہے تھے۔ میں کھڑکی سے کود گئی۔ اب ان سے چھپ کے باڑہ میں بیٹھی تھی۔ اگر آپ نہ آتے تو میں مرجاتی۔"

"کیا بکواس ہے۔ کہاں سے آ رہی ہو اس وقت، اپنی ممانی پر یہ کیا الزام لگا رہی ہو۔" ماموں نے جھڑک دیا مگر وہ ان کے ساتھ چمٹی رہی۔

"آپ خود اندر چل کر دیکھ لیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

وہ اندر آئے تو انہیں دیکھ کے ہر ایک ایسے ہوگیا۔ جیسے پتھر۔ وہ اسے ساتھ لیے اوپر اس کمرے میں آئے۔ جس میں وہ رہتی تھی تو دروازہ اکھڑا ہوا تھا۔ ممانی کا رشتے کا بھائی ابھی تک کھڑکی میں لٹکا ہوا یہ جائزہ لے رہا تھا کہ وہ کہاں سے بھاگی ہے۔

"یار سرور! لڑکی ہوشیار نکلی۔ بستر کی چادر کھڑکی میں پھنسا کر نیچے اتر کے بھاگ گئی ہے۔ چلو باہر دیکھتے ہیں۔ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔" وہ بغیر مڑے بولا۔ جبکہ طارق ماموں اس کے سر پر پہنچ گئے تھے۔

"کون سی لڑکی بھاگی ہے اور کس لڑکی کی بات کر رہے ہو۔" ماموں نے اسے گردن سے پکڑے پکڑے باہر لا پٹخا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ممانی فاخرہ اپنے ہوش حواس جمع کر چکی تھیں۔ اونچی آواز میں بولیں۔

"وہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔" طارق ماموں کی آواز ان سے بھی اونچی تھی۔

"ہم سے کیا پوچھتے ہیں، اسی سے پوچھیں کہ یہ تو آج دن بھر گھر آئی ہی نہیں۔ ابھی بھی پتا نہیں کہاں سے منہ کالا کر کے آ رہی ہے۔"

"اگر یہ گھر آئی ہی نہیں تو اس کے جوتے کیسے کمرے میں پڑے ہیں۔ صبح تو یہ یقیناً جوتے پہن کے گئی ہوگی۔" انہوں نے اس کے جوتوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا کرنا چاہتے تھے آخر تم لوگ اس کے ساتھ؟" وہ صدمے اور غصے کی کیفیت میں بولے۔

"نکل جاؤ تم لوگ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے۔" انہوں نے فاخرہ ممانی کے رشتہ داروں کو باہر کی راہ دکھائی۔

"نہیں تو پولیس بلوالوں گا اور پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ نہ یہ عورت اور نہ یہ گھر۔"

زوبیہ اور حنا بھی آنکھیں ملتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی تھیں۔ حالانکہ وہ بھی اس کی بربادی کے تماشے میں شامل تھیں۔

اور وہ کمرے میں بیٹھی اپنی کپکپی پر قابو میں پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور اس صبح ماموں کے کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی وہ ان کے انتظار میں ان کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔

"ماموں! میں ہاسٹل جا رہی ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں اور پیسے بھی، اب میں مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"ٹھیک ہے، تم ہاسٹل کے لیے درخواست دو اور ہاسٹل میں جگہ ملتے ہی چلی جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"ہاہ.....!" اس نے ان کے گھر سے باہر آ کر ایک لمبی سانس لی۔ "شکر ہے چھٹکارا ملا۔" اسے لگا جیسے وہ سزائے موت کی کوٹھڑی سے رہا ہو کر باہر نکلی ہو۔ اس دن اسے سارا شہر ہی نیا نیا اور روشن لگ رہا تھا۔

اس نے جاتے ہی عشنا کو خوش خبری سنائی اور پھر دونوں بھاگم بھاگ ہاسٹل میں داخلے کا فارم لینے پہنچیں۔ فارم جمع کروا کے وہ عشنا کے ساتھ ہاسٹل آ گئی۔

"چلو، میں وارڈن سے بات کرتی ہوں کہ جب تک تمہارا ہاسٹل میں ایڈمیشن نہیں ہو جاتا تم میری گیسٹ کے طور پر میرے ساتھ رہ لو۔" عشنا بولی۔

"ہاں چلو، چلتے ہیں۔" وہ بھی ساتھ ہولی۔

www.pklibrary.com

مگر وارڈن نے انہیں بتایا کہ ہاسٹل میں کراچی یونیورسٹی اور سندھ کی دوسری یونیورسٹیوں سے بھی طالبات آ رہی ہیں۔ مختلف کھیلوں کے مقابلے کے لیے، اس لیے اس مہینے کسی کو بھی گیسٹ ٹھہرانے کی اجازت نہیں ہے۔

وہ دونوں پریشان واپس آ گئیں کہ اب وہ اس گھر میں نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر پھر جاتی تو کہاں۔

اس شام اس نے ماموں کو بتا دیا کہ اس نے ہاسٹل کے لیے درخواست دے دی ہے۔ جیسے ہی ملا وہ چلی جائے گی۔

☆☆☆

چند دن اور اسی طرح گزر گئے۔ کبھی وہ دوپہر کو عشنا کے ساتھ اس کے ہاسٹل آ جاتی وہ اپنا کھانا کمرے میں لے آتی۔ تو دونوں کھا لیتیں اور کبھی بسکٹ اور پانی ہی پہ گزارہ کرتی۔

"ارے اس کو دیکھو۔ آج کل پھر ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔" عشنا نے کلاس میں داخل ہوتی روشنی کی طرف اشارہ کیا۔ جو کاظم شاہ کے ساتھ کسی بات پر بے تحاشا ہنستی ہوئی آ رہی تھی۔

"لگتا ہے، دوبارہ سے صلح ہو گئی ہے۔"

"جو کوئی خوش ہے عشنا! اسے خوش رہنے دو۔ اپنے مقدر میں تو شاید خوش ہونا لکھا ہی نہیں گیا۔" وہ یاسیت کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

"سنا ہے۔ تم اپنے فارم ہاؤس پر کوئی گرینڈ پارٹی دے رہے ہو کاظم شاہ۔" ان کی کلاس کے آصف نے پوچھا۔

"ہاں کیوں تم آنا چاہتے ہو؟" اس کی جگہ روشنی بولی۔

"نہیں بھئی، اتنی ہائی فائی پارٹیوں کے لائق ہم کہاں۔" آصف نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"ویسے یہ پارٹی ہو کب رہی ہے؟" کسی اور نے پوچھا۔

"بس ایک دو دنوں میں۔" کاظم شاہ کا انداز شاہانہ تھا۔

"ان لوگوں کے پاس کتنا پیسہ اور کتنی خوشیاں ہیں۔" اس نے حسرت سے کہا۔ "میری زندگی تو مسلسل آزمائش بن کر رہ گئی ہے۔" عشنا نے گہری سانس لی۔

"عائزہ پیسہ ہونا خوش قسمتی کی دلیل نہیں۔ بلکہ پیسہ اپنے ساتھ بہت سی برائیاں بھی لاتا ہے۔ اور یہ لوگ جو بظاہر تمہیں خوش لگ رہے ہیں۔ ان کی زندگیوں کو جانے کون کون سے روگ چمٹے ہوئے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم رب کی تقسیم پر روگ مطمئن رہو اور ناشکرا پن اور بے صبری سے پرہیز کرو۔"

عشنا کو آج اس پر غصہ آ رہا تھا۔ جو مسلسل ایسی ہی باتیں کیے جا رہی تھی اور پھر چند دن اور آگے کھسک گئے۔

☆☆☆

صبح کے چار بجے تھے۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ جب اس کا دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔

"ماموں!" اس کے منہ سے چیخ سی نکلی۔

"عائزہ! میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔" باہر سے طارق ماموں کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

وہ آنکھیں ملتی اٹھی اور دروازہ کھول کے کھڑی ہو گئی۔ ان کے پیچھے فاخرہ ممانی بھی تھیں۔ وہ بھی کافی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"عائزہ! کاظم شاہ کون ہے؟" ماموں زرد چہرہ لیے دروازے میں ہی کھڑے تھے۔

"میرا کلاس فیلو ہے۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ اور اس وقت۔" اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ جس پر رات کے چار بجے تھے۔

"تم جانتی ہو۔ وہ کہاں رہتا ہے؟" ماموں نے پھر پوچھا۔

"نہیں، میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ مجھے کچھ پتا نہیں۔ نہ ہی میرا کسی سے کوئی تعلق، واسطہ ہے۔" اس کا خیال تھا کہ شاید اس پر کوئی نیا مقدمہ قائم ہو گیا ہے۔ وہ خوف سے پیلی پڑ گئی۔

"کیا تم جانتی ہو کہ کاظم شاہ کیسا لڑکا ہے۔" ماموں پھر بولے۔

www.pklibrary.com

"پتا نہیں ماموں! مجھے چونکہ کسی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ اس لیے میں نہیں جانتی کہ کون کیا ہے اور کیسا ہے۔" اس نے اکتاتے ہوئے کہا۔ "مگر اب کیا کر دیا ہے میں نے جو آپ آدھی رات کو تفتیش کر رہے ہیں۔"

"نہیں۔ بس ایسے ہی پوچھ رہے ہیں۔" فاخرہ ممانی بولیں۔

"تم کہیں سے اس کا ایڈریس لے سکتی ہو؟" ماموں پھر بولے۔

"ماموں! پہلے آپ بتائیں کہ معاملہ کیا ہے پھر میں کچھ کرنے کے بارے میں سوچوں گی۔" وہ بولی۔

"زوبیہ گھر نہیں آئی۔ حنا نے بتایا ہے کہ وہ کسی کاظم شاہ کے فارم ہاؤس پر اپنی کسی سہیلی کے ساتھ پارٹی میں گئی تھی۔ حنا کے پاس کاظم شاہ کا فون نمبر ہے۔ مگر وہ بند جا رہا ہے۔ زوبیہ کا فون بھی بند جا رہا ہے۔ وہ گھر نہیں آئی۔ تو پریشانی ہو رہی ہے۔" ماموں بولے۔

"کچھ پارٹیاں ساری رات چلتی ہیں۔ ممکن ہے۔ اس وجہ سے لڑکیاں لیٹ ہو گئی ہوں۔ صبح تک ان شاء اللہ آ جائیں گی۔" اس نے ان دونوں کو تسلی دی۔

"مگر کاظم شاہ جیسے بدکردار شخص سے زوبیہ کا کیا واسطہ۔ شاید کسی دوسرے کے کہنے پر چلی گئی ہو۔ اللہ حفاظت کرنے والا ہے۔" اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

☆☆☆

اس دن ڈپارٹمنٹ میں کاظم اور روشنی دونوں نہیں تھے۔ وہ سستی اور پریشانی سے سر جھکائے لان میں بیٹھی گھاس نوچ نوچ کر پھینک رہی تھی۔ جب کوئی اس کے قریب آ ٹھہرا، اس نے قریب رکتے مردانہ جوتے دیکھے۔ مگر اپنے شغل میں مصروف رہی۔

"کیا ساری گھاس نوچنے کا ٹھیکہ آج ہی ملا ہے۔ یا پہلے بھی یہی کام کرتی رہی ہو۔" عمر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کاظم شاہ کلاس میں موجود ہے؟" تفتیش کا آغاز ہوا۔

"نہیں اور نہ ہی میں اس سے زیادہ کچھ جانتی ہوں۔ چند دن پہلے کلاس میں کوئی لڑکا بتا رہا تھا کہ وہ اپنے فارم ہاؤس پر کوئی بہت بڑی پارٹی کرنے والا ہے۔ اور کل میری کزن زوبیہ بھی اس پارٹی میں گئی تھی۔ مگر گھر واپس نہیں آئی۔ یعنی صبح تک نہیں آئی تھی۔ اب شاید آ گئی ہو۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ پتا نہیں۔"

وہ کتابیں اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے آج کل عمر بھی زہر لگ رہا تھا جو سرکاری سراغ رساں بنا پھرتا تھا۔

"میری کلاس ہے۔" وہ کلاس روم کی طرف بڑھ گئی اور عمر منہ اٹھائے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

وہ گھر آئی تو گھر میں ماتم بپا تھا۔ زوبیہ کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ زوبیہ کس سہیلی کے ساتھ گئی ہے۔ حنا بتا نہیں رہی تھی۔

ماموں بار بار فاخرہ ممانی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے۔

"یہ تربیت کی ہے تم نے بیٹیوں کی۔" وہ بار بار اپنا سر دیوار سے ٹکرانے لگتے۔

"کون سی سہیلی کے ساتھ گئی تھی زوبیہ؟" وہ حنا کو دیکھتے ہی دھاڑے۔

"ابو! مجھے نہیں پتا، اس نے مجھے بس یہی بتایا تھا کہ وہ سہیلی کے ساتھ پارٹی میں جا رہی ہے۔ رات کو آ جائے گی۔" حنا روتے ہوئے بولی۔

اس کی سہیلیوں سے وہ پہلے ہی پوچھ چکے تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی علم نہ تھا۔

اس رات وہ بھی ان کے ساتھ نیچے ہی رہی۔ وہ ساری رات اور سارے دن کے نڈھال قالین پر بیٹھے بیٹھے ہی اونگھ رہے تھے۔ جب فون کی گھنٹی بجی۔

وہ سب ایسے ہڑبڑا کے اٹھے۔ جیسے صور اسرافیل پھونک دیا گیا ہو۔ ماموں تو صبح ہی پولیس کو اطلاع دے آئے تھے۔ پولیس کی طرف سے کسی خبر کے منتظر تھے۔

"طارق صاحب!" کسی نے فون پر تصدیق چاہی۔

"جی ..... جی!" وہ بے تابی سے بولے۔

"موٹروے کے قریب ایک گاڑی تیز رفتاری کے باعث الٹ گئی ہے۔ اس میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ گاڑی کاظم شاہ چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی کلاس فیلو اور دوست روشنی تھی۔ ان دونوں کی

www.pklibrary.com

شناخت ہو گئی ہے۔ مگر دوسرے لڑکے اور لڑکی کی شناخت نہیں ہو رہی۔ لاشیں سروسز ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔ آپ بھی وہیں آ جائیں۔"

طارق ماموں کے ہاتھ سے فون گر گیا۔ اور وہ بے جان سے پیچھے کو لڑھک گئے۔

دوسری لڑکی زوبیہ تھی۔ اور اس کے ساتھ سورج عرف سکندر تھا۔

عائزہ بھی ماموں اور ممانی کے ساتھ ہسپتال گئی تھی۔ ان سب کے چہرے بالکل ٹھیک تھے۔ صرف دماغ کی چوٹیں تھیں۔ جن سے ان کی موت واقع ہوئی۔

اس نے اس لڑکے کو پہچان لیا تھا۔ جانے کیا معمہ تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ممانی بیٹی کی لاش کے پاس بت بنی بیٹھی ٹکر ٹکر ہر ایک کی صورت دیکھ رہی تھیں۔

باہر مختلف چینلز کے نمائندے اخباروں کے رپورٹر اور پولیس کھڑی تھی۔ طارق ماموں کی ابتر حالت کے پیش نظر ابھی تک وہ اپنا بیان بھی ریکارڈ نہیں کروا پا رہے تھے۔

مگر پولیس کے مطابق کاظم شاہ کے فارم ہاؤس پر چھاپہ پڑنے سے پہلے ہی باقی لوگ بھاگ گئے تھے۔ مگر پولیس کو کاظم شاہ کی گاڑیوں کے نمبرز کا پتا تھا۔ اس لیے خفیہ ایجنسی کے لوگ اور عام پولیس بھی ان کے پیچھے تھی اور عین اس وقت جب کچھ لوگ ان کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ ان سے بچنے کی کوشش میں گاڑی سڑک سے اتر کر کھائی میں جا گری۔

ان کو کسی کو اطلاع دینے کا ہوش نہیں تھا۔ مگر ٹی وی چینلز پر بار بار نشر ہونے والی خبر نے سب کو باخبر کر دیا۔

دوپہر کے قریب پھوپھو اور عمر بھی پہنچ گئے۔ پھوپھا بے چارے بیمار تھے اور ہسپتال میں تھے۔ اس لیے وہ لوگ تھوڑی دیر کے لیے ہی آئے۔

ممانی فاخرہ کو جب بھی ہوش آتا، وہ دہائی دینے لگتیں۔

"ہائے میری مظلوم بیٹی، ہائے درندوں نے اغوا کر کے مار دیا۔" وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہوش کھو بیٹھتیں۔

پھوپھو کو بلانے عمر اندر آیا۔ تو وہ ممانی کے لیے پانی لے کر جا رہی تھی۔

"عائزہ! مجھے تمہارے چند منٹ چاہئیں۔ کیا مل سکتے ہیں؟" وہ آج نرمی سے بات کر رہا تھا۔

"نہیں۔" عائزہ نے سختی سے کہا۔ "میرے پاس کسی کو بتانے کے لیے کوئی اہم بات نہیں ہے۔"

وہ اسے وہیں کھڑا چھوڑ کے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

دن انتہائی بوجھل ہو گئے تھے۔ ماموں کے گھر میں اداسیوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ وہ کافی دنوں کے بعد یونیورسٹی گئی۔ تو ابھی تک اسی بات کے چرچے تھے۔ وہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی کہ کسی کو اس بات کی خبر نہیں تھی کہ زوبیہ اس کی کزن ہے سوائے حشنا کے اور شکر تھا حشنا نے بھی یہ بات اپنے تک رکھی تھی۔

اسے ہاسٹل میں جگہ مل گئی تھی اور وہ اس بات سے خوش تھی۔ کہ کم از کم آخری سمسٹر اطمینان سے پڑھ سکتی تھی۔ وہ اپنا سامان سمیٹ رہی تھی۔ جب حنا اس کے پاس آ بیٹھی۔

"عائزہ آپی! آپ کہیں جا رہی ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں، میں ہاسٹل جا رہی ہوں۔"

اس نے سوٹ کیس بند کیا اور اپنی چیزیں کمرے سے باہر رکھ کے کمرے میں جھاڑو دینے لگی۔

"آپ کو پتا ہے، زوبیہ کو کس نے مارا ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"کس نے مارا ہے؟" وہ جھاڑو چھوڑ کے حنا کے پاس آ بیٹھی۔

"میں نے اور امی نے۔ ہم نے مل کے اسے مار دیا۔ میں شروع سے جانتی تھی، وہ کاظم شاہ کو پسند کرتی تھی۔ وہ اکثر چھٹی کے وقت اسے لینے آتا اور پھر کچھ گھنٹوں کے بعد اسے کالج چھوڑ جاتا۔ اس کے ساتھ یہ دوسرا لڑکا سکندر بھی ہوتا تھا۔ میں نے امی کو بتایا۔ مگر زوبیہ نے امی سے کہا کہ کاظم شاہ بہت امیر ہے۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ بس امی

www.pklibrary.com

بھی اسی لالچ میں آنکھیں بند کیے رہیں۔ وہ آہستہ آہستہ زوبیہ کو کسی نشے پر لگا رہے تھے۔ وہ جب بھی ان سے مل کر آتی۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہوتی۔ جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہیں۔"

"مگر حنا! کاظم شاہ تو یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ ہے۔ وہ تمہارے کالج تک کیسے پہنچا؟" عائزہ نے پوچھا۔

"ایسے لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ ہر کالج میں ان کی نام نہاد کزنز ہوتی ہیں۔ جو معصوم لڑکیوں سے دوستی کر کے اونچے خواب دکھاتی ہیں اور انہیں نشے کا عادی بنا کر کہیں کا نہیں چھوڑتیں۔" حنا بولی۔

"تمہارے کالج میں کون ہے اس کی کزن؟" عائزہ نے پوچھا۔

"تھی مگر اب غائب ہے۔ اس دن سے کالج نہیں آئی۔ اگر آئی بھی تو وہ صاف مکر جائے گی۔ یقیناً کالج میں اسے کسی اور کی بھی سپورٹ ہوگی۔" حنا نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم یہ سب مجھے اب کیوں بتا رہی ہو؟" عائزہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں چاہتی ہوں آپ اس پر کالم لکھیں تاکہ کوئی اور زوبیہ کسی اور شیطان کے ہتھے نہ چڑھے۔"

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

عائزہ سامان لے کر نیچے آئی تو ماموں اور ممانی لاؤنج میں بیٹھے ہی مل گئے۔ وہ انہیں خدا حافظ کہنے اندر آئی تو ممانی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"عائزہ! مجھے معاف کر دو، میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ جس کی سزا بھی مجھے مل گئی۔" وہ اس کے سامنے کھڑی رو دی تھیں۔ مگر اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں اور شاید الفاظ بھی کہیں گم ہو گئے تھے۔ وہ ان سے کیا کہتی سو چپ چاپ اپنا سوٹ کیس گھسیٹتی باہر نکل آئی۔

تب ہی ماموں گاڑی کی چابی لے کر باہر نکلے۔

"آؤ، میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔" انہوں نے اس کا سامان اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

☆☆☆

اس کے آخری سمسٹر کے دو مہینے باقی تھے۔ جب اس کے پھوپھا کا انتقال ہو گیا۔ عمر اسے بتانے اور لینے آیا تھا۔ وہ چند دنوں کے لیے پھوپھو کے پاس رہنے چلی گئی۔

پھوپھو کافی کمزور ہو گئی تھیں۔ مشکل سے گھر کے کام کرتیں، اس کے آنے سے کافی خوش تھیں وہ رات کو دیر تک ان کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی۔

"کچھ دن پہلے تمہاری ممانی اور ماموں میرے پاس آئے تھے۔ وہ حنا کا رشتہ عمر سے کرنا چاہتے ہیں۔" پھوپھو نے بتایا۔

"چلیں، اچھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حنا اچھی لڑکی ہے۔" وہ بولی۔

"وہ بہت پریشان تھے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اب حنا کے لیے کوئی بھی ان کے گھر نہیں آئے گا اور پھر اب تو سبین بھی کافی بڑی ہو گئی ہے۔" پھوپھو بولیں۔

"پھر کیا سوچا ہے آپ نے۔" عائزہ نے پوچھا۔

"مجھے کیا سوچنا ہے۔ مجھے فاخرہ پسند نہیں ہے اور عمر کو تو ان لوگوں کا نام بھی سننا پسند نہیں۔" پھوپھو نے صاف گوئی سے کہا۔

"پھوپھو! عمر بھائی کو تو دنیا میں کوئی بھی پسند نہیں۔ وہ تو لگتا ہے، ساری دنیا سے لڑ کے بیٹھے ہیں۔ کون لڑکی ان کے ساتھ گزارا کرے گی۔" وہ چاولوں کو دم دیتے ہوئے بولی۔

"تمہیں میرے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری امی جس کو اس گھر میں لائیں گی۔ وہ خوشی خوشی گزارا کرے گی۔" وہ اپنی اسی مخصوص سی مسکراہٹ سے بولا۔ جس سے عائزہ کا دل جلتا تھا۔

وہ اس کی آواز سن کر سٹپٹائی ضرور مگر بظاہر لاپروائی سے بولی۔

"پھوپھو مجھ سے حنا کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔"

"تمہاری رائے کا شکریہ۔"

"لائیے، سلاد میں کاٹتا ہوں۔" اس نے پھوپھو کے سامنے سے سبزیوں کی ٹوکری اٹھائی اور وہیں بیٹھ کے سلاد کاٹنے لگا۔

پھوپھو نماز کے لیے اٹھیں۔ تو وہ آٹا گوندھ رہی تھی۔

www.pklibrary.com

"تمہاری یونیورسٹی میں ایک لڑکی علیزے تھی۔ تم جانتی ہو اسے؟" عمر نے بغیر تمہید باندھے پوچھا۔

عائزہ کو اس کی اس کھوجی طبیعت سے چڑ سی ہوگئی تھی۔ وہ جواب تو نہیں دینا چاہتی تھی۔ مگر بے اختیار اس کے منہ سے پھسلا۔

"اسے کیا ہوا؟"

"گویا جانتی ہو۔" وہ مسکرایا۔

"کیا اس سے شادی کر رہے ہیں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا اچھی نہیں ہے۔ یا میرے ساتھ گزارا نہیں کرے گی۔" عمر مسکرا رہا تھا۔

"یونیورسٹی میں لوگ اسے چور سمجھتے تھے۔" اس نے ایمان داری سے بتا دیا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔" اس نے کھلے دل سے مان لیا۔

"تو کیا پھر بھی؟" اس نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"کیا پھر بھی؟" وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا پھر بھی اس سے شادی کر لیں گے۔" وہ بولی۔

"لاحول ولاقوۃ یہ تم لڑکیوں کا دماغ ہر وقت ایک ہی چیز میں کیوں پھنسا رہتا ہے۔" وہ بولا تو عائزہ آٹا وہیں پٹخ کر اندر پھوپھو کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ اسے یونیورسٹی چھوڑنے گیا تو یونیورسٹی جانے کے بجائے لبرٹی کی طرف گاڑی موڑ دی۔

"یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"اغوا کر کے کہیں نہیں لے کر جا رہا۔ ضروری بات کرنی ہے۔" وہ بولا۔

لبرٹی مارکیٹ میں خاصی خاموشی تھی۔ سوائے خاکروبوں اور ناشتے والی دکانوں کے ابھی پوری مارکیٹ بند تھی۔ اس نے گاڑی پارکنگ میں روکی۔ اور چند ثانیے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"علیزے ایک اچھے گھر کی لڑکی تھی۔ مگر بدقسمتی سے اسے چوری کی لت پڑ گئی۔ یہ اس کا کوئی نفسیاتی مسئلہ تھا۔" وہ بلا تمہید بولا۔

"مگر مجھے نہ علیزے سے دلچسپی ہے اور نہ اس کی کہانی سے۔ میرا وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں۔"

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تم نے جو کہانی زوبیہ کے بارے میں لکھی تھی۔ اس کی بہت سی کڑیاں غائب تھیں۔ تم بہت سی چیزوں سے لاعلم ہو۔" وہ تحمل سے بولا۔

"مثلاً علیزے کے کردار سے۔ اس کی چوری کی عادت سے جلد ہی کاظم شاہ کا گروپ واقف ہوگیا۔ وہ کئی دفعہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔ جیسے تمہاری دوست کے پیسے چراتے ہوئے مگر ان لوگوں نے اس کی مدد کی۔ اور پھر اسے بلیک میل کرنے لگے۔ وہ ایک دفعہ اسے شہر سے باہر بھی لے گئے۔ اور پھر اس کی ایسی تصویریں ان کے پاس آ گئیں جس سے وہ اس کے ماں باپ کو بلیک میل کرنے لگے۔ یہ ایک بہت بڑا گروپ ہے۔ بیوروکریٹ اور بڑے لوگوں کی بگڑی ہوئی اولادیں۔

علیزے کے باپ کے شاگردوں نے ان کا بہت ساتھ دیا۔ وہ جہاں جہاں اور جس بھی عہدے پر تھے۔ وہ سب ان کی مدد کو آئے اور ان میں سے ایک یہ خاکسار بھی تھا۔ علیزے کو انہوں نے فوری طور پر یونیورسٹی سے اٹھا لیا اور پھر کسی کو پتا نہ چلا کہ وہ کہاں ہے۔" وہ بولتا گیا۔

"تمہاری کزن بھی کاظم شاہ کا ایک شکار تھی۔ اس کی عادت تھی کہ اس کا جس سے دل بھر جاتا وہ سکندر یعنی سورج کے حوالے کر دیتا۔ اور پھر وہ کبھی بھی زندہ نہ ملتی۔ سورج اس سارے گروپ کو ہر طرح کا نشہ فراہم کرتا اور پھر جس کو ٹھکانے لگانا ہوتا۔ اس کو ٹھکانے لگاتا۔

وہ روشنی کو بھی ٹھکانے لگانے والا تھا مگر وہ سورج کے ٹھکانے سے واقف ہوگئی۔ اس لیے اسے چند دن اور گزارا کرنا پڑا۔ یہ سب لوگ جو بظاہر ہماری ہی سوسائٹی کا حصہ ہیں۔ مگر ہماری سوسائٹی کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں، ان پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ یہ لوگ پکڑے بھی جائیں تو پھر چھوٹ جاتے ہیں۔" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"مگر کاظم شاہ اور اس کا گروپ تو ختم ہوگیا ہے۔" عائزہ بولی۔

"یہاں ایک کاظم شاہ اور اس کا گروپ نہیں ہے۔

www.pklibrary.com

یہاں بہت سے لوگ اس کام میں ملوث ہیں اور ایسے بہت سے دوسرے ملک بھی جو پاکستان کو ختم کرنے کا کام شروع دن سے کر رہے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اچھا اب آپ کی اسٹوری مکمل ہو گئی ہو تو مہربانی کر کے مجھے یونیورسٹی چھوڑ دیں۔ نہیں تو میں یہاں سے رکشہ لے لیتی ہوں۔" وہ عجلت سے بولی۔

"ایک بات تو بتاؤ۔" وہ اس کی طرف جھکا۔

"میرے ساتھ کسی لڑکی کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ تو کیا تمہارے ساتھ کسی مرد کا گزارا ہو سکتا ہے۔"

"جلدی چلیں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"چلو، مجھے بھی کوئی شوق نہیں تمہیں اپنی گاڑی میں ادھر ادھر گھمانے کا۔" اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"سڑیل!" عائزہ دل ہی دل میں بولی۔

"تم یا میں؟" وہ غصے سے بولا۔

"کیا؟ میں نے آپ کو تو کچھ نہیں کہا۔" عائزہ بوکھلا گئی۔

"کیا نہیں کہا۔" وہ زور سے بولا۔

"میں نے آپ کو سڑیل نہیں کہا۔" بے اختیار ہی اس کے منہ سے پھسلا اور عمر کا قہقہہ بھی بے اختیار تھا۔

"امی کا اور میرا، ہم دونوں کا دل ہے کہ تم ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ ہمارے گھر کا حصہ بن کر رہو۔ میری زندگی کی ساتھی بن کر، کیا ایسا ممکن ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"تم اپنی زندگی کے بارے میں کوئی اور فیصلہ کر چکی ہو۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"ہاں، کافی پہلے سے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا وہ تمہارا کوئی کلاس فیلو ہے؟" عمر کے لہجے میں شکستگی تھی۔

"نہیں اور اس کے بارے میں مزید کوئی بات نہیں۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

وہ یونیورسٹی پہنچے تو اترنے سے پہلے وہ بولی۔

"میں اپنے بابا کے گھر کو آباد کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ اور پھوپھو میرے ساتھ چل کر ملتان رہ سکتے ہیں۔ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر نہیں جا سکتے تو پھر انکار ہے۔" وہ گاڑی سے اترنے لگی تو عمر نے اسے روک لیا۔

"مگر یہ شرط کیوں؟"

"کیونکہ میرا اور صوفیہ کا ایک دوسرے کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔ اس نے میرے لیے بہت قربانیاں دی ہیں کہ میں ماموں کے گھر میں رہ سکوں، اب میں چاہتی ہوں کہ اسے یہ اطمینان ہو کہ اس کے میکے کا گھر اس کے لیے کھلا ہے۔ وہ جب چاہے آئے اور جب تک چاہے رہے۔" اس نے رسان سے کہا۔

"گویا تم دولہا کے ساتھ ساتھ دولہا کی والدہ کو بھی رخصت کروا کے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہو۔ بھئی کیا بہادر لڑکی ہو تم۔" وہ ہنسا۔

"میں امی سے مشورہ کر کے تمہیں بتا دوں گا۔ مگر فرض کرو امی نہیں مانیں۔ تو چوائس نمبر دو کون ہے؟" عمر شرارت سے بولا۔

"فضول بات نہیں، وہ پھوپھو کے سگے بھائی کا گھر ہے۔ وہ خود بھی چاہیں گی کہ بھائی کا گھر کھلا رہے۔" وہ بولی۔

"اور خاوند کا گھر؟" اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"جہاں پھوپھو کا بیٹا ہوگا۔ وہی ان کا اصل گھر ہوگا اور اب خدا کے لیے میری جان چھوڑیں، سر کلاس میں آ چکے ہوں گے۔"

"تمہارے ساتھ گزارا کرنا کتنا مشکل ہوگا۔" عمر نے برا سا منہ بنایا۔

"میں بھی پھوپھو کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔ ورنہ آپ کے ساتھ گزارا اس سے بھی مشکل ہے۔" وہ کہہ کر مڑ گئی۔

عمر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"نک چڑھی!" وہ بڑبڑایا اور گاڑی موڑ لی۔ جانتا تھا کہ اس کی امی بھتیجی کے ساتھ ساتھ بھائی کا گھر بھی آباد کر کے بہت خوش ہوں گی۔

☆

www.pklibrary.com

تنزیلہ ریاض

نور القلوب

نور القلوب ایک ایسا ادارہ جہاں صندل بی لوگوں کے لیے دعا کرتی تھیں، لوگ اپنے مسائل لے کر ان کے پاس آتے تھے۔ وہ انتہائی خوب صورت خاتون تھیں۔

بٹ گرام میں بنی ہری حویلی میں وہ اپنے باپ اور گلے جو اس کی سوتیلی ماں تھی سے ملنے چھٹیوں میں آتا ہے۔ گلے اس کی خالہ تھی جو اس کی ماں کے مرنے کے بعد انتہائی کم عمری میں اس کے باپ سے بیاہی گئی تھی۔

خوشل اپنے باپ کی نسبت گلے سے زیادہ قریب تھا۔

داؤد بروکن فیملی کا بچہ تھا جو انتہائی موٹا تھا اس کے وزن کی وجہ سے سب اسے تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ وہ پڑھائی میں بھی اچھا تھا۔ نانی کے مرنے کے بعد اس کی ماں نے اپنا ٹرانسفر دبئی کروالیا تھا وہ بینک میں ملازمت کرتی تھیں۔

گلے کی اداسی دیکھ کر اسے لگا اس کا باپ شادی کر رہا ہے۔ وہ ان سے سخت ناراض تھا۔

اس کا دوست اسے بتاتا ہے کہ لاریب نے خودکشی کر لی ہے۔ وہ حیران ہو جاتا ہے۔

آدھی رات کو ہری حویلی میں کھٹر پٹر سن کر وہ باہر نکلتا ہے تو اپنے باپ کے ساتھ لاریب کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

خوشل لاریب کو اپنے گھر میں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ وہ ارباب کو فون کرتا ہے لیکن وہ ریسیو نہیں کرتا۔

رفیق کے صاحب اس سے کہتے ہیں کہ لاریب کی تمام تصاویر ان کے گھر سے ہٹا دی جائیں ان کے گھر میں لاریب کا چیپٹر بند ہو جاتا ہے۔

www.pklibrary.com

pklibrary.com

www.pklibrary.com

مہر افروز ان کے گروپ میں شامل ہو جاتی ہے داؤد کو لگتا ہے کہ وہ ان کے گروپ کی لڑکیوں میں سب سے خوب صورت ہے۔ فرمان کی اس سے نہیں بنتی۔

خوشل گلے سے کہتا ہے کہ لاریب کو فوراً واپس بھیجو، اسے لگتا ہے کہ وہ اسی چوٹی پر بیٹھا ہے جہاں سے لاریب نے اسے دھکا دیا تھا۔

خان بابا خوشل خان کو بتاتے ہیں کہ اس کا نکاح لاریب سے ہو رہا ہے۔

خوشل کو یاد آتا ہے کہ لاریب ڈر گز لیتی ہے، وہ غصے میں جب لاریب کے پاس آتا ہے تو منہ دکھائی میں سگریٹ دیتا ہے جسے دیکھ کر لاریب کی آنکھوں میں چمک آجاتی ہے۔

خوشل ہاسپٹل پہنچا تو ارباب اس کا رویہ دیکھ کر اسے تنگ کرتا ہے۔ آخر میں کہتا ہے کہ جب تک خوشل اسے بتائے گا نہیں اسے کیسے پتا چلے گا۔ خوشل رونے لگتا ہے اور پھر لاریب سے نکاح کا بتاتا ہے۔

مہر افروز، داؤد پر حاوی ہو جاتی ہے۔ داؤد کی ممی اس سے چڑنے لگتی ہے۔ وہ اس کے کہنے پر لندن چلا جاتا ہے۔ ممی اسے جرمنی بھیجنا چاہتی ہیں۔

مہر اس سلسلے میں داؤد کو مطمئن کر دیتی ہے اور اس کی ممی کو بھی قائل کر لیتی ہے۔

ناشتے پر گلے احتجاجاً نہیں آتی ہیں۔ خان بابا بیوی کا مزاج سمجھتے ہیں، وہ اسے مناتے ہیں۔

زہرہ کو ہری حویلی والوں میں دلچسپی ہے۔ تائی شاہدہ اسے سمجھاتی ہیں۔

خان بابا لاریب کے خاندان سے اپنے تعلق کے بارے میں گلے کو بتاتے ہیں کہ کسی طرح خان بابا یعنی حبیب اللہ اس گھر میں پہنچتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ آج وہ جو کچھ ہیں ان کی ہی وجہ سے ہے۔

شیریں اور داؤد کی شادی طے ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی شادی کو لے کر بہت پر جوش ہے۔ داؤد کی امی چڑتی ہیں۔ داؤد اس سے اسکائپ پر بات کر رہا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے۔

حبیب اللہ اور شیریں گاڑی ٹھونکنے کے جرم میں خلیق صاحب کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ وہ ان دونوں پر جامہ عائد کرتے ہیں۔ شیریں اس کے باوجود باز نہیں آتی اور حبیب اللہ کو بھی ساتھ شامل کرتی ہے بالآخر وہ گاڑی کچھ کچھ چلانا سیکھ ہی جاتی ہے۔ دونوں اب اس کو انجوائے کرتے ہیں۔ حبیب اللہ گلے کو ساری کہانی سناتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ اسے پہلے ہی پتا تھا کہ خان کے دل میں اس کی جگہ دوسرے نمبر پر ہے لیکن وہ پہلے نمبر پر اپنی مرحومہ بہن کو سمجھتی تھی لیکن وہ شیریں تھی۔ خان انکار کرنا چاہتے ہیں۔

زہرہ کی آنکھوں میں ہری حویلی سے آنے والا بسا ہوا تھا۔ صندل بھی کہتی ہیں کہ بہت دن ہو گئے ہری حویلی سے کوئی نہیں آیا۔ میرا فون لاؤ، میں فون کر کے خیریت معلوم کروں۔

مہر داؤد کے پاس لندن پہنچ جاتی ہے۔ داؤد اپنی ممی کو فون کرتا ہے اور مہر سے بات کرواتا ہے، وہ اسے ڈانٹ دیتی ہیں اور داؤد سے کہتی ہیں کہ وہ واپس آجائے۔ مہر سے بچے اور مہر کے اس کے پاس ہونے پر داؤد سے بھی ناراض ہو جاتی ہیں۔ داؤد فون بند کر دیتا ہے۔ وہ اسے پکارتی رہ جاتی ہیں۔

وہ مہر کو منانے آتا ہے اور ممی کو منانے کا کہتا ہے۔

داؤد اپنی فیملی کو فون کرتا ہے۔ وہ اسے اپنی قربانیاں بتاتی ہیں۔ مہر کہتی ہے کہ وہ دونوں مل کر انہیں منا لیں گے۔

داؤد روتا ہے، اسے اپنی ممی کی قربانیاں خود پر ظلم لگتی ہیں۔ وہ مہر سے کہتا ہے کہ وہ اس سے شادی کر لے، کچھ ہچکچاہٹ کے بعد وہ مان جاتی ہے۔

کورٹ میں فارم فل کرتے ہوئے داؤد کو پتا چلتا کہ میرا افروز کا اصل نام شیریں خلیق ہے۔

www.pklibrary.com

داؤد مہر کی شادی ہو جاتی ہے۔ داؤد مہر کے والدین کو منا لیتا ہے۔ اس دوران وہ اپنی ممی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

مہر داؤد سے اس شادی کو سب سے چھپانے کا کہتی ہے اور ماڈلنگ کے لیے دبئی چلی جاتی ہے۔ داؤد اسے روک نہیں پاتا۔

مہر اپنے ٹارگٹ کے بارے میں داؤد کو بتاتی ہے کہ وہ تیس سال کی عمر سے پہلے بہت کامیاب عورت بننا چاہتی ہے، سب کچھ حاصل کرنا چاہتی ہے۔

مہر کے والدین داؤد کی ممی سے مل کر تعلقات بحال کراتے ہیں۔

مہر پریگنٹ ہو جاتی ہے۔ داؤد کی ممی بہت خوش ہوتی ہیں۔ مہر کو لگتا ہے یہ داؤد کی ممی کے تعویذ کی وجہ سے ہوا ہے۔

خان گلے کو مہر کی کہانی سناتے ہیں۔ ارباب، خوشل سے کہتا ہے کہ وہ کتنا سوگ منائے گا۔ خوشل سوچتا ہے کہ صندل بی اس کی مدد کر سکتی ہیں۔

لاریب کمرے میں نہیں۔ گلے پریشان ہوتی ہے۔ لاریب خان کے پالتو کتوں کے پاس ہوتی ہے۔ گلے سوچتی ہے یہ حویلی کی بہو نہیں بن سکتی۔

خان گلے کو صندل بی سے ملوانے لاتے ہیں لیکن گلے انتہائی بے زار ہوتی ہے۔ اسے خان کی آنکھوں سے چھلکتی عقیدت میں چھپا عشق تکلیف دیتا ہے۔ لاریب کو ڈیول کی حرکت اچھی نہیں لگتی کہ وہ خوشل کے قدموں میں لوٹتا ہے۔ خوشل بھی لاریب کو چڑانے کے لیے ڈیول سے کھیلتا ہے۔

واپسی میں گلے حبیب اللہ خان سے کہتی ہے کہ انہوں نے صندل بی سے لاریب کے متعلق بات کیوں نہیں کی، خان اس کی بات انتہائی سختی اور سرد مہری سے رد کر دیتے ہیں۔

تائی شاہدہ، زہرہ اور طیبہ کو ڈانٹتی ہیں۔

شیریں کی ایک خاتون سے ملاقات ہوتی ہے، وہ ایک دینی ادارہ چلا رہی تھیں۔ شیریں ان سے بہت متاثر ہوتی ہے اور داؤد سے کہتی ہے کہ وہ روزانہ چند گھنٹے کے لیے اس ادارے میں جائے گی۔

داؤد شیریں سے کہتا ہے کہ آفس میں ڈنر ہے نو بجے، تم تیار رہنا۔ داؤد شیریں کی تیاری دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اس نے حجاب کے ساتھ اپنا پورا چہرہ چھپایا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ بھی دستانوں میں قید ہیں، داؤد کو شیریں کی کسی بات پر اعتراض نہیں ہوتا۔ داؤد کی ممی کو پتا چلتا ہے تو وہ سخت ناراض ہوتی ہیں۔ شیریں کی فیملی بھی اس سب پر برا مانتی ہے۔

شیریں کے والد بھی اس سب سے خوش نہیں ہوتے، وہ داؤد کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن داؤد شیریں کی خوشی میں خوش تھا۔ گلے، خوشل سے کہتی ہے کہ ہم تمہارے ماموں کے پاس اسلام آباد چلے جاتے ہیں۔ خوشل کہتا ہے وہ مجھے تو رکھ لیں گے لیکن آپ کو نہیں۔

رات کے اندھیرے میں لاریب، ڈیول کی بے وفائی پر اسے پٹرول چھڑک کر آگ لگانا چاہتی ہے۔

تیرہویں قسط

"مجھے آپ کی مدد چاہیے حبیب صاحب! میں ان سب سے مایوس ہو چکی ہوں۔ دور دور تک دیکھوں تو صرف آپ نظر آتے ہیں جن پر میں بھروسا کر سکتی ہوں۔"

حبیب اللہ خان کو یہ الفاظ کبھی نہ بھولے تھے۔ ان کا سینہ چوڑا ہونے لگا۔ احساسِ تفاخر کی یہ نجانے کون سی

www.pklibrary.com

قسم تھی جو انہیں ہمیشہ ایسے جملے سُن کر محسوس ہوتی تھی۔ شیریں ان پر اپنے باپ بھائی اور بالآخر شوہر سے بھی زیادہ بھروسا کرتی تھی اور انہوں نے کبھی اس بھروسے کو ٹوٹنے نہ دیا تھا۔

''میں یہاں سے دور جانا چاہتی ہوں۔ اتنی دور کہ ان سب کو میری بھنک بھی نہ پڑ سکے۔ یہ لوگ میری تلاش میں مارے مارے پھریں اور انہیں خبر بھی نہ ہو سکے کہ مجھے زمین کھا گئی یا آسمان۔ بہت دل دکھایا ہے ان سب نے میرا۔ اب میری باری ہے۔''

طلاق کے بعد اس نے پہلا رابطہ ان کے ساتھ کیا تھا۔ انہیں اسی رویے کی توقع تھی۔ وہ عدت میں تھی لیکن یہ ایام وہ اپنے باپ کے گھر بھی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی حبیب اللہ اس کی رہائش کا کوئی مناسب انتظام کریں۔

یہی تو وہ مان اور بھروسا تھا جو وہ ان پر کرتی تھی اور اسی مان اور بھروسے نے حبیب اللہ کو خود اپنی نظر میں معتبر ٹھہرا رکھا تھا۔ وہ ساری دنیا میں مشورہ کرنے، نصیحت سننے اور رائے لینے کے لیے صرف اُن کے پاس آتی تھی، صرف اُن پر اعتماد کرتی تھی اور انہوں نے بھی کبھی اسے مایوس نہیں کیا تھا۔

وہ ہمیشہ اس کے ہر عمل ہر لفظ اور ہر ارادے کی تائید کرتے تھے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانا انہیں پسند تھا۔ وہ اگرچہ اب اس ٹرانس میں نہیں رہے تھے جہاں محبوب کو اپنانے کی خواہش دل میں موجود ہوتی ہے مگر یہ حوصلہ اس کی زندگی بھر کی کمائی تھا کہ محبوب ان کا نہ ہو کر بھی ان کے ٹرانس میں تھا۔ اسی لیے انہیں ان دونوں کی طلاق سے ایک کمینی سی خوشی ضرور ہوئی تھی۔

وہ شخص کبھی انہیں شیریں کے شایانِ شان نہیں لگا تھا۔ وہ پُراعتماد تھا نہ پُرکشش۔ اس میں حوصلہ بھی کم تھا اور فیصلہ کرنے کی طاقت بھی۔ لیکن اس کی بیٹی کو بہت قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بچی تو شروع سے ان کے ساتھ مانوس بھی بہت تھی۔ حبیب اللہ کو ان دونوں کے رشتہ ختم کر لینے کے بعد پہلا خیال بچی کا ہی آیا تھا۔

''بچی آپ کے ساتھ رہے گی؟'' انہوں نے لاریب کے متعلق پوچھا تھا کیونکہ وہ پنگ پانگ بنی کبھی دادی کے یہاں کبھی نانی کے یہاں پل تو رہی تھی مگر پرورش نہ پا رہی تھی۔ وہ بڑی ہو رہی تھی تو اس کا مزاج بھی بدلتا جاتا تھا۔ ایک سادہ اور معصوم سی بچی سے وہ ایک چڑچڑی نک چڑھی بچی بنتی جا رہی تھی۔ اس کی طبیعت میں ماں سے بھی زیادہ ضد تھی۔ وہ جس چیز کے لیے مچل جاتی تھی اسے لیے بنا سکون سے نہیں بیٹھتی تھی اور جو چیز اسے پسند نہیں آتی تھی اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دینا جانے کہاں سے اس نے سیکھ لیا تھا مگر یہ سب اس کے مزاج میں شامل تھا اور بڑھتی عمر کے ساتھ یہ کجیاں بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔

اس سوال پر شیریں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ حبیب اللہ کو ان کی آنکھوں کا رنگ پہلی بار کچھ بے قرار محسوس ہوا۔

''داؤد کبھی مجھے بچی کی کسٹڈی نہیں دے گا۔'' وہ سر جھکا کر بولی تھی۔ حبیب اللہ سمجھ نہیں پائے تھے کہ آیا وہ یہ بات کرتے ہوئے غمزدہ ہے یا نہیں لیکن وہ چاہتے تھے کہ پہلے اس کا موقف واضح ہو جائے اسی لیے انہوں نے پوچھا تھا۔

''آپ کی خواہش کیا ہے؟ آپ بچی کو اپنے ہمراہ رکھنا چاہتی ہیں؟''

''میں بہت تذبذب کا شکار ہوں حبیب صاحب۔ میں نے اب تک جتنی جمع تفریق سیکھی تھی، وہ سب کی سب غلط ثابت ہو گئی ہے۔ مجھے یقین تھا۔ داؤد میری بات مان لے گا۔ میں برحق تھی۔ برحق ہوں۔ مجھے بھروسا تھا کہ وہ کبھی اپنی ماں کو مجھ پر فوقیت نہیں دے گا۔ میری خواہش تھی کہ وہ دین کے راستے کو ترجیح دیتا لیکن اس نے اپنی ماں کے راستے کو اپنانے میں عافیت سمجھی۔ وہ گمراہی سے نکلنا ہی نہیں چاہتا۔ وہ کیوں چاہے گا کہ اس کی بیٹی

www.pklibrary.com

اس راستے سے ہٹ کر چلے۔"

وہ اتنا کہہ کر چپ ہوئی۔ حبیب اللہ کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ اس بات سے کافی دکھی ہے

"میں اب کچھ نہیں چاہتی۔ میری کوئی خواہش نہیں ہے۔ میں صرف ذہنی سکون چاہتی ہوں۔ میں صرف اللہ کے بتائے گئے احکامات پر عمل پیرا ہونا چاہتی ہوں۔ دین کے رستے پر چلنا چاہتی ہوں۔ میری دلی دعا ہے کہ آئندہ مجھے کسی ایسی پریشانی سے نہ گزرنا پڑے جس سے میری استقامت پر فرق پڑے۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ ان سب کو بھی اتنی استقامت دے کہ وہ حق اور باطل میں تمیز کر سکیں۔"

وہ ایک عرصہ سے اسی انداز میں بات کرتی تھی جیسے اس کے سوا سب گمراہ ہیں۔ حبیب اللہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں پتا تھا انہیں مزید کیا کہنا ہے

"آپ ٹھیک سوچ رہی ہیں۔ آپ بچی کو ان کے ساتھ رہنے دیں۔ وہ ان کی اولاد ہے، ان کی ذمہ داری ہے۔ انہیں ہی اٹھانے دیں۔ وہ ان کا خون ہے۔ اور آپ جانتی ہیں ان کے خون میں وفا نہیں ہے۔ اگر باپ آپ کا نہیں ہو سکا تو بچی آپ کی کیسے ہو جائے گی۔ آپ جس رستے پر چل رہی ہیں۔ اس رستے پر داؤد صاحب کی نسل کے لیے چلنا آسان نہیں ہوگا۔ اسے ان کے پاس رہنے دیں۔ آپ پہلے ہی ان کے لیے بہت ایثار کر چکی ہیں۔ مزید مت کریں۔ انہیں اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنے دیں۔ اللہ چاہے گا تو وہ بھی سب سیکھ جائیں گے۔ اللہ آپ کی اس نیکی کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ بچی سمجھ دار ہو کر خود ہی آپ تک پلٹ آئے گی۔"

انہوں نے وہی بات کی تھی جو اس کے بھی دل میں تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی مگر وہ جانتے تھے کہ وہ ان کی بات مان لے گی۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا تھا۔ حبیب اللہ کو اس کی برین واشنگ میں مہارت حاصل ہو چکی تھی۔

اپنے تئیں نادانستگی میں کیا جانے والا یہ کام وہ ایک عرصہ سے کر رہے تھے اور اسے کسی دینی ذمہ داری کی طرح بے حد ہمت و حوصلہ سے کر رہے تھے۔ وہی تو تھے جو اسے ہمیشہ یہ باور کرواتے آئے تھے کہ اس کے گھر والے ہی اس کے دشمن ہیں۔

یہ حبیب اللہ خان ہی تھے جو اسے یہ یقین دلاتے رہتے تھے کہ باقی سب اس سے حسد کرتے ہیں، خار کھاتے ہیں کیونکہ وہ اس کے مقام کو پہنچ نہیں سکتے۔ وہی اسے سمجھاتے رہتے تھے۔ اس سے ہر وہ کام کرنے کی تلقین کرتے تھے جس سے اس کے گھر والے بالخصوص اس کا شوہر چڑتے تھے۔ وہ دین کے علم کے نام پر اس میں نا صرف انانیت بلکہ تعصب اور بدعت بھی بھرتے جاتے تھے۔

اگرچہ شیریں کی خود پسند اور گھمنڈی طبیعت اس سلسلے میں بہت معاون ثابت ہوئی تھی مگر حبیب اللہ نے بھی اپنا کردار خوب ادا کیا تھا۔ مذہب کی بنیاد پر جس قدر تعصب اس کے اندر بھر گیا تھا، اس میں پچاس فیصد کا ذمہ دار وہی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ داؤد سے طلاق لے لینے کے بعد اسے جو ذرا سا ملال ہوا تھا ان سے بات کر کے وہ بھی غائب ہونے لگا تھا۔ اس کے عزائم مزید بلند ہو گئے تھے۔

حبیب اللہ خان نے ہر مقام پر اس کا ساتھ دیا تھا۔

وہ جو چاہتی تھی، وہ بظاہر ممکن نہیں تھا مگر حبیب اللہ نے یہ سب ممکن کر دکھایا۔ اس کے لیے رہائش کا حصول، درس گاہ نور القلوب کے لیے بٹگرام جیسی جگہ پر اس قدر وسیع زمین اور اس درسگاہ کے انتظامی امور کو چلانے کے لیے مشورہ اور سرمایہ اسی نے فراہم کیا تھا۔

شیریں صرف شیریں سے صندل بی ہوئی تھی باقی سب حبیب اللہ خان نے کیا تھا۔ شیریں صندل بی ہو جانے کے بعد اپنے خاندان کے کسی فرد سے تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی اور حبیب اللہ نے اس کام میں بھی اس کی بھرپور مدد کی تھی۔ وہ ان کے خاندان میں مڈل مین بن گئے تھے۔ دوسری جانب انہوں نے داؤد منور سے بھی کبھی

www.pklibrary.com

اپنے تعلقات مکمل منقطع نہیں کیے تھے۔ داؤد منور خود بھی لاریب کے متعلق پریشانی میں گھر کر ہمیشہ ان سے رابطہ کرتا تھا۔ لاریب باپ سے زیادہ ان کی مانتی تھی اور اس بات کا انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔

یہ بات ان کی انا کو تسکین فراہم کرتی تھی کہ انہوں نے داؤد منور سے نہ صرف اس کی بیوی کو بلکہ اس کی بیٹی کو بھی چھین لیا تھا۔ انہوں نے لاریب کو اس قدر لاڈ پیار سے پالا تھا کہ اس کا باپ بھی یہ نہ کر سکتا تھا لیکن اس لاڈ پیار نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ لاریب کو بھی اپنے خان بابا سے زیادہ کوئی عزیز نہیں تھا۔ وہ ان کی بات کو باپ کی بات سے بھی زیادہ اہمیت دیتی تھی۔

داؤد منور جھکے ہوئے سر اور تھکے ہوئے وجود کے ساتھ جب بھی اسے لاریب کی تربیت وطبیعت میں موجود کجیوں کا ذکر کرتا تو حبیب اللہ اس سے کاوہم اور لاریب کا بچپن کہہ کر ٹال دیتے تھے جبکہ لاریب کی ہر ضد ماننے کے ساتھ اسے ہمیشہ یہ باور کرواتے رہے تھے کہ اس کے ماں باپ کو اس کی شخصیت کو سنوارنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

لاریب شروع سے ہی کنفیوزڈ پرسنالٹی کی مالک تھی۔ اس کی شخصیت میں اعتدال نام کو نہیں تھا۔ وہ خود اذیتی میں مبتلا تھی۔ حبیب اللہ خان گزرتے وقت کے ساتھ خود بھی تھکنے لگے تھے لیکن بانگ دہل اس کا اعتراف کرنا ان کے لیے آسان نہیں تھا۔ خوش الحان سے نکاح کے وقت بھی ان کے ذہن میں یہی سوچ تھی کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے رہے گی تو ٹھیک ہو جائے گی مگر یہ ہوتا نظر نہیں آرہا تھا اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے رویے کی شدت پسندی انہیں پریشان کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

وراثت باہر جانے کی غرض سے نکلا تھا جب اس نے اسے کھڑکی سے چپکے دیکھا۔ جالی سے منہ ٹکائے، دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کے گرد حصار باندھے چوروں کی طرح وہ اندر جانے کیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ چند ساعتیں اس کی پشت کی جانب دیکھتا رہا پھر دبے قدموں چلتا اس کے قریب چلا گیا۔ وہ تب بھی بنا چونکے یا متوجہ ہوئے بند کھڑکی سے اندر جھانکتی رہی۔ وراثت کو کھنکھار کر اسے متوجہ کرنا پڑا۔ وہ مڑی اور پھر جیسے شرمندہ سی ہو گئی۔

''وہ..... میں..... یہاں.....'' اس سے بات بن نہ پائی تھی۔

''وراثت! دراصل..... کہاں تھے تم؟ تمہیں ہی تلاش کر رہی تھی میں۔'' اس کے چہرے پر لکھا تھا کہ وہ یقیناً اسے تلاش نہیں کر رہی تھی مگر جو منہ میں آیا۔ وہ کہہ ڈالا۔ وراثت دو قدم چل کر اس کے قریب ہوا۔

''مجھے؟'' چہرے پر استہزائیہ سی چمک تھی جیسے کہنا چاہتا ہو کہ مجھے پتا ہے کس کی کھوج آپ کو یہاں تک لے آئی ہے۔

لاریب نے اس کی آنکھوں میں جھانکا مگر وہ خوف زدہ نہیں تھی۔ وراثت کو یہ بات ہمیشہ حیران کرتی تھی کہ وہ بالشت بھر کی لڑکی اس قدر نڈر کیسے تھی۔ اس کی آنکھیں بڑے بڑوں کو محتاط کر دیا کرتی تھیں مگر یہ لڑکی ذرا بھی خائف نہ ہوتی تھی۔

''ڈیول کہاں ہے؟'' اس نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنے مطلب کی بات کی۔

وراثت کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ وہ ڈیول کو دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ تو پتا نہیں تھا کہ رحمت اور خوش الحان نے ڈاکٹر سے پوچھ کر اسے کوئی دوا دی ہے مگر یہ اندازہ ضرور تھا کہ رحمت نے اپنے تئیں کوئی ٹوٹکہ ضرور آزمایا ہوگا تب ہی وہ کچھ بہتر نظر آنے لگا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دی تھیں مگر ابھی نڈھال تھا اور اس کی حالت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہی تھا۔ رحمت نے اسے بوتل سے دودھ پلایا تھا لیکن وہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا

www.pklibrary.com

ہونے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ وراثت کا تجربہ کہتا تھا ڈیول نہیں بچ سکے گا لیکن اسے حقیقت بتانے کے بجائے اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا

''آپ نے یہ سب کیوں کیا۔ اس نے کیا بگاڑا تھا آپ کا۔ وہ تو ابھی ٹھیک سے بھونکتا بھی نہیں ہے۔ کاٹ تو وہ سکتا نہیں ہے۔ پھر یہ سب کیوں کیا آپ نے؟'' وہ درشتی سے پوچھ رہا تھا۔ لاریب کے چہرے کے تاثرات جو پہلے سخت تھے۔ وراثت کے بات پر ذرا سی دیر کو بدلے۔ وہاں رعونت کے بجائے نرمی چھلکنے لگی تھی پھر یک دم بے بسی چھا گئی اور پھر جیسے سخت دھوپ کو بادل کی کسی بدلی نے پچھاڑ ڈالا ہو۔ اس کے چہرے کے رعونت زدہ تاثرات کسی معصوم بچے کے چہرے کے تاثرات میں ڈھل گئے تھے۔ وہ روہانسی ہو چلی تھی

''کیا وہ مر گیا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں یک دم بھرتی دکھائی دینے لگیں۔ وہ یا تو بہت بڑی اداکارہ تھی یا پھر واقعی بہت معصوم تھی۔

''آپ کی بلا سے۔ آپ نے تو جان لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' وراثت اس کے نرم پڑتے رویے سے شیر ہوا تھا۔

''نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ مارنا نہیں چاہتی تھی میں۔ وہ تو بہت کیوٹ ہے۔''

وراثت کے اندازے کے برعکس اس نے ٹال مٹول کرنے کے بجائے اعترافی بیان دینا شروع کر دیا تھا۔ اب کی بار وہ بولی تو اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو بھی پھسل کر گالوں تک چلے آئے تھے۔ وہ اتنی نادم اور افسردہ نظر آنے لگی تھی کہ وراثت کو اپنے ذرا سے سخت لہجے پر بھی افسوس ہوا

''ہر غلطی کی سزا ہوتی ہے وراثت! سزا اچھی ہوتی ہے۔ اس سزا سے سبق سیکھنا چاہیے۔ میں اسے صرف سبق سکھانا چاہ رہی تھی۔ تاکہ وہ غلطی دوبارہ نہ کرتا۔ میرا ارادہ بُرا نہیں تھا۔ وہ میرا پیٹ تھا۔ مجھے محبت ہے اس سے۔''

وہ بول رہی تھی اور رو بھی رہی تھی۔ وراثت پشیمان سا ہوا۔ اسے یقین ہونے لگا تھا کہ اس کے بھائی کو ہی غلط فہمی ہوئی ہوگی ورنہ یہ لڑکی تو بہت معصوم نظر آتی ہے۔

''اس بے چارے نے کون سی گستاخی کر دی تھی آپ کی شان میں جس کی سزا دینا ضروری تھا؟'' وراثت کا لہجہ خود بخود بے حد نرم ہو گیا تھا۔ لاریب نے اس کا چہرہ دیکھا پھر سر جھکا کر بولی۔

''وہ سب جو مجھے اچھے نہیں لگتے۔ اور وہ سب جو مجھے اچھے لگتے ہیں۔ وہ جب دوست بننے لگتے ہیں تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔ یہی بات میں ڈیول کو سمجھانا چاہ رہی تھی۔ لیکن پتا نہیں کیسے۔ پتا نہیں۔''

وہ اب کی بار سر اٹھا کر اسے دیکھ کر بات کرنے کے بجائے زمین کو تکتے ہوئے بات کر رہی تھی۔ وراثت کو شبہ ہوا یہ، وہ لڑکی نہیں ہے جسے اس نے پہلے حویلی میں دیکھا تھا۔ وہ لڑکی جس نے اس کی گاڑی کی سیٹ کو کسی درندے کی طرح نوچ ڈالا تھا۔ وہ تو کسی معصوم بچے کی طرح انجان بنی بیٹھی تھی جو اپنی غلطی پر پشیمان نظر آتی تھی۔

''بہر حال اب ٹھیک ہے آپ کا ڈیول۔ دودھ پیا ہے اس نے۔ امید ہے کہ دو تین دن میں ٹھیک ہو جائے گا'' وراثت نے تسلی دینے والا انداز میں کہا۔

''میں اسے ایک بار دیکھ لوں۔ پلیز۔ صرف ایک بار۔'' وہ التجا کر رہی تھی۔ وراثت احمق نہیں تھا مگر اس کی التجا میں اتنی محبت تھی کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا بیٹھا۔ اس نے پہلے تسلی سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی موجود تو نہیں ہے پھر اسے ہمراہ لیے عقبی حصے میں آ گیا جہاں رحمت نے کتے کے پلے کو رکھا تھا۔ کمرہ حویلی کے آخری سرے پر تھا اور وہاں زیادہ روشنی بھی نہ تھی۔ اگر کوئی سمجھ دار لڑکی ہوتی تو کبھی یہاں نہ آتی لیکن لاریب کو ذرا پرواہ نہیں تھی۔ وراثت نے پلے کی ٹوکری اس کے سامنے کی۔ رحمت نے اسے میز کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ اس کی

www.pklibrary.com

حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ وہ اُدھ موا سا ٹوکری میں پڑا تھا۔ لاریب لپک کر اس کے قریب گئی

''اوہ مائی گاڈ۔ اوہ مائی گاڈ۔ اسے کیا ہو گیا وراثت۔ یہ مر چکا ہے؟'' وہ انتہائی بے چین ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وراثت نے اسے سر سے پیر تک دیکھا

''یہ مجھ سے پوچھ رہی ہیں آپ؟'' لاریب نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔

''آئی ایم سوری ڈیول۔ آئی ایم سو سوری۔ مجھے معاف کر دو پلیز۔'' اس کی ساری توجہ پلے کی طرف تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی ایک تواتر سے گرنے لگے تھے۔ وراثت کو ساری صورت حال سمجھ میں تو کم آ رہی تھی مگر دلچسپ بہت لگ رہی تھی۔

''بہت ہی مزیدار چیز ہیں آپ بی بی!۔ درد بھی خود دیتی ہیں۔ آنسو بھی خود بہاتی ہیں'' وہ دل چسپی سے اس کے چہرے کا طواف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ ٹھیک ہو جائے گا نا وراثت۔ اسے کسی ویٹ ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتے۔ پلیز اسے کسی کو دکھاؤ'' وہ درخواست کر رہی تھی۔ وراثت نے سر جھٹکا۔

''خان کو کیا بتائیں گے کہ اسے ہوا کیا ہے۔ کس نے اسے اس حال کو پہنچایا ہے۔ ویسے آپ نے کیا دیا ہے اسے کہ ایک رات میں ہی بس ہو گئی اس کی۔ اسی فیصد ختم ہو چکا ہے یہ'' وہ اطلاع دینے کے ساتھ اسے حبیب اللہ خان کا ڈراوا بھی دے رہا تھا

''ایسے مت کہو۔ اسے ابھی ڈاکٹر کو دکھلاؤ نا۔ میں خان بابا سے خود بات کر لیتی ہوں۔ ان سے اجازت لے آتی ہوں۔''

وہ مسلسل کتے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وراثت نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ خان تک بات پہنچتی تو انہیں ساری بات بتانی پڑتی اور اس صورت میں رحمت کا نام بھی آتا جو وہ چاہتا نہیں تھا۔

''آپ نے دیکھ لیا نا اسے۔ اب چلیں۔ میں نے آپ کو بتایا تو ہے کہ دوا دی ہے۔ ٹھیک نہیں ہوا تو میں خود مانسہرہ لے جاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے عجلت بھرے انداز میں کہا تھا۔ لاریب مزید رکنا چاہتی تھی لیکن وراثت نے اسے واپس جانے کے لیے مجبور کر دیا۔ وہ بہت دکھی دل کے ساتھ واپسی کے لیے مڑی تھی۔

''وہ مجھے معاف کر دے گا وراثت؟'' باہر کی جانب جاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ وراثت کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی

''کرنا تو نہیں چاہیے۔'' وہ اسے چڑانے کو بولا تھا۔

''ایسے مت کہو وراثت۔ میرا دل بہت بوجھل ہے۔ مجھے مزید دکھ مت دو پلیز۔'' وہ منت بھرے انداز میں بولی تھی۔ وراثت بنا کچھ کہے چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا۔ وہ خوب صورت تھی اور جب بھی معصوم نظر آتی تھی تو مزید دلکش لگنے لگتی تھی۔ وہ مزید چند لمحے اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا پھر اس نے جیسے خود کو تنبیہہ کی تھی۔

''سنبھل کر بیٹا۔ ہری حویلی کی مہمان ہے وہ۔'' وہ دو قدم پیچھے ہوا پھر ناصحانہ انداز اپنا کر بولا۔

''آپ یہاں سے جائیں اب۔ یہاں ملازم آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔ آپ فکر مت کریں۔ دو تین میں جب آپ کا ڈیول بشاش ہو جائے گا تو میں دے جاؤں گا آپ کو۔''

''دو تین دن میں ٹھیک ہو جائے گا وہ؟'' وہ اسی انداز میں پوچھ رہی تھی۔ وراثت کو اب اس طویل ہوتی ہوئی گفتگو سے الجھن ہوئی۔

''جی۔ میرا اندازہ تو یہی ہے کہ ہو جائے گا۔ ورنہ مانسہرہ لے جا کر ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔ بتائیں گے آپ

www.pklibrary.com

کا کارنامہ۔ مانسہرہ میں ایک اچھا ڈاکٹر ہے۔ ہو جائے گا وہ ٹھیک۔'' وہ اکتا کر بولا تھا۔

لاریب بناء کچھ کہے کپڑے جھاڑتے ہوئے اسی سمت جانے لگی جہاں سے آئی تھی پھر جانے کیا یاد آیا کہ دو قدم مڑ کر وراثت کے قریب آئی

''تم بہت اچھے ہو وراثت۔'' اب کی بار وراثت کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکا تھا۔

''تم واقعی اچھے لگے ہو مجھے۔ جو مجھے اچھے لگتے ہیں۔ انہیں میں اپنا دوست مانتی ہوں۔ اسی لیے ریکویسٹ کر رہی ہوں۔ ڈیول کا خیال رکھنا پلیز۔'' وراثت نے سینے پر ہاتھ باندھ کر دلچسپی سے اس کی درخواست کو سنا پھر سر ہلایا۔ ہری حویلی اس کے لیے یکدم سنہری ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

دوپہر کے رخصت ہوتے اور شام کے اترتے ہی ہری حویلی میں کافی سکون چھا گیا تھا۔ سب لوگ ہی جو صبح والے واقعہ کے زیر اثر تھے اب جیسے نارمل ہو کر اپنی اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے تھے۔

حبیب اللہ خان جب اپنی خواب گاہ سے نکل کر سیاحوں والے حصے کی طرف گئے تو ماسی حبیبہ نے رات کے کھانے کے لیے سب کا پسندیدہ بکرے کی ہڈیوں کا شوربا لکڑیوں پر چڑھا دیا تھا۔ انہیں سب کا مزاج اعتدال پر لانے کا یہی ایک بہترین ٹوٹکہ آتا تھا سو وہ اس میں مشغول ہو گئی تھی۔

لاریب بھی دوبارہ اس طرف نہیں آئی تھی۔ خوش الحان نے بھی چند گھنٹے بعد جب آ کر خود اپنے لیے اوون میں ہاٹ چاکلیٹ بنا کر نوش فرمالیا تو سب کچھ یکدم ایسے ہو گیا تھا جیسے صبح کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ایک گلے ہی تھی جسے ساری صورت حال سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ ایک مکمل مشرقی عورت تھی جس کی دنیا شوہر اور شوہر کے بچے تک محدود رہی تھی۔ اس کی دنیا ان سے شروع ہو کر ان پر ہی ختم ہو جایا کرتی تھی۔

حبیب اللہ کی اتنی قدر کرتی تھی وہ کہ کبھی اس کے کھانا کھا لینے سے پہلے کھانا نہ کھایا تھا۔ وہ تو حبیب اللہ کی پیشانی پر تیوری دیکھ کر بھی آیت کریمہ کا ورد شروع کر دیتی تھی کہ شاید کسی کاروباری پریشانی نے مجازی خدا کا مزاج برہم کر رکھا ہے۔ اب جو انکشاف اس پر ایک ایک کر کے ہوئے تھے، اس نے اس کا دل کھٹا کر دیا تھا۔ اسے ہر چیز سے بیزاری ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جس حویلی کو ایک عرصہ سے جنت سمجھ رہی تھی وہ یکدم جہنم میں ڈھل گئی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ ایک بالشت بھر کی لڑکی نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ وہ تو ایک مستقل خطرہ تھی ہی لیکن زیادہ پریشانی اسے اس لڑکی کی ماں اور اپنے مجازی خدا سے ہونے لگی تھی۔

ایک طرف وہ اس محاذ پر دل ہی دل میں برسر پیکار تھی تو دوسری جانب لاریب کے الزام نے اس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ اس سادہ مزاج عورت کے لیے یہ سب برداشت کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا۔ سب کے نارمل ہو جانے کے بعد بھی وہ بولائی بولائی اِدھر اُدھر پھرتی رہی پھر جب تھک گئی تو دوبارہ سے ماسی حبیبہ کے پاس آ بیٹھی۔ اس کا سوپ تیاری کے مراحل میں تھا۔ اس نے گلے کو دیکھا تو نمک مرچ کی جانچ کی غرض سے پیالہ بھر کر آگے رکھ دیا۔

''مجھے تو زہر لا دو ماسی۔'' وہ چڑ کر بولی۔ ماسی حبیبہ اتنی دیر میں پیالہ رکھ کر واپس چولہے کی طرف رخ کر چکی تھی۔ گلے کے منہ سے جو بھی نکلا تھا، اسے سنائی نہ دیا تھا۔ وہ پھر پلٹ کر آئی اور بتانا ضروری سمجھا۔

''ڈالی ہے دار چینی۔'' گلے نے دل مسوس کر اسے دیکھا۔ ساری حویلی میں ایک وہی تھی جو اس کا درد سمجھتی تھی مگر وہ اونچا سنتی تھی۔ اس سے دل کی بات کرنے کا مطلب تھا۔ ساری حویلی سے بات کرنا۔

''یہ لے جاؤ۔ مجھے نہیں چاہیے۔'' گلے نے بلند آواز میں کہا اور پیالی گھسیٹ کر اس کی سمت کی تاکہ وہ اٹھا لے۔ ماسی نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ یہ اس کے پکائے کھانے کی تذلیل تھی۔ اس نے سخت

www.pklibrary.com

ناراضی کے عالم میں پیالہ اٹھایا تھا۔

''اس کم ظرف کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ اسے گود میں چھپا کر لاڈ کریں گے۔ مگر ہم سے ایسا سلوک کریں گے جیسے ہم عادی مجرم ہوں۔ ہمت ہے تو اس کو بلاؤ۔ دو تھپڑ لگاؤ اور پوچھو کہ خبیث کا بچی چاہتی کیا ہے۔ کیا کرنے آئی ہے یہاں۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو شوربے کو انکار مت کرو۔ یہ آنے والے دنوں میں تم کو طاقت دے گا۔ ابھی وہ ایک ہے۔ کل کو تمہارے پوتے اس کی گود میں ہوں گے۔ تب بھی کیا کھانا چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گی۔''

ماسی پشتو میں مسلسل بڑبڑاتی چلی جا رہی تھی۔ گلے کو شرمندگی بھی ہوئی۔ ماسی حبیبہ کی عمر کا لحاظ کر کے سب لوگ اس کی کھانے کی دی گئی چیز کو واپس نہیں موڑتے تھے۔ وہ اسی طرح ناراض ہو جایا کرتی تھی جیسے اب ہو رہی تھی۔ ماسی حبیبہ ہی وہ گھر کی واحد ملازمہ تھی جسے اس نے خوش الحان اور لاریب کے نکاح کے متعلق بتایا تھا۔ وہ اسی بات کا حوالہ دے رہی تھی۔

''گلے خانم۔ تم خان کو نہیں سمجھا سکتیں۔ بڑا ضدی ہے تمہارا مرد۔ مگر اس کل کی لونڈی کو سمجھا سکتی ہو تم۔ تم سے عمر میں آدھی ہے وہ۔ اس سے بات کرو۔ چاہتی کیا ہے وہ۔ بچی ہے۔ سمجھ جائے گی۔ پھر غلطیاں نہیں کرے گی۔ لیکن شوربے سے انکار مت کرو۔ مجھے تم کو ایسے دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔ تم ایسے ہاتھ چھوڑ کر بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ تم تو کسی ٹوٹی ہوئی چیز کو بھی حویلی سے باہر پھینکنے سے پہلے چار دفعہ مرمت کروانے کی عادی رہی ہو۔ اس کے پاس جاؤ۔ مرمت کرواس کی۔ پھر بھی فائدہ نہ ہو تو باہر پھینک دینا اسے مگر شوربا پی لو۔ اس کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ آ جائے گا۔''

ماسی کے شوربے کی بے حرمتی ہوئی تھی۔ اب ماسی کو روکنا مشکل تھا لیکن گلے کے دل کو اس کی بات لگی۔ وہ واقعی اتنی کم حوصلہ تو نہیں تھی۔ جب بیماری دنیا بھی کسی چیز یا عمل کے لیے مایوسی کا اظہار کر دیا کرتی تھی تب بھی گلے اس میں روشن پہلو نکال لایا کرتی تھی۔ اب بھی اگر خان لاریب کی ماں سے اپنے دلی جذبات کا اظہار نہ کرتا تو شاید وہ اس سے اتنی مایوس بھی نہ ہوتی مگر اس بات نے اسے سب سے متنفر کر دیا تھا۔

وہ ماسی کی بڑبڑاہٹ کے دوران ہی اپنی جگہ سے اٹھی پھر وہی پیالہ جس میں سے ماسی نے سوپ واپس پتیلے میں انڈیل دیا تھا اٹھا کر اس میں سوپ ڈالنے لگی۔

''تم نے پہلے بھی غلط کہا سنا کیا یا پکایا ہے۔ سب ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' پیالے کو خوب بھر کر وہ ماسی کا چہرہ دیکھے بنا واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی تھی۔ گرم سوپ سے اٹھتے دھوئیں کے مرغولے اس کے ذہن میں الجھتے سوچ کے مرغولوں کو مزید ہوا دینے لگے تھے۔

☆☆☆

ارباب نے سارا دن کتاب کھولی تھی نہ لیپ ٹاپ آن کر کے اسائنمنٹ بنانے کی کوشش کی تھی مگر رات ہوتے ہی اسے یاد آنے لگا تھا کہ ایک ضروری اسائنمنٹ صبح جمع کروانی تھی۔

اس نے اپنے بیڈ پر لیپ ٹاپ رکھا۔ کتابیں ارد گرد بکھیریں موبائل پر کورین گانا لگایا اور ہینڈز فری کانوں میں اڑس کر بیڈ پر گر گیا۔ چند لمحے گانے کے نہ سمجھ میں آنے والے بول پر غور کرتا رہا پھر اسے بھوک کا احساس ہوا تو بیل گم ڈھونڈنے کے لیے جینز کی جیب پر ہاتھ مارا۔ وہ خالی تھی۔ سرہانے کے نیچے بھی اکثر ایسی کوئی چیز رکھی مل جاتی تھی کیونکہ اسے اور خوش الحان کو پڑھتے ہوئے کچھ نہ کچھ کھاتے رہنے کی عادت تھی۔ وہاں بھی کچھ نہیں ملا تھا۔

اس نے دراز کھول کر ہاتھ مارا تو وہ اوراق پھر سامنے آ گئے جو لاریب کے سامان سے گرے تھے۔ دوپہر کو اس نے انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن غیر ارادی طور پر وہ ان کاغذات کو بغور دیکھنے لگا۔ وہ کسی ہیلتھ کلینک یا

www.pklibrary.com

کسی ڈاکٹر کے نسخے لگ رہے تھے۔ اس نے دھیان سے دیکھا۔ اسے اندازہ ہوا کہ وہ کسی ری ہیب (جہاں پر عادی نشہ آور لوگوں کا علاج کیا جاتا ہے) سنٹر کی ادائیگی کی رسیدیں تھیں۔ لاریب ڈرگز لیتی تھی یہ تو اسے پتا تھا لیکن اس کا کبھی علاج ہوتا رہا ہے یہ اسے خبر نہیں تھی۔ اس نے مزید تسلی سے ان کاغذات کو جانچنا شروع کر دیا۔ وہ پڑھنے کی نیت سے کمرے میں آیا تھا لیکن اب پڑھنے کے بجائے وہ ایک بار پھر لاریب کے سامان والے کارٹن کو کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ ان کاغذات نے اسے ایک نئے مشن پر لگا دیا تھا۔

☆☆☆

''یا اللہ۔ ڈیول کو کچھ نہ کرنا۔ وہ مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔ پلیز اسے کچھ نہ ہو۔'' وہ صوفے پر ٹانگیں سمیٹ کر دھنسی بیٹھی دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے جانے کب سے ایسے ہی دعائیں مانگے جا رہی تھی۔ جیکٹ کی ہڈ سے سر ڈھک رکھا تھا۔ چہرے پر اس قدر ملال تھا کہ کوئی بھی دیکھتا تو پہچان نہ پاتا کہ یہ وہی لاریب ہے جو سب کو زِچ کر دینے کی ماہر ہے۔

ڈیول کی حالت نے اسے پشیمانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ یہ اس کے ساتھ بچپن سے ہوتا تھا۔ اسے بے حد غصہ آتا تھا۔ وہ چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیتی تھی یا انہیں توڑ دیا کرتی تھی۔ ذرا بڑی ہوئی تو چیزوں کے ساتھ یہ غصہ اپنی ذات پر نکلنے لگا۔ ذرا سا مزاج برہم ہونے پر وہ اپنے گال نوچ لیتی تھی، بال کھینچ کھینچ کر سر میں درد کر لیا کرتی تھی اور اتنی زور زور سے پاؤں زمین پر پٹختی کہ پاؤں سرخ ہو جایا کرتے تھے۔

اور پھر یہ صورت حال ہو گئی کہ غصے میں وہ جو سامنے ہوتا تھا اس پر چڑھ دوڑتی تھی۔ اس سے انکار برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اپنی ذات کی نفی اسے پاگل کر دیتی تھی اور اس پاگل پن میں وہ اس قدر اذیت پسند ہو جاتی تھی کہ کسی کی بھی جان لینے کی حد تک جا سکتی تھی لیکن جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو وہ پچھتاوے کا شکار ہونے لگتی تھی۔ ٹوٹی چیزوں کو جوڑنے اور بریدہ کاغذات کو چپکانے کی کوشش کرنے لگتی تھی۔ غصے میں روا رکھے گئے بُرے سلوک کے ازالے کے طور سہیلیوں کے لیے مہنگے تحفے تحائف خریدتی تھی۔

ملازمین کو باہر سے کھانے منگوا منگوا کر کھلایا کرتی تھی لیکن جب دوبارہ غصہ آ جاتا تھا تو سب بھول بھال پھر سب کے لیے باعثِ آزار بننے میں لمحہ نہ لگاتی تھی۔ اب بھی ڈیول کے ساتھ اس قدر وحشیانہ سلوک کے بعد اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔ اس نے پلا بہت چاؤ سے لیا تھا۔ اسے جانوروں سے لگاؤ بھی بہت تھا مگر خوش الحان کی وجہ سے سب کچھ الجھ گیا تھا۔ اس نے خان بابا سے خوش الحان کی شکایت لگا کر اپنے تئیں اس کو تو سزا دے دی تھی مگر ڈیول کے ساتھ کیا گیا سلوک اسے پشیمانی میں مبتلا کر رہا تھا۔ اسے جب سے دیکھ کر آئی تھی بس دعا ہی مانگتی جا رہی تھی۔

اس کا دھیان کسی اور طرف نہیں تھا تب ہی اسے دو بار دروازے پر دی جانے والی دستک بھی سنائی نہ دی تھی۔ گلے جب دروازہ کھول کر اندر آ گئی تو اسے پتا چلا۔ اس نے فوراً دعا کے لیے اٹھائے گئے ہاتھ نیچے گرا لیے تھے۔ گلے چند لمحے اسے دیکھتی رہی جیسے مخاطب کرنے کے لیے الفاظ جمع کر رہی ہو۔ لاریب نے کنفیوژ ہو کر خود ہی بات شروع کر دی تھی۔

''آپ یہاں بیٹھ جائیں گلے۔ یہ جگہ کافی کوزی ہے۔'' وہ اسے آتشدان کے پاس بیٹھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

گلے نے ایک نظر آتش دان کے پاس پڑی کرسی کو دیکھا پھر گہری سانس بھر کر وہاں بیٹھنے کے بجائے اس کے پاس صوفے پر آ بیٹھی۔ اسے خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات کرے اور کیسے کرے۔ یہی حالات لاریب کے تھے۔ اسے خدشہ تھا کہ گلے اسے خوش الحان والی بات پر ڈانٹے گی۔ اسے ڈانٹ سے ڈر نہیں لگتا تھا لیکن ابھی

www.pklibrary.com

اس کا دل صرف ڈیول میں اٹکا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ ڈیول جلد از جلد ٹھیک ہو جائے۔ وہ اس حالت میں تھی کہ اب ہر غلطی ہی پشیمانی میں مبتلا کر رہی تھی۔

''آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے؟'' جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یہی پوچھ بیٹھی۔ گلے اس کے مسلسل انگلیاں چٹخانے کے عمل سے الجھ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے اس کے ہاتھوں کے اس عمل کو روک دے۔

''نہیں..... ہاں..... وہ..... کیا کر رہی تھیں تم۔ کچھ پڑھ رہی تھیں؟'' گلے کو بھی بس یہی سمجھ میں آئی سو یہی پوچھ لیا۔

''ہیں..... نہیں..... ہاں۔'' لاریب اس سے بھی زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

''کیا پڑھ رہی تھیں۔ تمہارے ہاتھ میں تو کتاب نہیں ہے۔'' گلے نے اس کی توجہ اس کے ہاتھوں کی جانب مبذول کروانی چاہی۔

''وہ۔ میں قران پڑھ رہی تھی۔ سورتیں وغیرہ۔ دعا مانگ رہی تھی نا۔'' لاریب نے سابقہ انداز میں بتایا۔ گلے نے کچھ کہے بنا استفہامیہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھا۔

''ڈیول کے لیے مانگ رہی تھی گلے۔ وہ..... بیمار ہے۔ بہت زیادہ۔'' اس نے خود ہی بتایا۔

گلے جانتی تھی کہ اس نے پلے کا نام ڈیول رکھا ہے لیکن اسے ہوا کیا ہے یہ گلے نہیں جانتی تھی۔

''اچھا۔ کیسے۔ کتے اتنی جلدی بیمار تو نہیں ہوتے۔ خان کے سب کتے اچھی نسل کے ہیں؟''

گلے کو حیرت ہوئی تھی۔ لاریب کچھ کہتی کہتی چپ ہو گئی۔ وہ یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ پلا بیمار ہو نہیں تھا بلکہ کیا گیا تھا۔ اسے نیند کی ڈھیروں گولیاں اسی نے پیس کر کھلا دی تھیں مگر یہ سب یاد کر کے اس کا اپنا دل کانپنے لگتا تھا۔

''مجھے لگتا ہے وہ مرنے والا ہے گلے۔ میرا دل کہہ رہا ہے وہ مرنے والا ہے۔'' وہ بات کرتے کرتے رکی تھی

''نہیں نہیں بچی۔ نہیں مرتا۔ وراثت کو دکھاؤ۔ وہ بہت سمجھ دار ہے ان معاملات میں۔ اسے بہت تجربہ ہے کتے پالنے کا۔ اگر جانور ست ہے تو وراثت کو بولو کوئی دوا دے دے۔ صبح تک بھلا چنگا ہو جائے گا۔'' گلے نے مشورہ دیا تھا۔

لاریب نفی میں سر ہلاتے ہوئے عجیب میکانکی انداز میں اس کے قریب ہوئی۔ پہلے اس کا ہاتھ تھاما اور پھر گلے سے لگ گئی۔

''نہیں گلے۔ وہ نہیں بچے گا۔ مجھے پتا ہے۔ لیکن اسے مرنا نہیں چاہیے گلے۔ اسے نہیں مرنا چاہیے۔ آپ دعا کریں اسے کچھ نہ ہو۔ وہ بہت پیار کرتا تھا مجھ سے۔ میری گود میں کھیلتا تھا۔ وہ مر گیا تو میرے ساتھ کون کھیلے گا۔ مجھ سے تو پہلے بھی کوئی پیار نہیں کرتا۔ ڈیول بھی مر گیا تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔ بہت زیادہ۔ آپ پلیز دعا کریں نا۔''

وہ بات کرتے کرتے اونچی آواز میں رونے لگی تھی جیسے چھوٹے بچے روتے ہیں۔ گلے نے یہ دھوپ میں بارش جیسا منظر پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ وہ حیرانی کے عالم میں اسے دیکھتی رہی کہ وہ ڈراما کر رہی ہے یا واقعی کتے کی تکلیف سے اس قدر تکلیف میں ہے مگر جب لاریب مسلسل روتی رہی تو گلے نے نہ چاہتے ہوئے اسے بازوؤں کے حلقے میں بھر لیا تھا۔ اس پہیلی جیسی لڑکی کو سمجھنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اسے تو بس روتے ہوئے انسان کو چپ کروانے کا یہی طریقہ آتا تھا کہ اس سے ہمدردی جتا لو۔ اس کے آنسو سمیٹ لو۔ وہ یہی کر رہی تھی۔ وہ یہی کر سکتی تھی۔

☆☆☆

''گلے اب تم اس طرح منہ لٹکا کر میرے پاس مت بیٹھو۔ میں نے کوئی چیز اٹھا کر اپنے سر میں مار لینی ہے۔''

•

www.pklibrary.com

خوش الحان نے چڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کب سے اس کے پاس بیٹھی تھی مگر منہ سے کچھ کہنے کے بجائے اس کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔ خوش الحان واپسی کی غرض سے سامان باندھ رہا تھا۔ رحمت سے بات کر کے وہ کافی مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے احتیاطاً پلے ڈیول کی کئی تصاویر بھی بنالی تھیں تاکہ بعد میں ضرورت پڑنے پر خان بابا کو ثبوت کے طور پر دکھائی جا سکیں لیکن فی الحال وہ اس موضوع پر خاموش رہنا چاہتا تھا۔

اسے ایک بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ فی الوقت اس کا مضبوط رہنا ضروری تھا۔ اس نے بہت دن جل بھن کر دیکھ لیا تھا۔ وہ کڑھ کڑھ کر تھک گیا تھا اور اب اسے احساس ہونے لگا تھا کہ یہ مسئلہ ایسے نہیں سلجھے گا۔ وہ ایک ایسی کشمکش میں پھنسا تھا جس میں اس کے حریف اس کے اپنے تھے اور اپنوں سے لڑائی لڑنے کے لیے اعصاب کا سخت ہونا بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔

اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اب کسی بہتر منصوبہ بندی کے بعد ہی خان بابا سے بات کرے گا لیکن گلے یہ بات نہیں سمجھتی تھی۔ وہ کب سے اس کے پاس افسردہ چہرہ بنائے بیٹھی تھی اور ایک ہی جملہ بولے جا رہی تھی۔

"میرا دل بہت بوجھل ہے خوش۔ بہت زیادہ۔ چیزیں بہت الجھتی جا رہی ہیں۔" خوش الحان نے اس کی جانب دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑی شرٹ اپنے باقی بکھرے سامان پر پھینک کر اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"گلے! اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہو۔ کیا بابا پہلے ایسے انسان ہیں جن سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ یا ہماری خوشیاں ایسی خوشیاں تھیں جو پلٹ کر واپس نہیں آ سکتیں۔ انہوں نے ہم سے زندگی نہیں چھینی۔ ہماری زندگی ابھی ہمارے پاس ہے۔ ہم کچھ سوچ سکتے ہیں۔ کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم بابا کو سمجھا سکتے ہیں کہ اس مصیبت کو زندگی سے نکالا جا سکتا ہے۔ وہ ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہے۔ وہ ہمارا خون نہیں ہے کہ رگوں سے نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ ہم لاریب سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں گلے!"

وہ اتنے عرصے میں پہلی بار کچھ پُر امید نظر آیا تھا۔ گلے نے اس کا چہرہ دیکھا پھر وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ لاریب کے کمرے سے آ جانے کے بعد بھی جیسے اس کا دل وہیں کہیں رہ گیا تھا۔ اس نے آج تک کسی لڑکی کو کسی جانور کے لیے اتنا پریشان نہ دیکھا تھا۔ وہ ایسے بلک رہی تھی جیسے اس کا کوئی پیارا اس سے بچھڑ گیا ہو۔ یہ ایک حیران کن امر تھا۔ گلے کو لاریب ہمیشہ ایک بے رحم احساس سے عاری لڑکی لگتی تھی لیکن ایک کتے کے لیے اس کی ایسی بے چینی سمجھ سے باہر تھی۔

حویلی میں بے شمار کتے تھے اور خان سمیت اس کے سب ملازمین کو کتوں سے محبت بھی بہت تھی۔ یہ کتے موسم کی شدت سے بیمار بھی پڑتے رہتے تھے پھر خود ہی تندرست بھی ہو جاتے تھے لیکن جانور کی بیماری پر ایسا رونا دھونا آج تک کسی نے نہ کیا تھا۔

"گلے! یوں خاموش مت رہو۔ پلیز میری ہاں میں ہاں ملاؤ۔ کہو کہ یہ ممکن ہے۔ کہو کہ ہم یہ کر لیں گے۔ کہو کہ سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔" وہ چپ بھی نہ ہوا تھا کہ گلے اس کے گلے لگ گئی۔

"میرے بچے۔ یہ کس مصیبت میں پھنس گئے ہو تم۔ میرا دل بہت دکھتا ہے تمہارے لیے۔ دل تو چاہتا ہے کہ خان کی شکل بگاڑ دوں۔ ان سے عمر بھر بات نہ کروں۔"

یہ طمانیت بھری مسکراہٹ اس بات کی علامت تھی کہ وہ گلے جیسے سوتیلی ماں کی محبت کے حصار میں تھا۔ اس نے اس کے گرد اپنی بازو کس دی تھیں۔

"یہ ڈراما میرے سامنے نہیں چلنے والا گلے! مجھے تمہارا پتا ہے۔ بابا نے ایک بار تمہیں تمہارے مکمل نام سے پکارا تو تم بھول جاؤ گی کہ تم ان کی نہیں میری ٹیم میں ہو۔ زیادہ رو دھو کر مجھے اپنی وفا کا یقین مت دلاؤ۔ میں ایسی باتوں سے بہلنے والا نہیں ہوں۔"

www.pklibrary.com

اتنے دنوں بعد وہ اس انداز میں گلے سے بات کر رہا تھا جس انداز میں ہمیشہ کرتا آیا تھا۔

''ایسا نہیں ہوگا خوشل۔ میں تمہاری ٹیم میں ہوں۔ لیکن میں تھک گئی ہوں۔ میں بوڑھی ہوگئی ہوں خوشل! مجھ سے کچھ ٹھیک کیوں نہیں کیا جا رہا۔ میں کوشش کرتی ہوں مگر.....'' وہ تذبذب میں بولی پھر آس سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ہم چند دن کے لیے تمہارے ماما کے یہاں گاؤں چلیں۔ شاید ہماری غیر موجودگی میں سب ٹھیک ہو جائے۔'' خوش الحان کو یہ تجویز ایک آنکھ نہ بھائی۔

''نہیں گلے۔ ہم کیوں اپنا گھر چھوڑ کر جائیں۔ ہم یہاں ہی رہیں گے۔'' وہ پُرعزم لہجے میں بولا تھا۔ گلے زیادہ متاثر نہ ہوئی تھی۔

''اگر ہم یہاں رہیں گے تو وہ کہاں جائے گی۔ کس کے پاس رہے گی؟''

یہ سوال نہیں تھا یہ ایک سوچ تھی جو گلے کے چہرے پر رقم تھی۔ وہ خوش الحان سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی الجھن اور پریشانی رقم تھی۔

''یہ ہمارا دردِ سر نہیں ہے گلے۔ جہاں بھی جائے۔ جس کے ساتھ بھی رہے۔ لیکن ہری حویلی میں نہیں رہے گی۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔'' وہ سابقہ انداز میں بولا تھا پھر اس نے گلے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''تم اس بارے میں مت سوچو۔ اس کے ماں باپ زندہ ہیں۔ وہ خود سوچ لیں گے اس کے بارے میں۔ تم میرے بارے میں سوچو۔ میری تو ماں بھی نہیں ہے اور میرا باپ مجھے جلد عاق کرنے والا ہے۔'' وہ ہنس بھی رہا تھا لیکن گلے مسکرائی تک نہ تھی۔

''اس بے چاری کو کب ملا ہے ماں باپ کا پیار اور مان۔ اس کے ماں باپ نے تو کبھی ماں باپ ہونے کا فرض ادا نہیں کیا۔ ورنہ وہ تمہارے باپ کی گود میں کیوں پلتی؟'' خوش الحان نے ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔

''گلے اسی لیے میں تم پر یقین نہیں کرتا۔ تم منٹ سے پہلے اپنی ٹیم بدل لیتی ہو۔ ابھی تم نے پوری طرح میری فکر کی نہیں تھی کہ تمہیں اس چڑیل کی پریشانی بھی لاحق ہوگئی۔ جاؤ ہمارے کام کی نہیں ہو تم۔'' وہ کہہ تو مذاق میں رہا تھا مگر اسے واقعی بُرا لگا تھا۔ گلے نے ایک بار پھر اسے گلے سے لگایا۔

''تم تو میرے بچے ہو۔ میرے جگر کا ٹکڑا۔ لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں جو اس کے لیے بھی دُکھتا ہے۔ اس کو بھی اس حال میں دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں پتا نہیں کیا کچھ سہہ کر اس حال کو پہنچ گئی ہے کہ اب سب کو چیر پھاڑ کر ہی خوش ہوتی ہے۔ بنی تو مٹی کی ہے نا۔ لیکن جلاتی آگ کی طرح ہے۔ آخر مٹی سے آگ بننے میں اس نے بھی تو سہا ہوگا کچھ۔''

''چھوڑو بھی گلے۔ ہمیں کیا۔ مٹی آگ بنے یا سونا۔ ہم نے جس راستے پر نہیں چلنا۔ بس نہیں چلنا۔ یہ طے ہے۔ اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم مجھے اچھا سا ڈنر کرواؤ۔ اپنے ہاتھ سے میری پسندیدہ مٹن کڑاہی بناؤ۔ میں افغانی روٹی لے کر آتا ہوں۔ ہم دونوں آج پارٹی کریں گے۔''

وہ دروازے پر لگے ہک سے اپنی جیکٹ اتارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ گلے کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ واقعی اس قدر مطمئن ہے یا اسے مطمئن کرنے کے لیے ڈراما کر رہا ہے۔ وہ اسے حیران پریشان چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

''یار! تم بہت بے مروت انسان ہو۔ یہاں میں تمہاری خاطر سامان ڈھو رہا ہوں۔ بسوں میں سفر کر رہا ہوں۔ تمہارے سسر کی اناپ شناپ باتیں ہضم کر رہا ہوں اور تم ایک فون اٹھانے کے روادار نہیں ہو۔''

www.pklibrary.com

وہ حویلی سے پیدل ہی نکلا تھا۔ ذرا فاصلے پر ایک چھوٹی سی دکان تھی جہاں سے موبائل لوڈ وغیرہ ہو جاتا تھا۔ اپنی مطلوبہ چیزیں خرید کر اس نے لوڈ کروا کر ارباب کو کال ملائی تھی۔ صبح سے اس کے پانچ سو واٹس ایپ میسجز موصول ہو چکے تھے۔ اس نے میسج کرنے کے بجائے کال کرنا مناسب سمجھا لیکن ارباب نے فون اٹھاتے ہی جیسے حملہ کیا تھا۔

''تم ہر وقت آندھی کی رفتار سے چلتے ہو یا جب مجھ سے بات کرتے ہو تب یہ مہربانی فرماتے ہو؟'' خوش الحان نے عادت کے مطابق ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

''اوہو۔ لگتا ہے اپنے آباواجداد سے صلح ہو گئی ہے تمہاری۔ اپنے ابا کی گود میں بیٹھ کر تو کال نہیں کر رہے پاپا زبوائے!''

''بکو مت اور یہ بتاؤ کہ کیا کام ہے۔ کیوں یاد آ رہی تھی میری؟'' خوش الحان نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا تھا۔

''اتنا بُرا وقت تو اللہ میرے دشمنوں پر بھی نہ لائے کہ تمہیں یاد کروں۔ شہر میں حسیناؤں کی کمی ہے۔ جب میں ان کو یاد نہیں کرتا تو تم کیا چیز ہو خان زادے؟'' ارباب کی آواز میں وہی ازلی شوخی تھی۔

''یار۔ کام کی بات کرو۔ یہاں ویسے بھی سگنلز کا بھروسا نہیں ہوتا۔ کب کال کٹ جائے۔ پتا نہیں۔ تمہیں کوئی ضروری بات کرنی ہے تو کرو۔ ورنہ میں کاٹ رہا ہوں کال؟'' وہ اکتا کر پوچھ رہا تھا جبکہ ارباب کو انتہائی ایمرجنسی میں بھی سنجیدہ نہ ہونے کا عارضہ تھا۔ وہ خُرنت بولا۔

''اچھا۔ اچھا کال مت کٹ کرو۔ بس دو باتیں پوچھنی تھیں۔ ایک یہ کہ تم کیسے ہو۔ دوسرا ہماری بھابھی جی کیسی ہیں؟''

وہ شرارتی لہجے میں مزید بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن خوش الحان نے اُکتا کر کال کٹ کر دی اور پھر پیدل چلتے ہوئے اسی کے میسجز چیک کرنے لگا جو صبح سے چیک نہ کیے تھے۔ وہ کافی زیادہ میسجز تھے لیکن سب بے سروپا اور بے کار باتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ گیلری سے اٹھا اٹھا کر پرانی تصویریں۔ واٹس نوٹس اور ایموجیز کی بھرمار تھی جو ارباب نے اسے بھیج رکھی تھی۔ انہی میں وہ تصویر بھی تھی جس میں ارباب نے لاریب کی ڈائری نمایاں کر کے دکھائی ہوئی تھی۔

خوش الحان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ اس تک کیسے پہنچی۔ اس نے واٹس نوٹس سنے نہیں تھے۔ اسے یقین تھا کہ واٹس نوٹس میں بھی ارباب نے اتنی بے سروپا باتیں اسے بھیج رکھی ہوں گی۔ وہ صرف تصویری میسجز دیکھتا جا رہا تھا اور چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔ حویلی کے گیٹ کو کراس کر کے جب وہ اندر والے حصے کی طرف جانے لگا تو خیال آیا کہ پلے کو بھی ایک نظر دیکھتا جائے۔ یہی سوچ کر وہ دائیں جانب مُڑ گیا تھا۔

وہاں صرف ایک ننھا سا سنہرا بلب روشن تھا۔ وہ اپنے دھیان میں موبائل میں گم اس کمرے کی جانب چلتا چلا گیا تھا جہاں پلے کو رکھا گیا تھا لیکن کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہاں سے آنے والی آوازوں نے اس کے قدم روک لیے تھے۔ کوئی بے تحاشا رو رہا تھا۔ ایک ساعت کے لیے خوش الحان پہچان نہیں پایا کہ وہ کون ہے۔ اسی لیے وہ تیزی سے کمرے کی جانب بڑھا تھا لیکن لاریب کو کمرے کے عین وسط میں کھڑا دیکھ کر اس کے قدم سست پڑ گئے تھے۔ وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی جبکہ پلا اس نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا۔ وہاں کوئی اور موجود نہیں تھا۔ اسے اس لڑکی سے اس قدر اکتاہٹ محسوس ہوتی تھی کہ وہ اسے مخاطب کرنے میں بھی ہتک محسوس کرتا تھا۔ لاریب اسے دیکھ کر مزید روتے ہوئے کچھ بولی تھی۔ وہ اسے ہی کچھ بتا رہی تھی۔ وہ دو قدم مزید اٹھا کر کمرے کے درمیان میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے اس کی گود میں موجود پلے کو دیکھا تو اسے احساس ہوا تھا کہ وہ مر چکا

www.pklibrary.com

ہے۔اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور منہ سے نیلے رنگ کا مواد نکل رہا تھا۔

''ڈیول مرگیا خوش الحان۔مرگیا میرا ڈیول۔''

اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ بمشکل سمجھ میں آئے تھے۔وہ روتے ہوئے اس کے قریب آئی تھی اور پلے کو اس کے سامنے کیا تھا۔وہ دیکھ چکا تھا کہ پلا واقعی مر چکا تھا۔خوش الحان نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اس کی گود سے لے کر واپس ٹوکری میں ڈال دیا۔

اسی دوران رحمت بھی اس طرف آگیا تھا۔اگلے چند لمحوں میں وراثت اور خان بابا بھی وہاں آگئے تھے۔لاریب کی آہ وزاری نے سب کو وہاں اکٹھے ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

حبیب اللہ خان کو سارے قصے کا علم نہیں تھا لیکن انہوں نے سب سے پہلے لاریب کو وہاں سے ہٹانے کی غرض سے خوش الحان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔وہ جز بز ہو کر اس ''چڑیل'' کی جانب بڑھا تھا۔

''آؤ لاریب۔اندر چلیں۔''اس نے بہت مشکل سے یہ جملہ بولا تھا پھر مزید کچھ کہے سنے بنا اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے اسے باہر کی جانب چلنے پر آمادہ کرنے لگا۔حیرت انگیز طور پر وہ کسی حیل وحجت کے بنا اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔کمرے اور تنگ راہداری سے نکل کر خوش الحان نے حقارت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر چھڑانا چاہا مگر لاریب نے اسے مزید سختی سے پکڑ لیا تھا۔

''مرنا تو مجھے چاہیے تھا۔وہ معصوم کیوں مرگیا خوش الحان۔کیوں مرگیا وہ۔میں نے تو بہت دعائیں مانگی تھیں اس کے لیے۔''

وہ بڑبڑائے جا رہی تھی۔ڈیول کے مرنے کا افسوس اسے بھی تھا۔حویلی میں پہلے بھی پلے مر جایا کرتے تھے لیکن اس طرح سے کسی پلے کو بھی مارا نہیں گیا تھا۔وہ بھی افسردہ تھا مگر جو محترمہ قصوروار تھیں،ان کا یہ واویلا سمجھ سے باہر تھا۔خوش الحان ناگواری بھرے احساس کے ساتھ اس کے ہمراہ چلتا ہوا اندرونی حصے کی جانب آیا تھا۔اس کے کمرے میں جانے کے بجائے اس نے اسے گلے کے کمرے میں چھوڑ دینا مناسب سمجھا۔

''کیا ہوا اسے۔کیا ہوا ہے۔تم نے مارا ہے اسے؟''اس کے سسکتے وجود کو دیکھ کر گلے نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔وہ صبح پہلے ہی ایک کارروائی بھگتا کر فارغ ہوئی تھی۔اب رات کے اس پہر ان دونوں کو اس طرح اکٹھے دیکھ کر اس کا حواس باختہ ہونا بنتا تھا۔خوش الحان نے اس سوال پر گھور کر اسے دیکھا۔

''دل تو یہ چاہتا ہے کہ اس کا گلا دبا کر اسے جہنم واصل کر دوں مگر ہاتھوں میں درجن دستانے پہنے ہوں تب بھی اس کو مارنے کے لیے بھی ہاتھ نہ لگاؤں گلے بیگم!سنبھالو اسے اور اسی سے پوچھو کہ کیوں پلک رہی ہے۔''

اپنے ہاتھ کو نفرت سے اس کے ہاتھ سے چھڑا کر وہ کھا جانے والے انداز میں گلے کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

''تم ہم سب سے بہت مختلف ہو زہرہ!''

خدیجہ نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔وہ وضو کر کے نکلی تھی۔چہرے پر ابھی بھی نمی نمایاں تھی۔سیاہ بالوں کی چند گیلی لٹیں پیشانی پر دوپٹے سے باہر نظر آ رہی تھیں۔درس گاہ کی زیادہ تر لڑکیاں ماسہرہ کے قرب وجوار سے یہاں آئی تھیں۔ان کا تعلق دیہاتی علاقوں سے تھا۔ان کا رنگ روپ تو گورا چٹا تھا لیکن موسم کی شدت نے جلد کے کئی مسائل لاحق کر رکھے تھے۔ان کے بال بھی عموماً سنہری مائل تھے۔زہرہ واقعی ان سب میں مختلف لگتی تھی کیونکہ اس کے بال سیاہ تھے اور رنگت گندمی تھی۔

''اچھا وہ کیسے؟میری چار آنکھیں دو ناک ہیں کیا؟''زہرہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔خدیجہ اس کے ساتھ کافی وقت گزارنے لگی تھی تو ان میں ہم آہنگی بھی پیدا ہونے لگی تھی۔پہلے والی سرد مہری ختم ہوتی جا رہی تھی۔

www.pklibrary.com

''نہیں۔لیکن تم بہت نمکین سی ہو۔بے حد پُرکشش۔کوئی بھی تمہیں دیکھے تو تمہارے سحر سے نکل نہ پائے۔اتنی دلکش لگتی ہو تم۔''

خدیجہ اس کے سراپے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔زہرہ دل ہی دل میں کچھ حیرت زدہ ہوئی۔ایسی تعریف کبھی کسی نے نہ کی تھی اس کی۔ساری درس گاہ میں کوئی کسی کے بارے میں ایسی گفتگو نہیں کرتا تھا۔وہ چند ساعتیں اس کے الفاظ پر غور کرتی رہی پھر وہی حیرت جو لمحہ بھر پہلے دل میں جاگی تھی،شرمگیں احساسات میں بدل لی۔

''پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو تم۔میں کیا پلاؤ ہوں جو نمکین لگی ہوں تمہیں؟'' وہ کہنے کے ساتھ ہنسی تھی

''میرا مطلب تھا،تم میں بہت کشش ہے۔تمہاری رنگت بہت خوب صورت ہے۔پھیکی سی نہیں ہو تم۔'' زہرہ تب تک تولیہ سے منہ خشک کر کے دوپٹا درست کرنے لگی تھی۔خدیجہ کی بات سن کر اس نے کندھے اُچکائے۔

''میں پنجاب سے ہوں نا۔وہاں سب کی رنگت ایسی ہی ہوتی ہے۔اور وہاں سب لوگ تمہارے جیسی رنگت کی خواہش کرتے ہیں۔'' زہرہ نے ہنس کر کہا۔

''رہنے دو۔تم میرا دل رکھنے کو ایسے کہہ رہی ہو۔میں نے خود موبائل پر دیکھا ہے۔اب ایسی ہی رنگت کا رواج ہے جس میں کشش ہو۔خالی خولی گوری رنگت کا رواج نہیں رہا۔'' خدیجہ نے اسے قائل کرنا چاہا تھا۔زہرہ پھر ہنسی۔

''یہ سب بھی بتاتے ہیں موبائل پر۔پاگل سمجھتی ہو مجھے؟''

''قسم سے۔موبائل اب بہت کام کی چیز بن گئے ہیں۔دیوار پر تصویر لگانے سے لے کر تصویر پر دیوار بنانے تک ہر چیز موبائل پر بتاتے ہیں۔انٹرنیٹ کا دور ہے یہ باجی۔آپ سمجھتی ہیں دنیا نور القلوب سے شروع ہو کر بس یہیں ختم ہو جاتی ہے۔آپ خود یہاں سے نہیں نکل سکتیں لیکن سوچ کو تو نکلنے دیں۔'' وہ چڑ کر بولی تھی۔

''خدا جانے تم کیا کیا دیکھتی اور سوچتی رہتی ہو۔اٹھو جاؤ وضو کرو۔نماز پڑھتے ہیں۔'' زہرہ نے دوپٹا جھاڑ کر سلیقے سے اوڑھتے ہوئے اسے اکسایا تھا جبکہ وہ اس کی لمبی چوٹی کو دیکھنے میں مگن تھی۔

''یا اللہ زہرہ! تمہارے بال۔'' خدیجہ ایک دم سے اٹھ کر اس کے قریب ہوئی پھر اسے دوپٹا اوڑھنے سے روکتے ہوئے اس کی چوٹی کو نرمی سے پکڑ لیا

''اتنے خوب صورت بال ہیں تمہارے۔نرم ملائم اور اتنے سیاہ۔'' وہ اس کی چوٹی سہلا رہی تھی۔سردی کی شدت نے زہرہ کے بالوں سے وہ ساری لطافت چھین لی تھی جو وہ ملتان سے لائی تھی لیکن پھر بھی خدیجہ کے بھورے روکھے بالوں کی نسبت اس کے بال واقعی کافی خوبصورت تھے۔اسے اپنے بال پسند تھے۔ہر دو تین روز بعد وہ بالوں میں تیل لگا کر خوب مساج کرنے کی عادی بھی تھی۔اسے خدیجہ کی مزید تعریف مزید اچھی لگی۔اسے پہلے کبھی کسی نے ایسے سراہا ہی نہیں تھا۔وہ خوش ہوئی مگر جواباً کچھ نہ کہا۔

''کیا لگاتی ہو تم اپنے بالوں میں۔اور ہم سے اتنا چھپا کر کیوں رکھتی ہو انہیں۔ان کو کیا صرف اپنے دولہا کو دکھانے کے لیے پال رکھا ہے۔'' وہ اس کی چوٹی کو سہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔زہرہ کے دل کی دھڑکن لفظ ''دولہا'' پر ذرا معمول سے ہٹ کر دھڑکی تھی لیکن اس نے خدیجہ کو ٹوکنا ضروری سمجھا۔

''اوہو۔یہ دولہا کو درمیان میں کہاں سے لے آئی ہو۔چپ کرو۔اچھی لڑکیاں ایسی باتیں نہیں کیا کرتیں۔''

''کیوں؟ اچھی لڑکیوں کے دل نہیں ہوتے کیا۔یا ان کو شادی کرنے کا حکم نہیں ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے اسے چڑا رہی تھی۔زہرہ نے جھجک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔اس نے کبھی ایسی گفتگو کسی سے نہ کی تھی۔

''خدیجہ۔چپ کرو۔کوئی سن لے گا تو ہمارے بارے میں کیا سوچے گا۔'' وہ خائف ہو کر اسے ٹوکنے لگی۔خدیجہ نے سر جھٹکا۔

''میں کوئی غلط بات تو نہیں کر رہی۔شادی سنت رسول ہے۔اور ایک نا ایک دن ہم سب کی ہو کر رہے گی۔

www.pklibrary.com

پھر پوچھوں گی تم سے کہ دولہا اچھی چیز ہے یا بُری۔ تب تو ''ان'' کے علاوہ کوئی اچھا نہ لگا کرے گا تمہیں۔'' وہ ہنسنے کے ساتھ اسے گدگدانے بھی لگی تھی۔

زہرہ کو دل ہی دل میں اچھا لگا۔ وہ عمر کے اس دور میں تھی جب ایسی باتیں دل کو بھاتی ہیں مگر اسے ڈر بھی لگتا تھا کہ کوئی سن کر ان کی شکایت نہ کردے اور اسے پھر ڈانٹ پڑے۔ وہ ذرا دور ہٹ کر کھڑی ہوئی اور دوپٹا درست کرتے ہوئے ناک چڑھا کر بولی۔

''میرے ساتھ تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے کیوں اچھا لگے گا دولہا۔'' اس نے ناگواری سے کہنے کی کوشش کی تھی مگر چونکہ وہ مصنوعی تھی تو مسکراہٹ مکمل طور پر چھپ بھی نہ رہی تھی۔ خدیجہ نے شرارتی انداز میں اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔ تو پھر وہ حویلی والا کون ہے تمہارا۔ جو تمہیں اتنا اچھا لگتا ہے؟'' زہرہ کی ریڑھ کی ہڈی سے ایک سنسناتی ہوئی لہر اوپر کی جانب اٹھی تھی اور پھر اس کا سارا وجود اس سنسناہٹ سے نہا گیا تھا۔ خدیجہ کو اس کے دل میں دفن اس راز کا کیسے پتا چلا۔ اسے تو ہمیشہ یہ خدشہ تائی شاہدہ اور صندل بی جیسی نیک خواتین سے لاحق رہا تھا کہ وہ ''اس'' راز کو جان جائیں گی مگر یہ تو خدیجہ کو پتا چل گیا تھا۔

''خدیجہ!'' تحیر اس کی آواز میں اُبلنے لگا تھا۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ اسے اپنے گالوں کی گرمی خود محسوس ہونے لگی تھی اور چہرہ جیسے سرخ ہوگیا تھا۔ خدیجہ زور سے ہنسی۔

''مجھ سے مت چھپاؤ زہرہ۔ مجھے پتا ہے تمہارا دل حویلی کے گرد گھمن گھیریاں کھاتا رہتا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ زہرہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جواب میں کیا کہے۔ نماز کے بعد بھی خدیجہ کی کہی باتیں اس کے دماغ میں گونجتی رہیں۔ وہ کبھی دل ہی دل میں اسے سرزنش کرتی رہی اور کبھی خوامخواہ مسکراتی رہی۔ نیند کی وادی میں بھی یہی کیفیت دامن گیر رہی۔

☆☆☆

''رات مجھے بالکل ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔ تم نے وہ سب کیوں کہا تھا؟''

اگلی صبح نماز قران کے بعد فراغت پاتے ہی وہ خدیجہ کو ڈھونڈتی کچن میں آگئی تھی۔ اس کی برتن دھونے کی باری تھی اور وہ مسلسل ایک کے بعد ایک پلیٹ پٹخنے میں مصروف تھی۔

''میں نے کیا کہہ دیا ایسا کہ تمہاری نیند ہی اُڑ گئی۔ اور جو بھی کہا تھا، ابھی مت بتانا۔ ابھی میرا دل دماغ ان برتنوں میں گم ہے۔ جب تک یہ سیاپا نہیں ختم ہوگا۔ میں کچھ اور نہیں کرسکوں گی۔'' وہ جھنجھلائی ہوئی تھی۔ ناشتے کے وقت برتن ہوتے بھی بہت زیادہ تھے۔ حفاظ کے لیے اکٹھا ناشتہ بن کر جایا کرتا تھا لیکن عام طور پر باقی لڑکیاں الگ الگ ناشتہ بنایا کرتی تھیں۔ کوئی چائے رس کھا لیتا تھا، کسی کو انڈا ڈبل روٹی کی حاجت ہوتی تھی۔ چائے بھی دودھ پتی، قہوہ اور سبز چائے کے خانوں میں بٹی تھی اسی لیے برتن تو بے شمار ہوتے ہی تھے، کچن میں پھیلاوا بھی بہت ہوجاتا تھا۔ خدیجہ کے ساتھ باقی اور لڑکیاں بھی اپنی ڈیوٹی کر رہی تھیں لیکن خدیجہ کا شور سب سے زیادہ تھا۔

''اچھا۔ میں تمہاری مدد کردیتی ہوں۔ کام جلدی ختم ہوجائے گا۔'' زہرہ نے آستینیں چڑھائیں اور اس کے ساتھ مل کر صابن لگے برتنوں کو نل کے نیچے دھونے لگی۔

''درس گاہ کا کام ہماری زندگی کی مشکلات کی طرح ہے۔ یہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اس کو ختم کرنے کے لیے ہمیں الگ سے کچھ کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہم ان ہی پلیٹوں پیالیوں میں دفن ہوجائیں گے۔'' خدیجہ چڑ کر بولی تھی۔ زہرہ کو ہنسی آئی۔

''اچھا مثلاً کیا کروگی تم۔ برتن تو دھونے ہی پڑتے ہیں۔ درس گاہ میں نہیں دھوؤ گی تو اپنے گھر دھوؤ گی۔ یہ تو

www.pklibrary.com

زندگی بھر چلے گا۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ اپنا گھر ایک بار ملنے تو دو۔ میں تمہارے دولہا بھائی سے کہہ دوں گی۔ مجھے ایک ملازمہ رکھ دیں۔ جو برتن دھوئے۔ کپڑے بھی۔ کھانا بھی پکائے اور صفائی بھی کرے۔ میں تو کسی کام کو ہاتھ نہ لگاؤں گی۔" وہ مذاق کر رہی تھی یا سنجیدہ تھی، یہ زہرہ کی سمجھ میں نہ آسکا مگر اسے ہنسی آئی۔

"اچھا۔ تو پھر ان ہاتھوں کا کیا کرو گی تم؟" وہ ہنستے ہوئے بولی

"ان ہاتھوں کو سجاؤں گی۔ سنواروں گی۔ ان کا خیال رکھوں گی تاکہ جب کبھی تمہارے دولہا بھائی ان کو محبت سے تھامنا چاہیں تو انہیں تکلیف نہ ہو۔" زہرہ کو جھٹکا سا لگا۔ وہ ایسی باتوں کی عادی نہ تھی۔ اس کے تصور میں ہلچل مچی تھی۔ نل کے نیچے برتن مانجھتے ہاتھ لمحہ بھر کو لرزے۔ اسے یہ بات اچھی نہ لگی تھی

"چپ کرو خدیجہ۔" وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔ خدیجہ پر ذرا سا اثر نہ ہوا۔ وہ ابھی بھی ہنس رہی تھی۔ زہرہ کے سُرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر وہ مزید شیر ہوئی تھی۔

"کیوں۔ تم کیا ہاتھ تھامنے نہیں دو گی اپنے "اُن" کو؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ نہیں سنا کریں گے تمہاری۔ اپنی منوا کر رہیں گے۔"

وہ چڑانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ زہرہ کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ پھسل کر سنک میں جا گری۔ وہ بہت سادہ فطرت والی لڑکی تھی۔ اس کے لیے یہ باتیں بے حد انوکھی تھیں۔ اس کے تخیل نے کبھی اس قدر دور تک پرواز ہی نہیں کی تھی کہ وہ یہ سب خرافات سوچتی۔ وہ تو ابھی تک اس احساس سے بھی خائف ہو جاتی تھی جو اسے ایک اجنبی غیر شخص کو مسلسل سوچتے رہنے پر اُکساتا تھا۔ اس نے سر جھکا کر سنک میں گری پلیٹ دوبارہ سے اٹھالی۔

"تم اگر ایسے سوچتی ہو تو نکل آؤ اس وہم سے۔ حویلی والا تو ویسے بھی بہت جی دار لگتا ہے۔ وہ تمہاری ایک نہیں سنے گا۔"

خدیجہ مسلسل بولنے میں مگن تھی۔ زہرہ کے ہاتھ سست روی سے برتنوں پر لگا صابن اتارنے لگے۔ دل عجیب گدلا میلا سا محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے خدیجہ کی باتیں اچھی لگ رہی ہیں یا بُری مگر وہ اسے سختی سے ٹوک بھی نہیں پا رہی تھی۔ اس کی اپنی آنکھیں اس کے ہاتھوں کا طواف کرنے لگی تھیں جن پر جھاگ اور پانی نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔

☆☆☆

اس رات اسے بہت اچھی نیند آئی۔ یہ اس کے ساتھ ہوتا آیا تھا۔ جب جب لاریب کو تکلیف ہوتی تھی تو اسے دلی خوشی ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صبح کو تاخیر سے مگر تازہ دم بیدار ہوا تھا۔ اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا تو اس نے اطمینان سے گرم پانی سے غسل فرمایا، باقی ماندہ چیزیں پیک کیں پھر ناشتے کے لیے کمرے سے نکل کر کچن کا رُخ کیا۔ گلے موجود نہیں تھی۔ ماسی حبیبہ نے اسے ناشتہ دے دیا تھا۔ اس نے بھی زیادہ استفسار نہ کیا کیونکہ ماسی حبیبہ کو بات سمجھانی بہت پڑتی تھی تب نہیں جا کر وہ اصل موضوع پر اظہارِ خیال کے قابل ہوتی تھی۔ ناشتہ نبٹا کر وہ وراثت کی تلاش میں باہر آیا تو جیپ موجود نہیں تھی اور وراثت بھی کہیں نظر نہ آیا۔ مانسہرہ وغیرہ جانا ہوتا تھا تو وہ مہران بھی استعمال کر لیا کرتے تھے لیکن لمبے روٹ کے لیے یہ گاڑی مناسب نہ تھی اور بس میں جانے کی اس کی خواہش نہ تھی۔ وہ وراثت کی تلاش میں ان کے کوارٹرز کی طرف آ گیا۔ وہ وہاں بھی موجود نہیں تھا۔ رحمت بھی کہیں نظر نہ آیا۔ وہ واپس کچن میں آیا۔

"ماسی! کوئی خیر خبر۔ سب لوگ کہاں ہیں؟" اس نے کسی کا نام لیے بغیر با آوازِ بلند پوچھا تھا۔ ماسی اس کے قریب آ گئی۔

www.pklibrary.com

''اس کو ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ رو رو کر حالت خراب کر لی ہے اس نے۔'' وہ ناک پر ٹھاٹر بولی تھی۔ خوش الحان نے حیرت سے اس کی بات کو سُنا۔

''گلے کو؟'' اس نے پریشانی بھرے لہجے میں پوچھا۔ آج کل گلے ہی روتی بسورتی نظر آتی تھی۔ ماسی حبیبہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ مصیبت جو مہمان بن کر آئی ہوئی ہے۔'' ماسی سابقہ انداز میں بولی۔

لفظ مہمان نے خوش الحان کو سمجھا دیا تھا کہ وہ لاریب کا ذکر کر رہی ہے تب ہی اسے پلے کی موت کا غم مناتی لاریب بھی یاد آئی۔

''بہت ہی بڑی کوئی فلم ہو تم لاریب بی بی!''

اس نے گہری سانس بھر کر سوچا تھا۔ ناگواری کی ایک لہر تھی جو ہمیشہ اس کا تذکرہ ہونے پر دل میں جاگنے لگتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ لاریب پھر کوئی سازش بن رہی تھی۔ وہ دوبارہ اسی کرسی پر بیٹھ گیا جہاں پہلے بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔

''اب کیا ہوا محترمہ کو۔ برین ہیمرج یا ہارٹ اٹیک؟'' وہ طنزیہ انداز میں بڑبڑایا تھا۔ ماسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

''کون لے گیا ہے ماسی؟'' اس نے دوسرا سوال پوچھا تھا۔

''وراثت ہی لے گیا ہے۔ ساتھ تمہاری اماں گئی ہے اور بابا بھی۔'' ماسی نے اب کی بار چولہے میں مگن جواب دیا تھا۔

''اب میں کیسے جاؤں۔ میری ایک بجے کلاس بھی ہے۔ سوچا تھا وقت پر پہنچ جاؤں گا تو اٹینڈنس ہو جائے گی۔ اس محترمہ کی وجہ سے اب میں یہاں بیٹھا انتظار کرتا رہوں کیا؟'' وہ اب بھی بڑبڑا رہا تھا۔

اس نے چند لمحے وہیں بیٹھے بیٹھے گزار دیے۔ وہ تذبذب میں تھا کہ آیا اسے پبلک ٹرانسپورٹ سے چلے جانا چاہیے یا ان لوگوں کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے۔ جب کافی دیر تک کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ اٹھ کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ آج دھوپ بھی بالکل ٹھنڈی تھی۔ سورج نے شکل دکھا تو دی تھی مگر اس کی کرنوں میں جھجک اتنی تھی کہ رنگ سنہری مائل سے سرمئی ہونے لگا تھا۔ اس نے وقت گزاری کے لیے کھڑکی کھول لی تب ہی بڑے گیٹ سے جیپ اندر داخل ہوتی نظر آئی تھی۔ وراثت نے اسے معمول کے مطابق گیٹ کے سامنے اندر کی طرف روکنے کے بجائے پیچھے والے راستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ پورا راؤنڈ لگا کر جیپ کو رہائشی حصے کے پچھلی جانب لانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ خوش الحان اس کھڑکی سے ہٹ کر دوسری کھڑکی کی جانب بڑھا اور اسے ذرا سا کھول دیا۔ وہاں سے پچھلی جانب زیادہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ وراثت جیپ روک کر بعجلت اترا اور اس نے جیپ کا دروازہ کھولا تھا۔ خوش الحان نے خان بابا کو اترتے دیکھا۔ ان کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ سمجھ نہیں پایا کہ وہ کیا ہے۔ تب تک گلے بھی اتر آئی تھی اور سہارا دے کر لاریب کو نیچے اترنے میں مدد کر رہی تھی۔ خان بابا نے ہاتھ میں پکڑی چیز وراثت کو پکڑائی اور گلے کی مدد کرنے لگے تب ہی خوش الحان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ چیز دراصل ''ڈرپ'' تھی جس کا ایک سرا لاریب کے ہاتھ سے جڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ بہت مشکل سے گاڑی سے اتری تھی اور دور سے دیکھنے پر بھی پتا چل رہا تھا کہ اس کی چال میں استقامت نہ تھی۔ وہ نڈھال نظر آتی تھی اور اس کے قدم ڈگمگاتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

''اب یہ ایک اور ڈرامہ شروع ہو گیا۔ یہ لڑکی تھکتی کیوں نہیں ہے۔'' اس نے جل کر سوچا تھا۔ گلے اور خان بابا دونوں نے اس کو دائیں بائیں سے تھام رکھا تھا۔ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے وہ اس کے کمرے کی جانب چل دیے تھے۔

☆☆☆

''مجھے کچھ کھانے کو دے دو گلے۔ مجھے جانا ہے۔'' وہ جان بوجھ کر گھنٹہ بھر بعد کمرے سے نکل کر کچن میں گیا تھا اور جاتے ہی رعب جمانے والے انداز میں گلے سے کہا تھا۔ وہ لاریب کی ہاسپٹل یاترا کے بارے میں خود کو

www.pklibrary.com

لاعلم ظاہر کرنا چاہتا تھا تا کہ اس میں اپنی عدم دلچسپی کو مزید نمایاں کر سکے اور اسے یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں خان بابا اسے اپنا قیام طویل کرنے کو نہ کہہ دیں۔ ان کو انکار کرنا اس کے لیے تقریباً ناممکن ہی ہو جایا کرتا تھا اسی لیے جان بوجھ کر وہ تاخیر سے کمرے سے نکلا تھا تا کہ اس کی ان سے ملاقات ہی نہ ہو سکے۔ گلے سنک کے پاس کھڑی نل کھولے کسی کام میں مصروف تھی۔ اس کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

''شکر ہے خوشل۔ تم خود ہی آ گئے۔ مجھے ایک دیسی مرغی لا دو۔ لاریب کو یخنی دینی ہے۔ وراثت کو خان نے کسی کام سے بھیج دیا ہے۔'' خوش الحان کا تو دماغ ہی اُلٹ گیا۔

''کیا آ..... کیا فرمایا۔ ذرا دوبارہ سے کہنا۔ کیا لا دوں؟'' وہ چمک کر بولتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو۔ اور کس کو کہہ رہی ہو۔ اندازہ ہے میڈم؟'' وہ انتہائی طنزیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ گلے نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ اسی طرح کا ردِعمل ظاہر کرے گا۔ وہ نل بند کر کے اس کا بازو تھام کر اسے میز تک لانے کی کوشش کرنے لگی تا کہ بیٹھ کر بات کی جا سکے مگر خوش الحان نے سختی سے اپنا بازو ہٹا کر اسے اس عمل سے روکا تھا۔

''خبردار جو ہاتھ لگایا مجھے۔ مُرغی لاتی ہے میری جوتی۔ میری بلا سے یخنی دینے کے بجائے اسے پھانسی دے دو۔'' وہ رکا پھر کھا جانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''اور تم تو بات بھی نہ کرو مجھ سے۔ اتنی بے وفا عورت میں نے زندگی بھر نہیں دیکھی۔ تم سے وفاداری کی امید رکھنا ہی فضول ہے گلے۔'' وہ چڑ کر بولا تھا۔

''میری بات تو سن لو لڑکے۔ وہ بیمار ہو گئی ہے بہت۔ ایک پلے کے غم میں نڈھال پڑی ہے۔ رو رو کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ صبح صبح اسپتال لے جانا پڑا۔ ڈاکٹر نے کہا اسے صدمہ لگا ہے۔'' وہ پریشانی سے چُور انداز میں اسے سمجھاتے ہوئے بولی تھی۔ خوش الحان ذرا متاثر نہ ہوا۔

''تم نے ڈاکٹر کو بتایا نہیں کہ صدمہ دراصل وہ خود ہے جو ہم سب کو لگا ہوا ہے۔ اسے بتانا تھا نا کہ محترمہ تو خود بیماری ہیں جو ہمارے پورے خاندان کو لاحق ہے۔'' وہ انتہائی جل جل کر بول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی چیز اٹھا کر سر میں مار لے۔ لاریب کی ذرا سی بیماری نے پھر گلے کی ہمدردی کو اس کی طرف مبذول کر دیا تھا۔

''اتنے سنگ دل کیوں ہو جاتے ہو خوشل۔ یہ دشمنی بعد میں بھی پالی جا سکتی ہے۔ جب وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ میں تمہیں اسے بات کرنے یا اس کا خیال رکھنے کے لیے نہیں کہہ رہی۔ خان کہہ گئے تھے کہ اس کو یخنی دے دو۔ اس لیے میں نے تم سے کہہ دیا۔'' وہ زِچ ہو کر پھر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''میں نے کہا نا مجھ سے بات مت کرو۔ وہ دو ٹیکے کیا لگوا آئی۔ تمہارے دل میں ممتا کا طوفان جاگ اٹھا۔ جاؤ کرو اس سے ہمدردی۔ مگر مجھ سے ایسی کوئی توقع مت رکھنا۔ میں ویسے بھی جا ہی رہا تھا۔'' وہ کسی ناراض چھوٹے بچے کی طرح شکوہ کناں تھا۔ گلے کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے اسے اپنا موقف سمجھائے۔

خوش الحان طبیعتاً صلح جو قسم کا انسان تھا۔ گلے کے ساتھ وہ جتنی ضد اور نخرے کرتا تھا وہ اس لاڈ پیار کی وجہ سے تھا جو اس کے دل میں اس کے لیے موجود تھی مگر لاریب کے لیے اس کے دل میں ذرا بھی نرم گوشہ نہ تھا۔ اسے انتہائی بُرا لگتا تھا جب گلے بھی اسے لاریب کی ہمدرد محسوس ہوتی تھی۔

''میری بات سنو۔ یہاں بیٹھو۔ ایک بار۔'' وہ اسے اکسا رہی تھی مگر وہ ہیرو بنا کچن کے درمیان میں کھڑا تھا۔ گلے نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ پھیرا پھر جذباتی انداز میں بولی۔

''اب کیا ہاتھ جوڑوں میں؟ منت کروں اپنے بچے کی؟'' یہ جذباتی بلیک میلنگ گلے کا آخری حربہ تھی۔ خوش الحان چُپ رہا مگر اس کے چہرے پر اس کی ناپسندیدگی رقم تھی۔

''ایک بار میری بات مان لو۔ یہ گلے ساری زندگی تمہاری احسان مند رہے گی۔'' اس نے ایک اور ڈائیلاگ بولا

www.pklibrary.com

تھا۔خوش الحان نے دوبارہ سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کرایا اور اکتا کر خود ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بیمار کے ساتھ دشمنی ہماری روایت نہیں ہے میرے بچے۔وہ ہماری مہمان بھی ہے۔اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری ہماری ہی ہے۔میں نے خود اس کی حالت دیکھی ہے۔وہ واقعی بالکل بے دم سی ہو چکی ہے۔ابھی مجھے اس کا خیال رکھ لینے دو پھر جب وہ تگڑی ہو جائے گی تو ہم دونوں مل کر مقابلہ کریں گے اس کا۔تب میں تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی اس کی ہمدرد نظر آئی تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔''

گلے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے کہہ رہی تھی۔خوش الحان نے شکایتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم ہر محاذ پر مجھے مایوس کرتی ہو گلے۔آج مجھے یقین ہو گیا ہے تم میری مری ماں کی بہن ہو ہی نہیں۔تم بس زوجہ حبیب اللہ خان ہو۔''اس نے پاؤں سے کرسی گھسیٹ کر پیچھے کیا اور باہر نکلنے لگا پھر کچھ یاد آنے پر پلٹ کر آیا۔

''لاؤ پیسے دو۔اپنے پیسوں سے اگر مجھے کبھی لاریب کے لیے کچھ خریدنا پڑا تو میں صرف زہر خریدوں گا۔''

گلے نے میز پر پڑا ہزار روپے کا نوٹ فوراً اسے پکڑا دیا تھا۔وہ اپنی وفاداریاں بدل لینے پر ذرا نادم نہیں تھی۔لاریب کی بیماری سے زیادہ اسے حبیب اللہ خان کے جھکے ہوئے کندھے اسے بے چین کر رہے تھے۔وہ یک دم بے حد بوڑھے اور لاچار نظر آنے لگے تھے۔گلے مریض کی تیمارداری سے زیادہ کسی انتہائی مشرقی عورت کی طرح محبوب شوہر کی دلداری کے لیے بے چین تھی۔

☆☆☆

''ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا آپ کو۔''حبیب اللہ خان اس کے بیڈ کے بائیں طرف کرسی پر براجمان اسے ہی تک رہے تھے۔

وہ ہوش میں ہی تھی مگر نقاہت کے باعث زیادہ توانا بھی محسوس نہ کر رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔حبیب اللہ خان پلے کی لاش کو ٹھکانے لگا کر رات گئے صرف اسے دیکھنے کی غرض سے اس کے کمرے تک آئے تھے کیونکہ وہ جس قسم کی جذباتیت کا مظاہرہ کر رہی تھی انہیں یقین تھا اس کی طبیعت بگڑ چکی ہوگی۔اپنے کمرے میں وہ انہیں ہوش وحواس سے بیگانہ پڑی ملی تھی۔گلے اسے آرام کی غرض سے کمرے میں چھوڑ کر گئی تھی جبکہ اس نے اس کے کمرے سے نکلتے ہی نیند کی کئی گولیاں ایک ساتھ نگل لی تھیں۔انہیں اس کے سائیڈ ٹیبل پر موجود دوائی دیکھ کر ہی احساس ہو گیا تھا کہ اس نے کیا حرکت کی ہے مگر انہوں نے کسی کو بتانے کے بجائے صرف اپنے وفادار ملازم وراثت کو بلا کر اسے اسپتال بھجوایا تھا پھر خود سورج نکلنے کا انتظار کیا تھا تاکہ گلے کو جگایا جا سکے۔

گلے کو بھی انہوں نے یہی کہا تھا کہ سردی لگ جانے کے باعث اس کا پلا ڈیول مر گیا ہے تب ہی وہ اس کا غم برداشت نہیں کر پا رہی اور بے ہوش ہو گئی ہے مگر انہیں پتا تھا اور ڈاکٹر نے بھی تصدیق کر دی تھی کہ اس نے پھر خودکشی کی کوشش کی تھی۔حبیب اللہ خان کو زندگی میں پہلی بار اس پر انتہائی شدید غصہ آیا تھا۔

''کسی کی محبت کے جواب میں ایسا نہیں کیا کرتے، یہ محبت کی بے حرمتی ہوتی ہے۔یہ گناہ ہے لاریب۔ایسا نہیں کرتے۔محبت کی لاج رکھتے ہیں۔قدر کرتے ہیں محبت کی۔محبت کرنے والوں کی۔لیکن آپ یہ سب کیوں سمجھیں گی۔آپ تو اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چلیں گی جنہیں محبت کی حرمت ہی سمجھ میں نہ آسکی تھی۔میری محبت کی نا آپ کے باپ کی محبت کی۔''

اس کے قریب بیٹھے وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔لاریب کی آنکھیں بند تھیں۔حبیب اللہ خان نے سمجھا شاید اس کی سماعت بھی بند ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

www.pklibrary.com

مریم انصاری

داغ

"اماں! سعد بھائی کے ہاتھ پر وہ داغ کس چیز کا تھا؟ سرخ رنگ کا ابھرا ابھرا سا۔" ایمن ٹھٹکی۔ اگرچہ وہ دھلے ہوئے کپڑے تار پر پھیلا رہی تھی مگر اس کی تمام تر توجہ اماں کی گفتگو کی طرف تھی۔

"تیری زبان کے آگے تو خندق ہے صباحت! جب بولے گی فضول ہی بولے گی۔" اماں کا ہاتھ اپنی چپل کی طرف بڑھا مگر پاؤں میں چپل نہ تھی ہیل والی سینڈل تھی۔

دراصل آج وہ ایمن کی ہونے والی سسرال گئی تھیں اور ابھی ان کی واپسی ہوئی تھی۔ اماں کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اپنے شوہر کے فیصلے پر مطمئن ہیں۔

"سادہ مزاج لوگ ہیں۔ مخلص بھی، دکھاوا نام کو نہیں تائی! میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ سب ٹھیک رہے گا۔" اپنی ساس سے باتوں میں مشغول تھیں۔

☆☆☆

احمد علی کی چھوٹی سی کریانے کی دکان تھی۔ تین بیٹیوں کا شفیق باپ احمد علی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا تھا کہ ماں کے مہربان وجود کی رفاقت اسے میسر تھی اور وہ ہر لمحہ اس کی دعاؤں کے حصار میں رہتا تھا۔ صد شکر کہ گھر ذاتی تھا اور پھر بڑا سا سارا صحن، اس کی بیٹیوں نے آدھے صحن میں موسم کی سبزیاں کاشت کی ہوئی تھیں۔ یہ ان کا شوق تھا اور خاصا سودمند، اسماء سلائی کا کام جانتی تھیں وہ بے حد محنتی اور صابر و شاکر خاتون تھیں۔

احمد علی بچپن میں پولیو جیسے موذی مرض کا شکار ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے وہ زیادہ محنت طلب کام نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔

☆☆☆

"یہ ہر انوکھا واقعہ ابا کی بیٹیوں کے ساتھ ہی کیوں پیش آتا ہے؟"

بڑی بہن ربیعہ کا نکاح چچا زاد عادل سے ہوا تھا۔ احمد علی نے دو سال کی مہلت مانگی۔ عادل کی تعلیم مکمل ہو جائے گی اور ساتھ میں بیٹی کے جہیز کے لیے کچھ جمع کر لوں گا۔

عادل چار بہنوں کا اکلوتا بھائی۔ بہنیں ساری

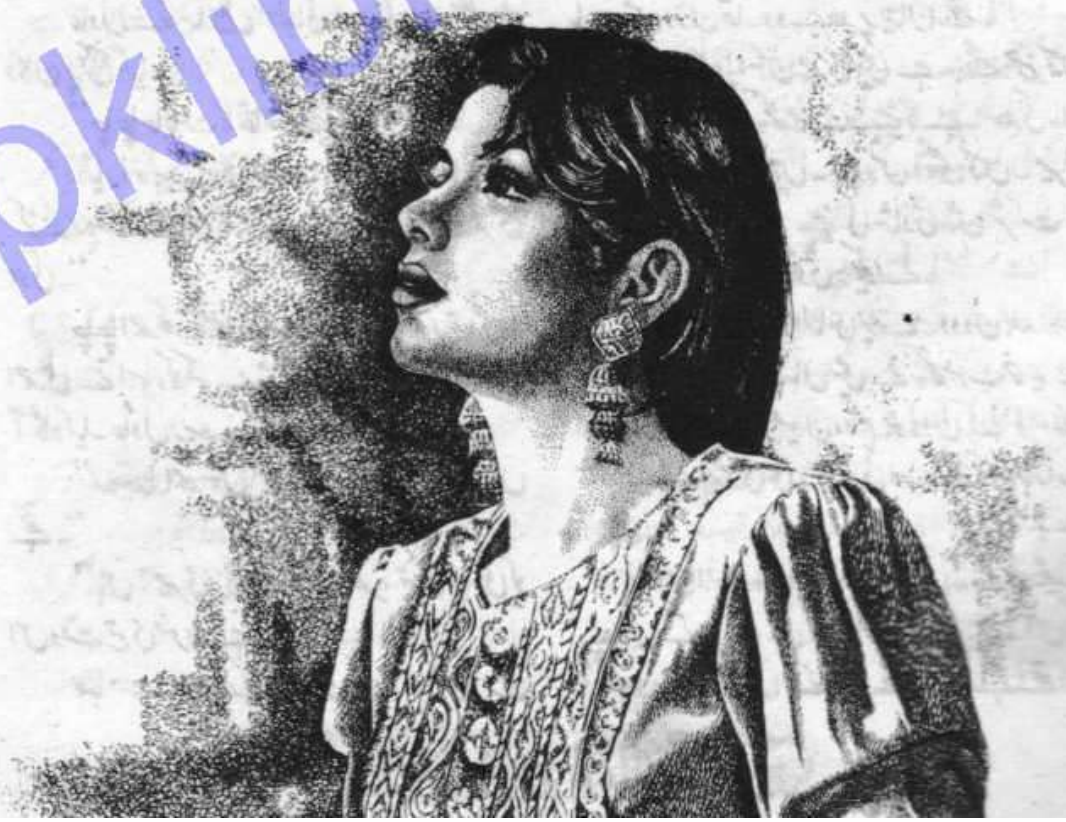

pklibrary.com

www.pklibrary.com

بیاہی ہوئی اور مختلف شہروں میں رہتی تھیں۔ عادل کے سر پر باپ کا سایہ نہ تھا۔ تھوڑی بہت زمین تھی۔ عادل کی ماں نے گھر پر مرغیاں پال رکھی تھیں۔ اس کے مرحوم شوہر کی پنشن بھی ملتی تھی۔

محنت کی عادت ان کی گھٹی میں تھی کبھی عار محسوس نہ کرتی تھیں۔ شام کو وہ مرغیوں کو ہانک کر ڈربے میں بند کرنا چاہ رہی تھیں کہ اچانک پاؤں پھسل گیا اور وہ اس بری طرح گریں کہ ٹانگ ٹوٹ گئی۔

عادل گھن چکر بنا ہوا تھا۔ پریشانی الگ ماں کی تکلیف اس سے دیکھی نہ جاتی تھی۔

"بیٹا! بہنوں سے بات کرلے..... باری باری آکر مشکل اور محتاجی والے وقت میں میرے پاس رہ جائیں۔"

"اماں! سب کے بچے اسکولوں میں پڑھتے ہیں، اپنی اپنی گھر داری میں مشغول ہیں۔ وہ آتو جائیں گی مگر اپنی ذمہ داریاں کس پر ڈال کر آئیں گی۔"

اچانک عادل کو ایک نادر خیال سوجھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"ماں کی حالت دیکھ کر میری بے بسی پر ہنستا ہے۔" اماں تو ناراض ہی ہوگئیں۔

عادل نے سائیکل سنبھالی اور چاچا احمد علی کی دکان پر پہنچ گیا۔

"چاچا حالات کا تقاضا ہے کہ....."

"یار! ربیعہ تیری امانت ہے تو لے جا۔ اس کڑے وقت میں ہم کام نہ آئے تو یہ ہماری خودغرضی ہوگی۔"

چاچا احمد گھر پہنچا۔ ربیعہ ساگ گھوٹ رہی تھی۔ احمد علی نے اسماء کو کمرے میں بلا کر صورت حال سے آگاہ کیا۔ عادل ربیعہ کے سر پر پہنچا۔

"ربیعہ! اٹھ چل میرے ساتھ لینے آیا ہوں تجھے۔"

"ہاں! میری بچی جا، اپنے گھر، تیری چاچی کو اس وقت تیری ضرورت ہے۔"

صباحت ہوم ورک کررہی تھی۔ ایمن برتن دھورہی تھی دوڑی چلی آئی۔ حیرت، صدمے، خوشی سے گنگ۔

ربیعہ کی ہتھیلیاں تک پسینے سے بھیگ گئیں وہ حیرت کے سمندر میں کیا ڈوبتی۔ عادل نے اس کا ہاتھ تھاما، سائیکل پر بٹھایا یہ جا وہ جا!

☆☆☆

احمد علی متفکر بیٹھا تھا۔ "ربیعہ کی ماں! ایمن کے رشتے کے لیے ہاں تو کردی ہے مگر وہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں۔ مسعود میرے پاس آیا تھا بتارہا تھا کہ سعد کی والدہ بیمار ہے۔ منت کررہا تھا کہ فوری شادی کردو۔ بیٹی بیاہی ہوئی ہے۔ ہم تو گھر کے کھانے کو ترس گئے ہیں۔"

"بس بس بہت ہوگیا۔ میں اس کو ربیعہ کی طرح وداع نہیں کروں گی میری بیٹی کے بھی ارمان ہوں گے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے میری بیٹی کی شادی دھوم دھام سے ہو۔"

"ربیعہ کی ماں! میں باپ ہوں۔ میری بیٹیاں میرے جگر کا ٹکڑا ہیں۔ کیا مجھے ان کی خوشیاں عزیز نہیں۔ خواب تو میری آنکھوں میں بھی سجے ہیں۔"

احمد علی نے مسعود سے بات کی۔ مگر مسعود کی بات میں وزن تھا۔ وہ بے حد پریشان تھے۔

"احمد علی! ایمن میری بیٹی ہے۔ مجھے جہیز نہیں چاہیے۔ میرا سب کچھ میرے بیٹے کا ہے۔ سعد کی ماں کے ٹیسٹ کروائے ہیں۔ رپورٹس اچھی نہیں۔ میری خواہش ہے وہ اپنے بیٹے کی شادی میں شرکت نہ کرسکے گی تو کم از کم یہ خوشی دیکھ لے۔"

احمد علی کو ہتھیار ڈالنا ہی پڑے۔ دو دن بعد نکاح تھا۔ ربیعہ میکے آگئی۔ ماں بیٹی نے کچھ سوٹ خریدے ایمن کے لیے۔ سکھیوں، ہم جولیوں نے ڈھولک سنبھال لی۔ مہندی کی رسم ہوئی اور اگلے دن بارات آپہنچی۔

ایمن افسردہ تھی۔ حیرت زدہ تھی۔ زندگی عجیب ہے اس کے دامن میں کتنے اسرار چھپے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں مستقبل کے سہانے خواب سجے تھے اور

www.pklibrary.com

دل انجانے اندیشوں اور بے نام جذبوں کی بدولت پتے کی طرح لرزتا تھا۔

احمد علی نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر مہمانوں کی خاطر تواضع کی۔ رخصتی کی تیاری ہو رہی تھی کہ اندیشوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ موت برحق ہے۔ موت صدمہ ہے۔ دولہا کی والدہ وفات پا گئیں۔

غم نڈھال کر دیتا ہے۔ رسم زمانہ ہے کہ خوشی کے موقع پر رنجشیں بھی ہوتی ہیں۔ مگر دکھ پہنچے تو دوست، دشمن سب ہی آتے ہیں۔ تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا تھا۔

ایمن کی نند ثمینہ اگرچہ صدمے سے نڈھال تھی مگر اسے دلہن کا بہت احساس تھا۔ ایمن سمجھ دار لڑکی تھی۔ اس نے ثمینہ کو تسلی دی۔

''میری فکر نہ کریں۔ یہ میرا غم ہے۔ میں شفیق ہستی سے محروم ہو گئی ہوں۔''

ایمن کمرے میں کیلنڈر پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی۔ ''وقت'' کیسی عجیب شے ہے۔ گزرتا رہتا ہے۔ اسے پتا نہیں کتنے لوگوں کے گھر اجڑ گئے۔ کتنے دل ویران ہوئے۔ جاتے سے یہ کیا کیا اپنے ساتھ سمیٹ کر لے جاتا ہے۔

کتنی بے حس ہے گھڑی کی یہ ٹک ٹک.....

ایمن انہی سوچوں میں گھری تھی اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ کوئی کمرے میں آیا ہے۔ اجنبی نے ایمن کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔

اسے سو فیصد یقین تھا یہ اس کا جیون ساتھی سعد ہی ہوگا۔ اس کی پلکیں جھک گئیں۔ موت اور پھر ماں کی موت..... معمولی بات نہیں مجھے سعد سے تعزیت کرنا ہے اس کی ڈھارس بندھانا ہے۔ ایمن نے فوراً اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے، کچھ کہنے کے لیے ابھی وہ لفظ، فقرے، بے ترتیب دے رہی تھی کہ ایک جھٹکے سے اس نے اسے پرے دھکیلا۔ اجنبی کو اس بات کی توقع نہ تھی گرتے گرتے بچا۔ ایمن تیزی سے کمرے سے نکلی۔ برآمدے میں ثمینہ اور کچھ خواتین بیٹھی تھیں۔ ثمینہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''بھابھی کیا ہوا؟ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں۔''

''نہیں کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی.....''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ثمینہ نے اسے گلے سے لگایا۔ اس کا چہرہ اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کیا اور اس کا ماتھا چوما۔

''میری پیاری بھابھی! وقت مرہم بھی ہے تلخ، شیریں، مشکل، آسان لمحات آخر کار گزر ہی جاتے ہیں۔ دلوں پر گہرے گھاؤ ہونے کے باوجود زندگی رکتی نہیں۔''

☆☆☆

''یار! یہ بیویاں کیا شے ہوتی ہیں راضی ہونا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں۔ وہ خامیاں وہ عیب گنواتی ہیں جن کی ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔''

اکرم، ساجد، شوکت، بہت سارے کزنز میں بحث چل رہی تھی۔ ایمن چائے دینے آئی تو ان کی گفتگو دلچسپی سے سننے لگی۔

''نہیں یار! اپنا تجربہ تو مختلف ہے یہ ایمن میری زوجہ محترمہ تو ایسی نہیں۔ یہ دیکھ رہے ہو میرے ہاتھ پر پیدائشی اتنا بڑا داغ ہے جو مجھے بہت برا لگتا ہے۔ مگر ایمن کو مجھ سے نہیں میرے اس داغ سے محبت ہے بلکہ محبت چھوٹا لفظ ہے اسے اس نشان سے عقیدت ہے اس کو آنکھوں سے لگاتی ہے۔''

''واہ! کیا بات ہے۔'' سب نے قہقہہ لگایا مگر اکرم کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ اس کی پریشانی دیدنی تھی۔

''یار تجھے کیا ہو گیا۔ خیر تو ہے؟'' اکرم کو آج پتا چلا کہ اس روز ایمن نے اس کے ہاتھ پر وہ نشان نہ پا کر اسے دھکا دیا تھا۔

ایمن تو سوچتی تھی پتا نہیں وہ کون تھا؟ تو یہ اکرم..... بہن جیسی نند، کومل سی ثمینہ کا شوہر.....

صباحت کے بے لاگ تبصرے نے اسے گہری کھائی میں گرنے سے بچا لیا تھا۔

☆

www.pklibrary.com

زندگی میں جس کی راحت نہیں ہوتی
اسے طمع و حرص کی عادت نہیں ہوتی

نہ ہوتا خوف اگر کہ موت آئے گی اک دن
جینے کی ہمیں اور حسرت نہیں ہوتی

جھوٹ و فریب کا اگر کوئی حامی ہوتا تو
سچائی و صداقت کی ایسی عظمت نہیں ہوتی

کیسے چلتا یہ پھر نظامِ زندگی یارو!
دائم چار سُو پھیلی یہ محبت نہیں ہوتی

پیہم جی رہا ہوں پیار میں اُس کے لیکن
اظہار کی مجھ میں کبھی جرأت نہیں ہوتی

بہت ہے دُکھ تمہیں اس کی بے وفائی کا فیضانؔ
روبرو اس کے کیوں تم سے شکایت نہیں ہوتی

فیضان سروری

ساری دُنیا میں مرے جی کو لگا ایک ہی شخص
ایک ہی شخص تھا ایسا، بخدا ایک ہی شخص

ایسا لگتا ہے سب ہی عشق کسی ایک سے تھے
ایسا لگتا ہے مجھے ملتا رہا ایک ہی شخص

میں تو اے عشق! تیری کوزہ گری جانتا ہوں
تُو نے ہم دو کو ملایا تو بنا ایک ہی شخص

مجھ سے ناراض نہ ہونا مرے اچھے لوگو!
کیا کروں میری محبت نے چنا ایک ہی شخص

تو جسے چاہتا ہے میں بھی اُسے چاہتا ہوں
اچھا لگتا ہے مجھے تیرے سوا ایک ہی شخص

دوست اسے کہاں کھینچتا ہے غزل کا چلّہ
حجرۂ میسر میں ہوتا ہے سدا ایک ہی شخص

عباس تابش

www.pklibrary.com

ایک عمر کے بعد اس کو دیکھا!
آنکھوں میں
سوال تھے ہزاروں
ہونٹوں پہ مگر وہی تبسم
چہرے پہ لکھی ہوئی اُداسی
لہجے میں مگر بلا کا ٹھہراؤ
آواز میں گونجتی جدائی
باہیں تھیں مگر وصال ساماں!
سمٹی ہوئی اس کے بازوؤں میں
تادیر میں سوچتی رہی تھی
کس ابر گریز پا کی خاطر
میں کیسے شجر سے
کٹ گئی تھی
کس چھاؤں کو ترک کر دیا تھا
میں اس کے گلے لگی ہوئی تھی
وہ پونچھ رہا تھا مرے آنسو
لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی

پروین شاکر

پڑتال،

ساری عمر کے سارے دُکھ اور سارے سُکھ
اکٹھے کر کے
دُکھ سُکھ سے تفریق کرو تو
حاصل زندہ رہنا ہوگا
حاصل جو اثبات نہیں ہے
پھر بھی کوئی بات نہیں ہے
جس نے کھیل سمجھ کر ہارا
اس کے حصے مات نہیں ہے

سید مبارک شاہ

www.pklibrary.com

ادارہ

ایک لاکھ کی سکرائیں

شرط

ایک چرسی نے پرائم منسٹر ہاؤس فون کیا تو اس سے پوچھا گیا۔

"آپ کی کیا مدد کی جاسکتی ہے؟"

چرسی: "میں وزیراعظم بننا چاہتا ہوں۔"

جواب ملا۔ "کیا تم پاگل ہو؟"

چرسی: "یہ ایک ہی شرط ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔"

تعزیت

ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ ایک جاننے والے نے اپنی مصروفیت کے پیش نظر اپنے بیٹے کو تعزیت کے لیے بھیج دیا۔

برخوردار نے لواحقین سے پوچھا۔

"مرحوم کی کیا عمر تھی؟"

لواحقین نے جواب دیا: "اسّی سال۔"

"اچھا، انہیں کیا بیماری تھی۔"

"دراصل وہ بوڑھے ہوچکے تھے تو بڑھاپے کی وجہ سے ہی انتقال کرگئے۔"

لڑکے کے سوال پر لواحقین نے جواب دیا تو لڑکا مدبرانہ انداز میں مرہلاتے ہوئے بولا۔

"پچھلے سال ہمارے محلے میں بھی اسی بیماری کی وجہ سے دو بچے مرگئے تھے۔"

مرحوم کے لواحقین میں سے ایک لڑکے کے باپ کے پاس شکایت کے لیے پہنچا اور اس کی کارگزاری سنائی تو لڑکے کا باپ افسوس کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میرے بیٹے نے ایسی باتیں کیں۔ میری خواہش ہے کہ جلد ہی آپ کے ہاں کوئی اور فوتگی ہوتا کہ میں بہتر طریقے سے حق تعزیت ادا کرسکوں۔"

حکمت عملی

اختر صاحب کو اپنے پڑوسی سے کچھ نہ کچھ مانگنے کی عادت تھی۔ ایک روز وہ پڑوسی کے پاس پہنچے اور بولے۔

"کیا آج آپ اپنی گاڑی میں کہیں جائیں گے؟"

پڑوسی نے ان کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں..... گاڑی آج میرے استعمال میں رہے گی، آج مجھے کئی جگہوں پر جانا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا، مجھے اصل میں آپ کی موٹر سائیکل کی ضرورت تھی۔" اختر صاحب نے اطمینان سے کہا۔

عورت کی نفسیات

نفسیات کے ایک پروفیسر نے نوجوان امیدوار سے سوال کیا۔ "عورت کی تعریف کرو۔"

"وہ شخصیت، جو دروازے میں کھڑی ہوکر بیس منٹ تک مسلسل باتیں کرتی ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث اندر نہیں آسکتی۔" امیدوار نے جواب دیا۔

یقین دہانی

ایک شخص گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا آدھی رات کو ممنوعہ علاقے میں جانکلا۔ سیکیورٹی والوں نے اسے پکڑلیا اور ساری رات ایک کوٹھڑی میں بند رکھا۔ صبح اسے چھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہاں عام گاڑی نہیں آسکتی، اس لیے اگر دوبارہ آئندہ ایسی حرکت کی تو وضاحت کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"

اگلی رات کو پھر وہی شخص ممنوعہ علاقے میں آگیا۔ اسے دیکھ کر سیکیورٹی اہلکاروں نے بندوقیں تان لیں۔ وہ آدمی فوراً گاڑی سے باہر نکلا اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے زور سے بولا۔

"آپ مجھے بے شک ماردیں لیکن خدا کے لیے گاڑی میں بیٹھی ہوئی میری بیوی کو یقین دلادیں کہ میں پچھلی رات آپ کے پاس ٹھہرا تھا۔ کسی اور کے پاس نہیں۔"

ریکارڈ

www.pklibrary.com

ایک طیارہ ویرانے میں گر کر تباہ ہوگیا تاہم پائلٹ پیراشوٹ کے ذریعے کودنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ براہ راست زمین پر نہیں اتر سکا بلکہ ایک درخت کی شاخ میں پھنس گیا۔ کچھ دیر کی کوشش کے بعد آخر کار وہ درخت سے اترنے میں کامیاب ہوگیا۔ نیچے ایک دیہاتی کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

پائلٹ نے ٹھنڈی سانس بھر کر تھکے ہارے انداز میں زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں آج ایک ریکارڈ قائم کرنے کے ارادے سے جہاز لے کر نکلا تھا لیکن قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔"

دیہاتی نے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔

"ایک ریکارڈ تو بہر حال تم نے قائم کر ہی دیا ہے۔"

پائلٹ نے پوچھا۔ "وہ کیا۔"

دیہاتی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تم ایک درخت سے اُترے ہو جس پر تم چڑھے ہی نہیں تھے۔"

شور

تین افیمی شہر کے ہنگاموں سے تنگ آگئے۔ ایک دن ایک نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہم سکون کی تلاش میں دور کہیں جنگل میں چلے جائیں۔"

باقی دونوں نے اس کی بات سے اتفاق کیا اور تینوں کسی جنگل میں جا بیٹھے ایک سال بعد ایک افیمی بولا۔

"یہاں بہت سکون ہے۔"

دوسرے نے اس کے ایک سال بعد کہا۔ "یار تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ شور نہ کیا کرو۔"

اس بات کو مزید ایک سال گزرا تو تیسرا بولا۔

"اگر مجھے علم ہوتا کہ تم لوگ شور کرو گے تو میں تمہارے ساتھ کبھی نہ آتا۔"

بس

لڑکی نے اپنی لپ اسٹک درست کرتے ہوئے اپنی سہیلی سے کہا۔

"پتا ہے ثمینہ! جب اس نے میری عمر پوچھی تو میں عجیب الجھن میں پڑ گئی۔ میں فیصلہ ہی نہ کر سکی کہ میں چوبیس کی ہوں یا چھبیس کی۔"

سہیلی نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "پھر تم نے کیا کہا؟"

لڑکی نے مسکرا کر جواب دیا۔ "بس اٹھارہ سال۔"

مشورہ

ایک آدمی کا جوتا اسے چھوٹا تھا جس کی وجہ سے چلنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ ایک صاحب اسے دیکھ رہے تھے، بولے۔

"یہ جوتا کہاں سے لیا ہے؟"

وہ آدمی پہلے ہی بہت تنگ تھا جھلا کر بولا۔

"درخت سے اتارا ہے۔"

وہ صاحب بولے۔ "تھوڑا انتظار کر لیتے، ناپ کا ہو جاتا تو اتار لیتے۔"

فراخ دلی

اسکاٹ لینڈ کے لوگ کنجوسی کے لیے مشہور ہیں۔ ایک اسکاٹ کا بیٹا امتحان میں فرسٹ آیا۔ باپ نے اس کا نتیجہ دیکھ کر اس کی ہمت افزائی کے لیے کہا۔

"بیٹا! مجھ سے صرف ایک چیز مانگو تاکہ میں تمہیں انعام کے طور پر دے سکوں۔"

اس کے ننھے بیٹے نے کہا۔ "بہت اچھا بابا! لیکن مجھے اجازت دیں کہ میں کچھ سوچ لوں۔"

باپ نے کہا۔ "بہت اچھے تم سوچ سکتے ہو۔"

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بیٹے نے کہا۔ "ہاں ابا جان! اگر ممکن ہو تو مجھے ایک سائیکل خرید دیں۔"

باپ نے کہا۔ "نہیں بیٹے، اب یہ ممکن نہیں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ایک چیز مانگو، تم نے مجھ سے سوچنے کی اجازت مانگی، جو میں نے تمہیں دے دی۔"

*

www.pklibrary.com

شگفتہ جاہ

باتوں سے خوشبو آئے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں آنے والے وسوسے معاف کر دیے ہیں جب تک ان پر عمل نہ کریں یا انہیں زبان سے ادا نہ کریں اور (وہ گناہ بھی معاف کر دیے ہیں جن پر انہیں زبردستی مجبور کیا جائے۔"

(ابوداؤد)

حضرت علیؓ نے فرمایا،

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

"جو بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔ اس کی عقل میں روشنی اور نور پیدا ہو جاتا ہے۔"

دیانت داری،

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس روم کے بادشاہ کا قاصد آیا۔ حضرت عمر کی اہلیہ نے ایک دینار اُدھار لے کر عطر خریدا اور شیشوں میں ڈال کر وہ عطر قاصد کے ہاتھ روم کے بادشاہ کی اہلیہ کو ہدیہ بھیج دیا۔

جب یہ قاصد بادشاہ کی اہلیہ کے پاس پہنچا اور اسے عطر دیا تو اس نے وہ شیشیاں خالی کر کے جواہرات سے بھر دیں اور قاصد سے کہا۔

"جاؤ یہ حضرت عمر بن خطاب کی اہلیہ کو دے آؤ۔"

جب یہ شیشیاں حضرت عمرؓ کی اہلیہ کے پاس پہنچیں تو انہوں نے شیشوں سے وہ جواہرات نکال کر ایک بستر پر رکھ دیے۔ اتنے میں حضرت عمر بن خطابؓ گھر آ گئے اور انہوں نے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

ان کی اہلیہ نے ان کو سارا قصہ سنایا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے وہ تمام جواہرات لے کر بیچ دیے اور ان کی قیمت میں سے صرف ایک دینار اپنی اہلیہ کو دیا اور باقی ساری رقم مسلمانوں کے لیے بیت المال میں جمع کرا دی۔

آخرت کی شاہی،

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لیے خلیفہ ہونے سے قبل ہزار دینار کی پوشاک خریدی جاتی تھی (آپ بہت ہی خوش پوشاک تھے) وہ اس ہزار دینار کی اس پوشاک کو بھی دیکھ کر یہ فرماتے تھے کہ

"میں اس سے بھی زیادہ نرم لباس چاہتا ہوں۔"

اور جب آپ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے تو ان کے واسطے پانچ درہم کے کپڑے خریدے جاتے اور آپ ان کو دیکھ کر فرماتے

"یہ کپڑے خوب ہیں لیکن اگر اس سے بھی موٹے ہوتے تو زیادہ اچھا تھا۔"

لوگوں نے آپ سے اس تغیر پسندی کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

"حق تعالیٰ نے مجھے ایک نفس دیا ہے۔ لذت طلب جب ایک چیز کی حلاوت پاتا ہے تو پھر اس سے بہتر کی طلب کرتا ہے۔ اب میں نے خلافت کا مزا چکھا ہے۔ اس سے برتر کوئی مزا نہیں۔ تو اب میرا دل

www.pklibrary.com

صرف آخرت کی شاہی طلب کرتا ہے۔"

نکاح کے لیے انتخاب،

شہر مہرو کے حاکم اعلیٰ نوح بن مریح کو جب اپنی لڑکی کے نکاح کی ضرورت پیش آئی تو پڑوس کے ایک آتش پرست کو بلا بھیجا۔ اسے جب پتا چلا کہ اس کام کے لیے بلایا گیا ہے تو اسے بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگا۔

"ساری دنیا تو آپ سے رائے لیا کرتی ہے اور آپ ہیں کہ مجھ سے رائے لے رہے ہیں؟"

نوح نے جواب دیا۔ "آپ میرے پڑوسی ہیں اور میں نے بہتر سمجھا کہ اس سلسلے میں آپ کی رائے بھی لے لوں۔"

آتش پرست نے کہا۔ "شاہان فارس مال و دولت کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ شاہان روم کے یہاں حسن و جمال کی مانگ ہوتی تھی۔ اہل عرب حسب و نسب کو فوقیت دیا کرتے تھے۔

اور خود آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دین داری اور پرہیزگاری کو فوقیت دیا کرتے تھے۔

آپ کے لیے بہترین انتخاب کیا ہو سکتا ہے۔ اب اس کا فیصلہ آپ آسانی سے کر سکتے ہیں۔

ادب،

ناصر الدین بن سلطان شمس الدین التمش نے دہلی پر بائیس سال تک حکومت کی۔ 664ھ میں وفات پائی۔ یہ بادشاہ نیک آدمی تھا۔

ایک دن ناصر الدین نے اپنے مصاحب محمد کو تاج دین کہہ کر آواز دی۔ اچانک اس تبدیلی نام پر مصاحب پریشان ہو گیا کہ بادشاہ نے محمد نام سے کیوں نہیں پکارا۔ کہیں اس سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔

اس نے سلطان سے پوچھا۔ "کیا اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟" تو ناصر الدین نے جواب دیا۔

"آج اتفاق سے میرا وضو نہیں تھا اور بغیر وضو کے محمد نام لینا مجھے گوارا نہ ہوا۔ اس لیے تاج الدین کہہ کر پکارا۔"

عدل و انصاف،

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حاکم کو لکھا۔

"اپنے شہر کو عدل و انصاف کے ذریعے سے محفوظ کرو اور شہر کے راستوں سے ظلم و زیادتی دور کرو کیونکہ ظلم اور زیادتی ہی شہر کی ویرانی کا باعث ہے۔ ملک لشکر کے بغیر نہیں، لشکر مال کے بغیر نہیں، مال شہروں کے بغیر نہیں، شہر عوام کے بغیر نہیں اور عوام انصاف کے بغیر نہیں۔"

اقوال زریں،

- دنیا میں وہی لوگ سربلند ہوتے ہیں جو تکبر کا تاج دور پھینک دیتے ہیں۔
- جاہل مال کی طلب کرتا ہے اور عقل مند کمال کی۔
- جو گفتگو زیادہ کرتا ہے اس سے غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ برائی تھوڑی سی بھی زیادہ ہوتی ہے۔
- ہم میں سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔
- دوسروں کی نیکیاں اور اپنے عیب تلاش کرو جب ہی تم نیک بن سکتے ہو۔

نمرہ عاقب۔ گرین سٹی

موتی مالا،

- انسان کے کردار کی پہچان نہ صرف ان لوگوں سے ہوتی ہے جن کی صحبت وہ اختیار کرتا ہے بلکہ ان لوگوں سے بھی ہوتی ہے جن سے وہ گریز کرتا ہے۔
- عام لوگ تحفظ ڈھونڈتے ہیں جبکہ غیر معمولی لوگ موقع ڈھونڈتے ہیں۔
- جو کامیابی آسودگی اور اطمینان عطا نہیں کرتی، وہ کھوکھلی کامیابی ہوتی ہے۔

طوبیٰ، ردا۔ کراچی

محبت،

- اگر تم شاہین کی طرح اونچی پرواز کرنا چاہتے ہو تو تمہیں شاہینوں والے طور طریقے سیکھنا ہوں گے۔
- اگر تم کامیاب لوگوں سے تعلق رکھو گے تو خود بھی

www.pklibrary.com

کامیاب ہو جاؤ گے۔
٭ اگر تم دینے والوں سے تعلق رکھو گے تو خود بھی دینے والے بن جاؤ گے۔
٭ اگر تم منفی لوگوں سے تعلق رکھو گے تو خود بھی منفی بن جاؤ گے۔

نادیہ یاسر۔ گوجر خان

ذخیرہ اندوزی

سلف صالحین میں سے کسی نے اپنے وکیل کے ہمراہ فروخت کے لیے غلہ بصرہ بھیجا۔ جب وکیل بصرے پہنچا تو اتفاق سے وہاں غلہ بہت سستا ہو چکا تھا۔ وکیل ایک ہفتہ وہاں ٹھہرا۔ اس کے بعد دگنی قیمت پر وہ غلہ فروخت کیا اور اس بزرگ کو جس کا غلہ تھا، خط لکھا کہ میں نے ایسا کام کیا ہے۔

اس بزرگ نے جواب میں لکھا۔

"میں نے اس تھوڑے نفع پر قناعت کر لی تھی جو دین کی سلامتی کے ساتھ ہو۔ تیرا ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ زیادہ نفع کے عوض تو نے دین برباد کر دیا۔ یہ کام جو تو نے کیا ہے، بڑا گناہ ہے۔

اب تیرے لیے مناسب ہے کہ سارا مال خیرات کر دے تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے اور شاید ایسا کرنے کے باوجود ہم اس فعلِ بد کی نحوست سے نہ چھوٹ سکیں۔

بندروں کے شکاری

ہندوستان میں بندروں کے شکاری انہیں پکڑنے کے لیے ایک صندوق استعمال کرتے ہیں جس کے اوپری ڈھکنے میں ایک کھلا سوراخ ہوتا ہے جو اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بندر اس میں اپنا ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ اس صندوق میں اخروٹ ہوتے ہیں۔ بندر سوراخ سے ہاتھ صندوق کے اندر ڈال کر اخروٹوں سے مٹھی بھر لیتا ہے۔

اب وہ مٹھی کو باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سوراخ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ اس میں سے صرف کھلا ہاتھ ہی نکل سکتا ہے، مٹھی نہیں۔ بندر کو انتخاب کرنا ہوتا ہے کہ یا تو اخروٹ مٹھی سے نکال کر ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جائے یا اخروٹ مٹھی میں پکڑے رکھے اور پھنسا رہے۔

ذرا اندازہ لگاؤ کہ بندر ہر مرتبہ کیا کرتا ہے؟ آپ نے درست اندازہ لگایا۔ وہ اخروٹ مٹھی میں پکڑے رکھتا ہے اور پھنسا رہتا ہے۔

انسان بندروں سے مختلف نہیں ہیں۔ سارے انسان اخروٹوں کو پکڑے رکھتے ہیں جو ہمیں زندگی میں آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ ہم مسلسل یہ جواز تراشتے رہتے ہیں۔ "ہم یہ کام اس وجہ سے نہیں کر سکتے کہ۔" اور "کہ" کے بعد ہمیشہ "اخروٹ" ہوتے ہیں جنہیں پکڑے رکھنے کی وجہ سے ہم ترقی اور کامیابی سے دور رہتے ہیں۔

فضہ بلال۔ کراچی

روشن ستارے

٭ گناہ کا موقع نہ ملنا بھی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔
٭ زندگی وہ نہیں جو ہم سوچتے ہیں، زندگی وہ ہے جو ہم جیتے ہیں۔
٭ جب انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے تو اس کی گفتگو مختصر ہو جاتی ہے۔
٭ جھوٹ بول کر جیت جانے سے سچ بول کر ہار جانا بہتر ہے۔
٭ ذاکر اور غافل کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔
٭ ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والی نہیں۔

نمرہ عاقب۔ گرین سٹی

www.pklibrary.com

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

فاکہہ سہیل ـــــــــــ کراچی

تیری دوری و حضوری کا ہے یہ عجیب عالم
ابھی زندگی حقیقت، ابھی زندگی فسانہ

طوبیٰ، ردا ـــــــــــ کراچی

منزل نہ مل سکی، یہ مقدر کی بات ہے
صد شکر ہم سے ذوقِ سفر تو نہیں گیا

ارم کمال ـــــــــــ فیصل آباد

جن کی نظروں میں ہم نہیں اچھے
کچھ تو وہ لوگ بھی برے ہوں گے

نادیہ یاسر ـــــــــــ گوجر خان

اس قدر عشق جنوں خیز کہاں ہوتا ہے
کچھ اثر موسمِ گل کا بھی ہے دیوانوں پر

نمرہ، افسر ـــــــــــ کراچی

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجیب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال ان کا بھی آیا کبھی تجھے جاناں!
جو تجھ سے دور بہت دور جی رہے تھے الگ

بشریٰ دانش ـــــــــــ کراچی

نہ میرے قلم سے لکھی گئی، نہ میری زبان سے ادا ہوئی
جو نظر سے کہنے کی بات ہے کسی حرف میں نہ سمائے گی
کوئی پھول کیسے کھلتا ہے کس طرح، کوئی دھول ہوتا ہے کس طرح
یہ وقت وقت کی بات ہے، زندگی تجھے بتلائے گی

صدف عمران ـــــــــــ کے ڈی اے

کس طرح عمر کٹے گی جو یہی حال رہا!
ہم سے روٹھا ہے وہی جس کے لیے جیتے ہیں

عائشہ، تحریم ـــــــــــ گوجرہ

علاج یہ ہے کہ مجبور کر دیا جاؤں
وگرنہ یوں تو کسی کی نہیں سنی میں نے

فضہ بلال ـــــــــــ ڈیفنس

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین کبھی ہوتا نہیں سفر سے
شاید کوئی منزل نہیں اس راہ میں پڑتی
واپس نہیں آتا کوئی یادوں کے سفر سے

فبیہہ دعا ـــــــــــ کراچی

محبت ہار کے جینا بہت دشوار ہوتا ہے
اسے بس اتنا کہہ دینا بھرم توڑا نہیں کرتے

نوال افضل گھمن ـــــــــــ بھگرات

بہت سادگی سے کم ہو رہے ہیں
تمہارے رابطے، راستے اور تم

ممتاز بی بی، زہرا ممتاز ـــــــــــ ڈیرہ غازی خان

شریک درد نہیں جب کوئی تو اے شوکت
خود اپنی ذات کی بے چارگی غنیمت ہے

نورین شفیع ـــــــــــ ملتان

وہ جو ایک شام تھی خواب سی، کہیں کھو گئی
وہ جو ایک دن تھا عذاب سا، وہ ڈھلا نہیں

انیلا ـــــــــــ نامعلوم جگہ

وہ بھی دن تھے کہ تیرا ذکر تھا سرمایۂ زیست
اب تیرا نام بھی لیتا ہوں تو دل دکھتا ہے

علیشہ گل ـــــــــــ خانیوال

بزمِ خیال میں تیرے حسن کی شمع جل گئی
درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی
جب تجھے یاد کر لیا صبح مہک مہک اٹھی
جب تیرا غم جگا لیا رات مچل مچل گئی

فرخندہ جاوید ـــــــــــ ملتان

آپ سے مل کے طبیعت کو وہ ملتا ہے سکون
جس کو اربابِ خرد آبِ بقا کہتے ہیں

www.pklibrary.com

رخسانہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

گلشن شفیع گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں

''پہلی شعاع'' آہ ملال کا مہینہ، 16 دسمبر سے جڑی دو خوف ناک یادیں۔ مولانا محمد علی جوہر عظیم ماں کے سپوت بہت خوب صورت نعت زیر لب پڑھتے رہے۔ پیارے نبی کی باتیں، نماز کے متعلق احکامات جان کر اچھا لگا۔ ''تجھ سے ناتا جوڑا'' ایسے شوہروں کو اللہ ہدایت دے۔ فیضان شیخ معصوم چہرہ، اچھا انٹرویو تھا۔ ''خط آپ کے'' صدف ناصر آپ کو سلام۔ آپ میرے شہر کی ہیں۔ ام طیفور آپ گوجرانوالہ میں کہاں رہتی ہیں۔ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں اور آپ ساس درساس جیسے افسانے ہر ماہ لکھا کریں۔

''والعصر'' ابھی کہانی کھل رہی ہے مگر مجھے آتش، عیسیٰ اور ابن سلیمان ایک ہی کردار کے تین نام لگتے ہیں۔ تنزیلہ ریاض اتنا ضدی کردار کہاں سے لائیں، میرا مطلب شیریں سے ہے۔ بے چارے وائٹ پانڈے پر اتنا ترس آیا کہ حد نہیں۔ لاریب بھی ہو بہو ماں کی کاپی ہے، بہر حال ساس اور بہو کی لڑائی کافی مزے دار تھی۔ میں تو داؤد کی ممی کی سائیڈ پر ہوں کیونکہ شیریں حد سے زیادہ ہٹ دھرم ہے، ویسے داؤد کی ممی کا نام کیا ہے تنزیلہ! ''عسر یسرا'' اتنا معصوم رومانس جب جہاز میں جنت فارس کا منہ ہاتھ سے پکڑ کر دوسری طرف کرتی ہے، اچھی قسط تھی یہ بھی۔ پریکٹسی میں ایکسر سائز بھی جب حسنہ نے کروائی ہے تو صحیح ہی ہوگا یہ سب۔ ویسے پہلے کبھی سنا نہیں۔

پھر نہ ہم ہیں نہ یہ تماشا، کسی کو پورا شعر آتا ہے تو لکھ دیں پلیز۔ عنوان زبردست تھا۔ فرزانہ اسماعیل بھی رائٹر کی صف میں آ گئیں۔ اچھی کوشش تھی اور عنود کا فیصلہ درست تھا، نام بھی منفرد تھا عنود۔ حمیرا شفیع کا افسانہ دو بیویاں رکھنے والوں کے لیے اچھی تجویز ہے، اب کئی اس پر عمل کریں گے۔ نظیر فاطمہ ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے یہ۔ ماورا طلحہ اس ماہ کا ٹاپ افسانہ تھا یہ۔ ''تاریخ کے جھروکوں سے'' بہت دلچسپ حقائق سامنے آئے نہرو خاندان کے حوالے سے۔ خاص طور سونیا گاندھی اطالوی تھی، میں اسے ہندو ہی سمجھتی تھی اور اس کی تعلیم لگتا تو یہ تھا کہ محترمہ واقعی کیمبرج کی فارغ التحصیل ہیں۔ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔

☆ پیاری گلشن! شعاع پر آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ بہت شکریہ۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔

صدف ناز انصاری، مقدس ناز انصاری اور طوبیٰ شوال انصاری.....ملتان

آپ کو سال نو مبارک ہو اور اس کے ساتھ ہی شعاع نے ایک اور ریکارڈ بنالیا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے سرورق پر مہینوں کے نام اردو میں چھپتے ہوئے پوری ایک دہائی ہوگئی ہے۔ دسمبر 2011ء کے ٹائٹل پر اس ماہ کا انگریزی میں لکھا گیا تھا اور اس پر جلوہ افروز ماڈل لائبہ مغل بھی آخری بار آئی تھیں۔ بھئی اس دور میں شعاع کی اس لاڈلی اور مستقل ماڈل کا وہی مقام تھا جو آج کل فرینہ اعجاز کا ہے۔

2021ء کا شمارہ دسمبر یکم سے پہلے ہی مل گیا۔

www.pklibrary.com

ٹائٹل گرل سدرہ جبار کا تعلق حیدر آباد سے اور یہ 14 اکتوبر کو پیدا ہوئیں۔ یہ پہلے خود ایک بیوٹی پارلر میں کام کرتی تھیں اور ایک دن ماڈلز کم ہونے پر ان کی ساتھیوں نے انہیں بھی میک اپ آرٹسٹ سے ماڈل کا روپ دے دیا۔ یہ جلد ہی اپنا فیشن برانڈ بھی متعارف کرانے والی ہیں، انہیں پینٹنگ کا بھی بے حد شوق ہے۔ تینوں اداکاروں فیضان شیخ، نوید رضا اور عارض احمد کے انٹرویو بہترین رہے۔ ن، ح کا ناتا اور بشریٰ نویدہ باجوہ کا شعاع کے ساتھ بھی بہتر ہیں۔ طویل کہانیوں کی طرح افسانے بھی چار تھے۔ تاریخ میں اب کی مرتبہ طویل تحریر میں نہرو خاندان کے کارنامے پڑھ کر اپنے قائد پر فخر ہوا کہ بابائے قوم ان کے پورے ٹولے کے سامنے کتنے عظیم کردار کے مالک تھے۔ ''موسم کے پکوان'' سردی کے اتنے سارے ذائقوں سے سجے ہوئے تھے جنہیں پڑھ کر مزا آ گیا (صرف پڑھ کر..... ہاہاہا)۔

☆ صدف، مقدس اور طوبیٰ شوال! آپ لوگوں کی یادداشت کی داد دیتے ہیں۔ آپ شعاع کی چھوٹی سے چھوٹی بات یاد رکھتی ہیں اور ماڈلز پر تو لگتا ہے، آپ نے پی ایچ ڈی کر رکھا ہے، تقریباً ہر ماڈل کے بارے میں آپ کے پاس معلومات ہوتی ہیں۔

زینب نور جہانیاں سے لکھتی ہیں

آپ زینب نور سے ناراض ہیں یا زینب کے لکھے گئے الفاظ پسند نہیں آئے۔ مصیبتوں اور مشکلوں کے بعد لکھا جانے والا خط اگر مسترد ہوگا تو میرا شکوہ بجا ہے یا نہیں؟ ایک تو ویسے ہی میں ہر ماہ حاضر نہیں ہو سکتی (مجبوریاں) اب بھی رات شعاع ملا ہے، ڈھنگ سے پڑھا بھی نہیں اور خط لکھنے بیٹھ گئی۔ اس لیے کہ آپ سے ملاقات (نصف ہی سہی) کو دل چاہ رہا تھا۔ اس لیے بھی کہ..... میں سب کو بتانا چاہتی ہوں کہ ''اک میں بھی ہوں یہاں''۔

دسمبر چڑھ گیا اور ہماری صحت کا بڑھاپا انگڑائی لے کر جاگ اٹھا۔ صبح صبح ہی دکھڑے.....

''اوئی ماں..... انگلیوں کی گانٹھیں دکھ رہی ہیں'' یہ مجھ سے بڑی کا دکھڑا.....

''اماں! بستر سے نکل کر یک دم سردی میں آتے ہی پنڈلی کی ہڈی میں درد ہونے لگتا ہے۔'' جی..... یہ ہم ہیں۔

پھپھو ہمیں دیکھ دیکھ، سن سن کر حیران و پریشان..... کہ ''بی بیو ہماری عمر میں آ کر تو قبر میں ہی اتر جاؤ گی.....''

پچھلے مہینے سر میں اس قدر شدید درد اٹھا کہ برداشت محال..... وومٹنگ، چکر..... پتا چلا کہ پٹھوں میں مسئلہ ہو گیا۔ پھر گردن اور کندھے بھی اس درد کی زد میں آ گئے۔ پورے پندرہ دن منجی سے لگی رہی۔ اب امی نے سندھیا بنا کر دیا ہوا ہے کھانے کو۔ سچ میں ذرا دل نہیں کرتا مگر امی کی کڑی نگرانی..... (سندھیا..... بادام، خشک ناریل، مغز وغیرہ ڈال کر بنایا جاتا ہے) لکھنے پڑھنے پر مکمل پابندی.....

سروے میں حصہ لینے کو بہت دل تھا اب کی بار، مگر رسالہ ہی رات ملا۔ اب صبح صبح اتنے سے ٹائم میں کیا خاک سروے لکھا جائے گا۔

''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' میں اوقات نماز کے بارے میں آگاہی دی۔ ماشاء اللہ، اللہ پاک دنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

سب سے پہلے ''عمر یسرا'' پڑھی۔ حسنہ حسین نے کس قدر خوب صورتی سے تحریر کی کہانی کہ پڑھنے والے کے گرد کوئی اور ہی جہان آباد کر دیتی ہیں۔ ہائے جادوگر شہزادہ، بے چارہ فارس۔

جس قدر خوب صورت تحریر ہے، آہستہ آہستہ اک اک گرہ کھلتی رہے، کہانی چلتی رہے۔ مزا ہی اور ہے..... اقصیٰ اور عدیل کی ملاقات کا انتظار ہی رہا۔

''والعصر'' ایک انتہائی خوب صورت کہانی۔ کچھ پراسراریت لیے، آتش کچھ پراسرار سا شخص لگا۔ البم میں تصویر دیکھ کر منظر بنانے والا شخص عیسیٰ لگتا ہے۔

☆ پیاری زینب! آپ کا خط ملتا تو ہم اسے ضرور شامل کرتے۔ آپ شعاع کی قاری ہی نہیں، ہماری مصنفہ بھی ہیں۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ سروے میں حصہ نہ لے سکیں۔ اب ایک کام کریں، سروے کے جوابات لکھ کر بھجوا دیں، ہم آپ کے جوابات فروری کے

www.pklibrary.com

شمارے میں شامل کرلیں گے۔

آپ کی صحت کے بارے میں جان کر تشویش ہوئی۔ صحیح کہتی ہیں آپ کی پھپھو، یہ عمر بیمار ہونے کی تو نہیں ہے۔ اب آپ سندھیا کھا کر جلدی سے ٹھیک ہوجائیں تاکہ ہمارے لیے اچھی اچھی کہانیاں لکھ سکیں اور بھئی یہ سندھیا کھانے کو کیوں دل نہیں کرتا۔ اتنی مزے دار چیزیں ناریل، بادام ڈال کر بنائی ہوئی سندھیا یقیناً مزے دار ہوگی۔

ریحانہ وقاص لاہور سے شریکِ محفل ہیں لکھا ہے

شعاع کے ساتھ تعلق ایک سہیلی جیسا ہے، جس سے ہم اپنا دکھ سکھ بیان کرتے ہیں۔ ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' پڑھ کر دکھ ہوا۔ بات پھر وہ ہی آجاتی ہے، کوئی جانور بھی خریدنے جاؤ تو ماں باپ دیکھ بھال کر سودا کرتے ہیں۔ لیکن بیٹیوں کے رشتے طے کرتے وقت آنکھیں بند کرکے سب کچھ قسمت پر ڈال دیتے ہیں اور کچھ سالوں بعد اپنی ہی تصویریں اجنبی سی لگتی ہیں کہ ہم بھی کبھی ایسے تھے اور اب ایسے سے کیسے ہوگئے ہیں۔ خیر ''میں، چندا اور تارا'' ایک خوب صورت تحریر تھی۔ سب سے باکمال تحریر تھی ''پھر ہم نہ ہیں نہ یہ تماشا'' اس نے تو ہمیں رلا ہی دیا۔ عورت مرد کے لیے اس کے راستے کے کانٹے ہٹا کر پھولوں سے راستہ بنائی جاتی ہے لیکن جب عورت کا وقت آتا ہے تو مرد جلد اکتا جاتا ہے اور اک نئے سفر کی طرف گامزن ہوجاتا ہے۔ ''رت بدلنے دو'' کوئی خاص تحریر نہیں لگی۔ ''سنو تو سہی'' ایک اچھی تحریر تھی۔

☆ پیاری ریحانہ! نہ سب مرد برے ہوتے ہیں نہ ہی ساری عورتیں وفا شعار۔ تین مرد ہماری نظر سے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے بے مثال قربانی دی ہے۔ تینوں بہت پڑھے لکھے تھے۔ بڑے عہدوں پر فائز تھے لیکن انہوں نے اپنی معذور اہلیہ کا ساتھ تاعمر نبھایا۔

سلمیٰ مسرت نے راولپنڈی سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

میں نے شدید تھکاوٹ میں بھی شعاع اور خواتین کا ایک ایک لفظ پڑھا، بے شمار تحریروں پر تبصرہ کرنے کو دل چاہتا تھا لیکن ایک لمحہ بھی نہیں ملا، شادی کی تیاری کیسے کی، دو چھوٹے بچوں کو کیسے سنبھالا پھر ناشتہ، دوپہر کا کھانا میرے ذمے تھا کیونکہ دونوں بہویں پڑھاتی ہیں۔ بیٹی کی جاب، تعلیم، ریسرچ ساتھ ساتھ تھی، یہ سب بتانا بہت مشکل ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ سب قارئین مجھے بھول گئے لیکن مجھے سب یاد ہیں۔

نئی رائٹرز حمیرا شفیع، زینب نور، فرحانہ مہناز اور بہت سے لوگ سب کے خط، افسانے زبردست تھے۔

''عسر یسرا'' کے خوب صورت الفاظ نے بہت حوصلہ دیا۔ یہ الفاظ میری ڈائری کی زینت بن چکے۔ کئی بار مایوسی نے بہت حملہ کیا، دل بری طرح ٹوٹا، کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ میں نے قرآن کی تفسیر پڑھی۔ اللہ کو یاد کیا۔ یہ خوب صورت تحریریں انہوں نے مجھے سکون دیا۔ اس مشکل دور میں اپنی تحریروں سے کسی کو چند لمحوں کا سکون دینا بہت بڑی عبادت ہے۔

☆ پیاری سلمیٰ! آپ کی ہمت کی داد دیتے ہیں کہ آپ نے اتنے سارے کام اکیلے نمٹائے۔ ناشتہ، کھانا بنانا تو چلو خیر لیکن بچوں کو سنبھالنا واقعی بہت ہمت کا کام ہے۔ قارئین کا تو وہ خود ہی بتائیں گے لیکن ہمیں واقعی آپ کی کمی محسوس ہوئی۔ دراصل باقاعدگی سے خط لکھنے والے جب غیر حاضر ہوتے ہیں تو ان کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے اور قدرے تشویش بھی ہوتی ہے۔ آپ نے اتنی مصروفیت کے باوجود شعاع اور خواتین کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہ ہمارے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند اور سلامت رکھے، آمین۔

سلمیٰ! آپ نے خط والے صفحے کی پشت پر سروے کے جواب بھی لکھ دیے ہیں۔ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ ہر سلسلے کے لیے علیحدہ کاغذ استعمال کریں۔

نورین شمع نے ملتان سے لکھا ہے

میں کتنے مہینوں سے خط لکھنے کا سوچ رہی ہوں، اس دفعہ بل پے کروانے ڈاک خانے جانا ہوا، بل پے کروا کر بھائی نے چالیس روپے بقایا دیے میں نے بھائی کو بیس روپے دیے اور کہا ڈاک کے لفافے دیں یہ کیا صرف ایک لفافہ بیس کا۔ میں حیران، میں نے کہا بھائی یہ تو آٹھ

www.pklibrary.com

روپے کا تھا اتنا مہنگا۔ بچوں کی فیس جمع کروانے فیس کے پیسے الگ رکھے اور شعاع کے اسی روپے الگ۔ یہ کیا شعاع بھی سو روپے کا ہو گیا، میں نے کہا شعاع رکھ لیں، پیسے کم ہیں۔ کہنے لگے کوئی بات نہیں پھر دے جانا۔ شعاع لے کر گھر آ گئی۔

اب تبصرہ شعاع پر۔ فارس وجدان "جنت کے پتے" کا جہان ہے، بالکل۔ "عمر یسیرا" بہت پیارا ناول ہے مگر لگتا ہے کہانی رک گئی ہے۔ پلیز رقص جنوں جیسا کوئی اور ناول لے آئیں اور ثمرہ آپی سے کہیں پلیز شبلی جوادی کو بہت مس کرتی ہوں، پہلے کہانیاں پڑھ کر کزنز آپس میں تبصرہ کرتی تھیں، مزا آتا تھا شادی کے بعد سب چھوڑ گئی ہیں مگر میں نے نہیں چھوڑا ہم چوک مندر سے بھابھی لائے۔ ایک دن باتوں باتوں میں رسالوں کا ذکر چل نکلا، بھابھی نے بتایا کہ ان کی امی شعاع، خواتین، کرن پڑھتی ہیں، وہ کم از کم تیس سال سے اوپر کی پرانی قاری ہیں۔ جب بھی دو تین ماہ بعد ان کا چکر لگے پھر ہم دونوں خوب تبصرہ کرتے ہیں کہ ایسے ہونا چاہیے کہ فلاں کردار وہ ہے، انہوں نے کہا کہ صندل بی بی ہی شیریں ہیں اور وہی ہوا۔

جس وقت میں رسالہ پڑھتی ہوں، مجھے بچوں کا شور بھی نہیں سنائی دیتا اور میرے رسالے اتنے نئے رہتے ہیں۔ کسی بچے کی ہمت نہیں ہاتھ لگائے، اس وقت بھی سب کو سلا کر لکھنے بیٹھی ہوں۔ شوہر میرے گھر دو چار دن بعد ہی آتے ہیں، آج کل ویسے ہی آلو اور گندم کی کاشت کا موسم ہے۔

☆ پیاری نورین! شعاع سے آپ کی محبت کا احوال بہت اچھا لگا۔ اتنی طویل مدت میں آپ نے تمام تر مصروفیات، ساس کی روک ٹوک، بچوں کی پیدائش، ان کی پڑھائی اور تربیت کے ساتھ ساتھ شعاع سے رشتہ قائم رکھا، یہ بہت بڑی بات ہے۔

اپنی آنٹی (بھابھی کی امی) کو ہمارا سلام پہنچا دیں۔ وہ ہماری اتنی پرانی قاری ہیں۔ خط لکھیں گی تو ہمیں خوشی ہوگی۔

لفافہ آٹھ روپے سے بیس روپے کا ہو گیا، اس سے اندازہ لگا لیں، ہر چیز کی قیمت اسی حساب سے بڑھی ہے۔ شعاع کی قیمت میں تو صرف بیس روپے کا اضافہ ہوا ہے، وہ بھی ہم نے مجبوراً کیا ہے۔ ہمیں اپنی قارئین پر بوجھ ڈالنا بالکل اچھا نہیں لگتا، دعا کریں کہ پرانا وقت واپس آ جائے۔ ہر چیز سستی ہو، پھر ہم شعاع کی قیمت بھی کم کر دیں گے۔

مسرت تنویر نے اٹک سے لکھا ہے

میں شعاع بچپن سے پڑھ رہی ہوں۔ سارے سلسلے بہت ہی لاجواب ہیں۔ نومبر کا شمارہ بہت ہی اچھا لگا، خاص طور پر نگہت سیما کا ناول اور قرۃ العین خرم ہاشمی کا مکمل ناول محبت خوب صورت ہے۔ پڑھ کر بہت پسند آیا۔ اس کا اینڈ بھی بہت پسند آیا۔ سب رائٹرز بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ آپ ناولٹ کا سلسلہ زیادہ رکھا کریں، غزلیں اور اشعار کا سلسلہ بھی بہت ہی لاجواب ہے۔

☆ پیاری مسرت! آپ کو شعاع کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ تاخیر کے باوجود ہم نے آپ کا خط شامل کیا ہے، ہمیں اندازہ ہے کہ بعض علاقوں میں پرچا بہت دیر سے پہنچتا ہے۔ اس لیے ہماری بہت سی قارئین خط لکھ نہیں پاتیں۔

آپ نے اپنی شاعری اور خط ایک ہی صفحے پر تحریر کیا ہے۔ آئندہ خط لکھیں تو خط علیحدہ کاغذ پر لکھیں۔ ہر سلسلے کے لیے علیحدہ علیحدہ کاغذ استعمال کریں۔ لفافہ ایک ہی استعمال کر سکتی ہیں۔

کلام کے لیے معذرت، شائع کرنے سے قاصر ہیں۔

محل سعدی آرائیں گولارچی سے شریک محفل ہیں

شعاع خواتین پڑھنا ایک بہترین مشغلہ ہی نہیں، زندگی کی ایک حسین یاد بھی ہے۔ ادھر مہینے کی آخری تاریخیں، ادھر ہماری دوڑیں۔ دو دن میں دونوں رسالے چاٹ کر پھر سارا مہینہ ان پر تبصرے، یاد ہے نویں دسویں میں جب چار کلاس فیلوز مل کر چالیس روپے کا رسالہ لیتے۔ کالج کے بعد بھی بہت سال پڑھا، لیکن پھر زندگی کی مصروفیات نے کچھ ایسا الجھایا کہ اس خواہش کو دل میں چھپا کر رکھ دیا۔

سال پہلے یہی دن تھے۔ جب ناساز طبیعت کے پیش نظر جب کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔ ایک دفعہ پھر سے پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ گئی، تب مجھے ڈائجسٹ بھی مل گئے

www.pklibrary.com

پڑھنے کو اور لکھنے کو وقت بھی۔ 9 نومبر کو یوم اقبال پر بیٹے کی پیدائش، تقریباً دس دن کا تھا بیٹا۔ تب تین سالہ مناہل نے ماں کو فارغ لیٹا دیکھ کر رسالہ لا کر دیا۔ ''مما! یہ لیں اپنی بک'' مناہل چار سال کی اور وردہ تین کی لیکن وہ جس طرح سے کتابوں سے پیار کرتی ہیں۔ امید ہے وہ جو میں لکھ پڑھ پائی، سب کریں گی۔

☆ پیاری محل! مناہل کا اپنی ماں سے پیار اور اس کے خیال نے آپ کا رشتہ شعاع سے دوبارہ جوڑ دیا۔ سچ کہتے ہیں کہ بیٹیاں ماں باپ سے پیار اور ان کی خدمت ہی نہیں کرتیں، ان کی مزاج شناس بھی ہوتی ہیں۔ کتابوں سے محبت تو آپ کی بیٹیوں میں شامل ہے، یقیناً وہ بڑے ہو کر بہت پڑھیں گی اور بہت اچھا لکھیں گی۔

شعاع سے پیار کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں لیکن یہ کیا؟ آپ نے کسی کہانی پر تبصرہ ہی نہیں کیا۔

رابیل سعید نے سیالکوٹ سے لکھا ہے

میٹرک سے پہلے چھپ کر پڑھتے تھے اور جب میٹرک میں آئے تو پھر ڈنکے کی چوٹ پر ہاکر سے خریدتے اور پڑھتے۔ آج تک شعاع سے اچھی باتیں ہی سیکھی ہیں۔ اب تو یہ ساتھ بہت پرانا ہو گیا ہے۔ پرانے لکھاریوں کی جگہ نئے لکھاریوں نے لے لی، مگر سب ہی خوب لکھتے ہیں۔

اب آتے ہیں شمارے کی طرف۔ ''نور القلوب'' اور ''والعصر'' خوب جا رہے ہیں۔ افسانے سب اچھے تھے۔ ''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' سلسلہ ہم سب سے پہلے پڑھتے ہیں۔ ناولٹ بھی سب خوب صورت تھے۔ نہرو کی تاریخ پڑھ کر مزا آیا۔

☆ پیاری رابیل! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ آپ نے ہمیں خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ یہ خوشی بڑھ جاتی اگر آپ شعاع کی کہانیوں پر بھی تبصرہ کرتیں۔ آئندہ تفصیلی تبصرہ کے ساتھ شرکت کیجیے گا۔

زہرا ممتاز، امتیاز بی بی، شمیم راحت، خالدہ اینڈ خدیجہ خان..... ڈیرہ غازی خان سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

''پہلی شعاع'' مدیرہ آپی! نے بالکل ٹھیک کہا۔ ''عسر یسرا'' حسنہ حسین کا ناول اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ افسانے سب ہی اچھے تھے۔ تنزیلہ ریاض اینڈ امت العزیز شہزاد کی جو بھی کہانی، ناول ہو یا ناولٹ زبردست ہوتے ہیں۔ ویسے آپ لوگوں کو تو بھول ہی گیا ہوگا، ہم سب فرینڈز نے نے ایک سال پہلے شعاع میں خط لکھا تھا اور ناول بھیجا تھا۔ آپ لوگوں نے ویلکم کہا تھا، بہت اچھا لگا۔ ہم سب فرینڈ کا خط شائع ہوا تو وہ چاندرات کو ملا تھا۔ ڈیرہ غازی خان کی ثانیہ مرید اور اقرا سرور دوستی کی آفر ہم نے تو کب سے قبول کر لی تھی لیکن خط لکھنے کا موقع اب ملا کیونکہ ایجوکیشن کی وجہ سے مصروفیت رہی۔ ڈاکٹر فریال تو خط تین چار ماہ بعد لکھتی ہیں، خود تو کوئی ثبوت دیتی ہی نہیں، دوسروں سے رابطہ نہ کرنے کا شکوہ کرتی نظر آتی ہیں۔

☆ پیاری بہنو! آپ نے شرکت کی، بہت خوشی ہوئی۔ تبصرہ پڑھ کر بھی مزا آیا۔ لیکن یہ بتائیے کہ خط تو آپ نے مل کر مشترکہ لکھا ہے، کہانی ندامت کے آنسو کس نام سے بھجوائی تھی؟

زمل مزمل کجر ضلع بہاول پور، احمد پور شرقیہ سے لکھتی ہیں

جس تحریر نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ ''ایمل رضا'' کا ''رقصم'' ہے۔ جسے پڑھا تو اس کا ایک ایک لفظ ذہن میں نقش ہو کر رہ گیا۔ پھر اتنی محنت سے اگلے ماہ کا رسالہ ڈھونڈا لیکن اس میں قسط نہ پا کر موڈ آف ہو گیا۔ میری خواہش ہے کہ ''ایمل رضا'' سے ''رقصم'' لکھوا کر اگلی قسط شائع کی جائے تاکہ ہم اسے پڑھ سکیں۔ آپ کو کہانیاں بھیج رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تھوڑی بہت ابو کی اس طرح مدد کر دیا کروں۔ پلیز آپ میری کہانیاں پڑھیں۔

پیاری زمل! آپ کا جذبہ قابل قدر ہے۔ اپنے ابو کی مدد ضرور کرنا چاہیے اگر آپ کی کہانیوں میں کوئی گنجائش ہوئی تو ضرور شائع کریں گے۔ رقصم قسط وار شائع ہوا تھا۔ دوبارہ شائع کرنا تو ممکن نہیں، وہ کتابی شکل میں آ چکا ہے۔ آپ منگوانا چاہیں تو اس نمبر پر فون کر کے پرویز صاحب سے قیمت اور منگوانے کا طریقہ معلوم کر لیں۔ 0212735021۔

ڈاکٹر ہانیہ نے لکھا ہے

سب سے پہلے ''عسر یسرا'' پڑھا ہمیشہ کی طرح

www.pklibrary.com

خوب صورت، ''نور القلوب'' تنزیلہ ریاض اچھا لکھ رہی ہے۔ ''والعصر'' بہت اچھی تحریر ہے۔ ''رت بدلنے دو۔'' فرح بخاری نے اچھا نہیں کیا، کیا تھا اگر وہ ان دونوں کو ملا دیتیں۔ پھر نہ ہم ہے نہ یہ تماشا بس ٹھیک ہی تھا۔ دل پر نقش ہو جیسے۔ فرزانہ اسمٰعیل نے اچھا لکھا۔ افسانے سارے اچھے تھے مگر حمیرا شفیع کا سب سے اچھا تھا۔ سید عارض سے مل کر اچھا لگا۔

پیاری ہانیہ! شعاع آپ کو پسند آیا۔ جان کر خوشی ہوئی۔ فرح بخاری نے ان دونوں پہ ظلم نہیں کیا، وہ دونوں مل جائیں گے بس دونوں کو تھوڑا انتظار کرنا ہے۔

ہانیہ خط میں اپنے شہر کا نام ضرور لکھا کریں۔

ام صحیٰ اسلام آباد سے شریک محفل ہیں لکھا ہے کراچی کی نمکین ہواؤں کو اسلام آباد کی خنک ہوا کا سلام! کیسے ہیں آپ لوگ؟؟

تو یہ ذکر ہے چار دسمبر کی سرد، خشک سی صبح کا ہا کر ابھی ابھی اخبار اور شعاع پھینک کر گیا تھا۔ (جی! ہم اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو اس دور میں بھی اخبار پڑھتا ہے) تو میں نے جلدی جلدی کام سمیٹے اور ''عسر یسرا'' کھول کے بیٹھ گئی مگر امیدوں پر اوس کیا۔ پوری بالٹی ہی الٹ گئی جب دیکھا کہ کہانی جوں کی توں موجود رہی۔ محض جنت کا ورک آؤٹ ہی پڑھنے کا ملا۔ اب انداز بیاں حسین ہے مگر بے جا طوالت تھوڑی گراں گزرتی ہے پھر ''نور القلوب'' کھولا ہی تھا کہ دیار غیر میں مقیم میاں جی کی کال آ گئی۔

''نور القلوب'' ہمیشہ کی طرح بہت اچھا۔ یہ لائن ''اسے انسانوں کو پجاری بنانے میں مزہ آنے لگا تھا۔'' بہت سی تلخ سچائیاں کھول گئی۔ ہم سب کہیں نہ کہیں اس ذہنیت کے حامل ہیں۔ استاد ہے تو شاگردوں کو اپنا پجاری بناتا ہے۔ ماں ہے تو بچوں کو پتا ہی نہیں چلتا کہ حد احترام کہاں ختم ہوتی اور حد عبدیت کہاں سے شروع۔

نصرت یوسف کی کہانی میں مایا کا اپنے دیور، جیٹھ سے ریزرو رویہ ''نامناسب'' دکھایا گیا حالانکہ ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا موت کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے۔

سعیدہ مرزا کا ''نہ یہ تماشا'' ایک احساس دلاتی تحریر تھی۔ والعصر..... تبصرہ تا حال محفوظ۔

☆ پیاری صحیٰ! اخبار پڑھنا ایک عادت ہے۔ صبح ناشتے پر چائے کے کپ کے ساتھ اخبار نہ ہو تو ناشتے کا مزا ہی نہیں آتا۔

مکمل ناول ڈائجسٹ کے پینتیس سے چالیس صفحات پر مشتمل ہونا چاہیے۔

نصرت یوسف نے کہانی میں ریزرو رویہ کو نامناسب نہیں ٹھہرایا۔ انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ گھر کے ماحول کو ایک دم نہیں بدلا جا سکتا۔ اس کے لیے صبر و تحمل اور سمجھ داری سے کوشش کر کے آہستہ آہستہ ہی بدلا جا سکتا ہے۔

منال ہل بٹ گوجرانوالہ سے شریک محفل ہیں لکھا ہے یہ پہلا ہفتہ جو ہمارا رسالوں کی نذر ہوتا ہے۔ اس بار خوب صورت مصروفیات کی نذر ہو گیا، خاندان میں شادیاں شروع ہو گئی ہیں ناں۔ ہاں جی ''سعیدہ عمیر'' یہ جو آپ کی ٹیڑھی میڑھی محبت تھی ناں کمال کی تھی۔ بہت اچھا لکھا آپ نے خاص وہ والد صاحب کا رول کمال تھا۔

افسانوں میں ریحانہ چودھری کا ''اساں ماہی چھڈ وے دتا'' بہت اچھا لگا۔

یہ ''ریحانہ وقاص'' نئی رائٹر ہیں کیا؟ نصیب تو ہمیں خود سے ملتا جلتا لگا وہ اس لیے کہ ہمیں لائے بیاہ کر سسرال والے اور ایک ہماری دیورانی نے پسند سے شادی کی دیور سے۔ اس کے باوجود آج تک سسرال میں ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزار رہی ہیں۔ اتنی عزت ہمیں اور باقی کو نہ ملی۔ سب اس کی عزت کرتے ہیں، خود میں بھی کیونکہ میں سب سے بڑی ہوں گھر میں تو کبھی چھ دیورانیوں میں سے کسی سے معمولی جھگڑا بھی نہیں ہوا میرا۔

''انا کی قربانی'' عظمیٰ صدیقی صاحبہ آپ کا افسانہ پڑھ کر آپ سے متاثر ہو کر ہم شادی میں گئے تھے 6 تاریخ کو بارات پر تو وہاں اپنی روٹھی نندوں سے حسن سلوک سے ملے۔ پانچ سے چھ ماہ کی ناراضی ختم کی، وہ بہت خوش ہوئیں ہم سے مل کر، پھر خوب انجوائے کیا ہم نے سسرالیوں ساتھ (ہم ایک سال سے علیحدہ گھر میں شفٹ ہو گئے ہیں ناں) ہم نے بھی اپنی انا کو مارا اور دل نے قدم بڑھا دیے ٹوٹے رشتوں کی طرف۔ پیارے نبی کی پیاری باتوں سے بہت کچھ سیکھا، مریضوں کی عیادت کے بارے میں ''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' پسندیدہ ہے ہمارا، پڑھ کر

www.pklibrary.com

کچھ دیر ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں مگر پڑھتے ضرور ہیں کیونکہ اس سے ہی تو پتا چلا ہے کہ ہم جو اپنے سسرال والوں کی زیادتیوں کو دل پر لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تو کچھ نہ تھا۔ بہن م، ز، ق نے جو فیصلہ کیا ٹھیک لگا۔ ایک بار ماں باپ کے گھر سے مانگ کر پیسے لے جاؤ تو شوہر اور سسرال والے ساری عمر پھر میکے پر نظر رکھتے ہیں۔

خط ''ہمارے نام'' میں مشاعل علی آپ کے غم میں ہم بھی شریک ہیں۔ پورا ماہ انتظار کے بعد یہ کہہ دیتی ہیں آپ کا افسانہ پڑھا نہیں یا قابل اشاعت نہیں یا پڑھ کر بتائیں گے (اف یہ ظلم) کچھ بندے یا بندیاں مزید نوکری پر رکھ لیں جو جلدی جلدی خط اور سارے افسانے پڑھ کر ہر مہینے آنے والے اسی مہینے جواب دے دیا کریں یہ مشورہ نہیں ریکوسٹ ہے۔''

''امت العزیز شہزاد'' کا ناول شروع کرلیا ابھی تو آتش کا رول ہی پسند آیا یا وہ لڑکی جو اس کے پاس آتی ہے۔ باقی گھر کا سین تو ''جنجال پورہ'' ہی لگا۔

پیاری منا ہل! آپ کی دیورانی کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ عزت اور محبت بھی رزق کی طرح نصیب میں لکھی جاتی ہے کچھ لوگ کچھ نہ کر کے بھی پا لیتے ہیں اور کچھ لوگ سب کچھ کر کے بھی خالی ہاتھ رہتے ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ ایسی باتوں کو اہمیت نہ دیں۔ خوش رہیں۔

آپ نے بہت اچھا کیا، اپنی نندوں سے صلح کرلی۔ اللہ کے نزدیک صلہ رحمی کا بڑا درجہ ہے۔ اس سے رزق میں اضافہ اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔ ویسے بھی چار دن کی زندگی ہے اس چھوٹی سی زندگی میں دل میں نفرتیں پال کر کیا رکھنا۔ محبت کرنے والے خود بھی خوش رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھتے ہیں۔

افسانے پڑھنے کے لیے لڑکیاں رکھنے والی تجویز تو اچھی ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں بہت بڑی تعداد میں افسانے موصول ہوتے ہیں۔ اتنا اسٹاف نہیں رکھ سکتے کہ ایک مہینے میں پڑھ لیے جائیں۔ ''پھر بہت سے افسانے تصحیح کر کے قابل اشاعت ہو سکتے ہیں۔ ان کو ہم ناقابل اشاعت نہیں قرار دے سکتے۔

رخ روشن پسرور سیالکوٹ سے لکھتی ہیں

اکتوبر میں خط پوسٹ کروایا تھا اور نومبر میں بھی ساتھ دو افسانے بھی تھے لیکن کسی کا کوئی اتا پتا نہیں۔ پورا مہینہ دس دس روپے جمع کر ڈائجسٹ، خط اور کہانی کا خرچا پورا کرتے ہیں نومبر میں تو بھابھی سے ادھار لے کر خط اور کہانی بھجوائی تھی تو یقین کریں نہ پا کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اگر جگہ نہیں ہوتی تو پلیز ایک یاد دلائن ہی شائع کر دیا کریں۔

پیاری رخ! آپ کا خط شائع نہ ہو سکا، اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ تمام بہنوں کے خط شائع جائیں۔

خط ایڈٹ کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بہنوں کے خط شامل ہو سکیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی کہانی قابل اشاعت نہیں ہے۔ آپ کو مزید محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

دعا لکھتی ہیں

اس ماہ افسانے سارے بہت اچھے تھے۔ ناول بھی اچھے تھے۔ والعصر ابھی پڑھا نہیں ہے۔ عمر یسرار کا رکا سا لگ رہا ہے۔ جولائی، اگست اور ستمبر کی ٹائٹل گرل کا کیا نام ہے پلیز بتا دیں۔

☆ پیاری دعا! ہم ہر ماہ ٹائٹل گرل کا نام پرچے میں دیتے ہیں۔ آپ پرچے میں دیکھیں آپ کو ٹائٹل گرل کا نام پتا چل جائے گا۔

قسط وار کہانیوں میں یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ کچھ قسطوں میں کہانی آگے بڑھتی نہیں محسوس ہوتی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مصنف کسی بھی موڑ کے لیے قاری کو اس کا بیک گراؤنڈ بتاتا ہے۔ اب اگلی قسطوں میں کہانی تیزی سے آگے بڑھے۔

فہرین فضل نے ملتان سے شرکت کی، لکھتی ہیں

شعاع سے میرا تعلق کتنا پرانا ہے میں بتا نہیں سکتی۔ اوراق یادی پلٹوں تو سرما کی ایک سنہری دوپہر، روشنی بکھیرتی تخیل پر لہرا جاتی ہے۔

ایک کم سن بچی اپنے ہاتھ میں کوئی کتاب نما شے اٹھاتے ہوئے بہن سے پوچھ رہی ہے کہ ''آپ اس میں سے کیا پڑھتی ہیں، مجھے بھی پڑھنا ہے۔'' بہن اس کے

www.pklibrary.com

ہاتھ سے کتاب لیتی ہے۔ صفحے پلٹ کر اس کی طرف بڑھاتی ہے اور کہتی ہے کہ ”تم یہ“ مسکراہٹیں پڑھو“ وہ بچی مسکراہٹیں پڑھتے پڑھتے کب کہانیوں اور افسانوں کا دروازہ پار کر گئی اسے پتا بھی نہ چلا۔

رسائل شروع سے ہی ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ میں جو گھر میں سب سے چھوٹی تھی میرے لیے ”نونہال“ لگوا دیا گیا۔ مگر اپنا رسالہ میں ایک دن میں ختم کر کے آپی کی الماری میں جا گھستی تھی۔ آج اتنے برس بیت گئے۔ گھر کے سب بڑے مصروفیات میں کھو کر رسالے پڑھنا چھوڑ گئے۔ گھر کی ”چھوٹی“ بھی بڑی ہو گئی۔ مگر جو دروازہ وہ وہ سرما کی سنہری دوپہر میں پار کر گئی تھی وہاں سے آج تک نہیں پلٹی۔

”تنزیلہ ریاض“ کا نام میرے لیے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ میں پانچویں کلاس میں تھی جب میں نے ان کا ناول ”عہد الست“ پڑھا۔ نور القلوب میں میری تمام تر ہمدردیاں اور فکریں ”داؤد“ کے ساتھ ہیں۔ اس شخص کی زندگی میں دو عورتیں تھیں اور دونوں نے ہی اپنی ضد، انا اور تنفر میں سب سے زیادہ نقصان اس محبت کرنے والے انسان کو پہنچایا۔

افسانے چار تھے اور بس ٹھیک ہی تھے۔ ”فرح بخاری“ کا ناول جتنا خوب صورت تھا اس سے بھی خوب صورت ایبٹ آباد کا موسم تھا۔ اب بات کر لی جائے اس ناول کی جس پر مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔

”حسنہ حسین“ نے میرے ذہن پر چھاپ اپنے پہلے ناول یعنی ”نورسین“ سے ہی چھوڑ رکھی تھی۔ پھر جب یہ ناول اسٹارٹ ہوا تو اس نے بھی اپنے حصار میں باندھ سا لیا۔ سب بہت خوب صورت تھا۔ مگر اب اصل کہانی کہیں پیچھے رک سی گئی ہے۔ نت نئی پچویشنز اور تو اور جنت ہر وقت نزاکت کا شاہکار کیوں بنی رہتی ہے۔ ہر بات پر اتنا ڈرامہ، آنسو اور پھر طبیعت کی خرابی (مجھے سچ میں ہنسی آ رہی ہے) شی از سو ڈرامیٹک، مگر یہ جو حسنہ کا لکھنے کا انداز ہے۔ یہ جو ہر تاثر کو اتنی خوب صورتی سے بیان کرتی ہیں اور یہ جو منظر نگاری کرتی ہیں میرا دل جیت لیا ہے اس نے۔ تاریخ کے جھروکے میں اس بار بہت سے انکشافات تھے۔

☆ پیاری فہرین..... آپ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ بہت اچھا خط لکھا ہے آپ نے۔ آپ اپنا ناول بھجوا دیں۔ ہم پہلی فرصت میں پڑھیں گے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

تسنیم کوثر کراچی سے شریک محفل ہیں

اس بار تو لگتا ہے تمام ہی سلسلے نمبرون کی دوڑ میں ہیں۔ اب اگر بات کی جائے امت العزیز کے والعصر کی تو بے شک بہت محنت سے بلکہ جم کے لکھ رہی ہیں مگر وہ کیا ہے کہ ناول میں کردار بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ہم گڑ بڑا جاتے ہیں۔ ویسے والعصر کے معنی کیا ہیں۔ پلیز بتائیے گا اور سنیعہ مرزا ناول پھر نہ ہم ہیں نہ یہ تماشا بہت اچھا لگا۔ تنزیلہ ریاض کا نور القلوب بھی بہتر ہی چل رہا ہے۔

میں چندا اور تارا حمیرا شفیع کے مزیدار بلکہ ذائقہ دار افسانے نے دل خوش کر دیا۔ دلچسپ افسانے رقم کرنے پر حمیرا مبارک باد کی مستحق ہیں۔

☆ پیاری تسنیم! تبصرہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا ہے آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کا تبصرہ بہت متوازن ہوتا ہے اور آپ کہانیوں کی تعریف کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کی بھی نشان دہی — کرتی ہیں۔ شعاع کے سلسلے آپ کو پسند آئے۔ بہت شکریہ۔

علیشہ گل نے جودھ پور سے لکھا ہے

اس بار کا شمارہ تو ابھی ہاتھ نہیں لگا۔ مگر پچھلے شمارے پر ضرور تبصرہ کروں گی۔ ”عسریسرا“ ناول زبردست ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک بار تو حسنہ حسین کو گلے لگا کر مبارک باد دوں، اتنی دیر گلے لگاؤں کہ وہ خود ہی مجھے دھکیل کر پیچھے کریں (ہاہاہا)۔ نور القلوب بھی اچھا جا رہا ہے۔ ”شام کی حویلی“ بھی اختتام کو پہنچا۔ میں جب کچھ پڑھ رہی ہوتی ہوں تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی ہوں ایک بار میں میگزین پڑھ رہی تھی۔ امی خالہ کے گھر جا رہی تھیں۔ جاتے ہوئے مجھے تاکید کی کہ سامنے ٹیبل پر پر دودھ پڑا ہے۔ دھیان رکھنا۔ وہ کہہ کر چلی گئیں میں اس قدر کہانی میں کھو چکی تھی کہ مجھے پتا ہی نہ چلا کب بلی آئی اور موقع غنیمت جان کر دودھ پر دھاوا بول دیا۔ اور چپ تک

www.pklibrary.com

مجھے پتا چلا بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں صدمے سے بلی کو دیکھ رہی تھی۔ پھر کیا تھا؟ میری وہ بے عزتی ہوئی کہ بس نہ پوچھیں۔

پیاری علیشہ! اپنی کسی قاری کو دھکے دے کر نکالنے کا تو ہم سوچ نہیں سکتے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی کو بھی دھکے دے کر نہیں نکال سکتے۔

ایمان، امید اور محبت سمیرا حمید نے نہیں عمیرا احمد نے لکھا ہے۔

آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں۔ اطمینان رکھیں قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔

رمشا روشن نے الہ آباد سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں ایک بار پھر میں آپ کی محفل میں چراغاں کرنے چلی آئی ہوں۔ بنا چراغ کے ہاہاہا۔ امید تھی فرزانہ کھرل جگمگا رہی ہوں گی۔ پروائے رے قسمت! فہرست پر نگاہ دوڑا کر سیدھا چھلانگ خطوط کے صفحے پر لگائی۔ سب تبصرے شاندار۔

خان زادیو! ہمیں بھی آپ کے — نام جاننے کا بے حد اشتیاق ہو رہا ہے سچ میں۔ آخر کو بنوں کی پریاں ہو۔ رونق بخشی ہے ملتان سے انصاری سسٹرز نے ہم تو آپ کی باریک بینی سے حد درجہ متاثر ہوئے بھئی۔ یادداشت کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی غضب کی ہیں جو فوراً سے پیشتر چیزیں نوٹ کر لیتی ہیں۔ میرا مشورہ مانیے پنجاب پولیس میں اپلائی کر دیجیے۔ فجر ناصر، صدف، ناصر، سندس بخاری، معافیہ شہباز، ریحانہ وقاص الغرض سب کے تبصرے و خطوط بہت شان دار ہیں خاص طور پر انصاری سسٹرز کی باریک بینی۔

''جب تجھ سے ناتا'' ن ح کے لیے خصوصی دعا آپ کے بیٹے کے سوال نے مجھے رلا دیا تھا۔ ایک ماں کا کیا حال ہوا ہوگا؟

حمد و نعت اعلیٰ..... اور پیارے نبی کی پیاری باتیں انتہائی سبق آموز اور آنکھیں کھولتی ہوئی (بے نمازیوں اور جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والوں کی) شعاع کے ساتھ ساتھ پسند آیا۔ پچھلے منتھ مجھے لگتا ہے وہ انیلا طالب تھیں۔ جن کا افسانہ نظر بد شعاع میں لگا تھا۔ باقی کوئی تحریر ان کی یاد نہیں۔ ''نور القلوب'' یہ لاریب اپنی مما محترمہ کے نقش قدم پر کیوں چل رہی ہے؟ ویسے ناول اچھا جا رہا ہے۔ اور ''والعصر'' کے تو کیا کہنے۔ لیکن عیسیٰ کے خاندان کا تقریباً ہندی میں بولنا۔ میرا اندازہ ہے کہ عینا بجو جو ماضی میں ہے۔ وہ حالیہ بی ذی ہے اور کار سے ٹکرانے والی وریٰ اور آتش وریٰ کا فادر..... دیکھیے اب میرے یہ بے لگام تکے کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔ ہاہا ''عسر یسرا'' اپنے سحر میں جکڑے ہوئے ہے جنت ٹھیک ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ اور پھر سے کوئی واقعہ رونما ہو جاتا ہے۔ افسانوں کی نگری میں سرفہرست ہیں حمیرا شفیع جن کا نام دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ کچھ اچھا پڑھنے کو ملے گا۔ اگر میں نرس کی جگہ ہوتی تو وہ بیلن ہی مارتی چندا اور تارا کے سروں پر جس سے شرافت حسین پٹا تھا۔ نظیر فاطمہ نے اچھا سبق دیا۔

دو خوش خبریاں ایک تو ڈائجسٹ پڑھنے پر لگائی جانے والی بے جا پابندی اب مجھ پر سے ختم ہو گئی۔ ہے اور دوسرا میں نے پچھلے مہینے سے اسی نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خواتین بھی منگوانا شروع کر دیا ہے۔ میری کہانیوں کا بھی بتا دیجیے گا۔

☆ پیاری رمشا! آپ تو خود چراغ ہیں۔ چراغاں کرنے کے لیے آپ کو چراغ لانے کی کیا ضرورت۔ نصرت یوسف کے افسانے میں نصرت یوسف نے نہ تو اسلامی طریقوں پر چلنے والوں پر طنز دکھایا ہے نہ آج کے دور کے ساتھ ڈھلنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ بلکہ انہوں نے درحقیقت یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کسی کے گھر کا ماحول ایک دن میں نہیں بدل سکتا۔ اس کے لیے نرمی اور محبت کے ساتھ ساتھ حکمت عملی کی بھی ضرورت ہے۔ تھوڑی سی حکمت عملی سے دین کا تقاضا بھی پورا ہو سکتا ہے اور گھر والوں کی کو بھی اعتراض نہیں ہوتا۔

انصاری سسٹرز تک آپ کا مشورہ پہنچا رہے ہیں لیکن پنجاب پولیس کی شہرت زیادہ اچھی نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پولیس کہیں کی بھی ہو۔ لوگ انہیں برا ہی کہتے ہیں حالانکہ کسی بھی جگہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے اچھے برے لوگ ہر ادارہ میں پائے جاتے ہیں۔

عیسیٰ کا خاندان ہندی نہیں بہاری زبان بول رہا ہے۔

آپ کے افسانے ابھی پڑھے نہیں گئے۔

www.pklibrary.com

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

جنوری 2022
کے شمارے کی ایک جھلک

- "مشک بام" سمیرا حمید کا مکمل ناول،
- "مالا" نمرہ احمد کا مکمل ناول،
- "تن داغ داغ" نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- "زندگی ہم تجھے گزاریں گے" راحت جبیں کا ناول،
- "طلسمی کہانی" شازیہ الطاف ہاشمی کا ناولٹ،
- صبازین، حمیرا شفیع، ماورا طلحہ، مریم انصاری اور لاریب انصاری کے افسانے،
- "قرۃ العین خرم ہاشمی" سے ملاقات،
- باصلاحیت اداکار "سکندر نواز راجپوت" سے باتیں،
- "کرن کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، خبریں و بریں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا جنوری 2022 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

pklibrary.com

www.pklibrary.com

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

یاجوج اور ماجوج

خیال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کئی اولادیں تھیں لیکن بائبل اور دیگر تواریخ میں صرف چار بیٹوں کے نام ملتے ہیں جن میں سے یام طوفان میں ڈوب کر مر گیا جبکہ باقی تین، سام، حام اور یافث، صاحب اولاد ہوئے۔ روایت ہے کہ دنیا کی تمام اقوام ان ہی تینوں کی اولاد ہیں (یہ قرآن سے بھی ثابت ہے)

ان میں سے سام کی اولاد عراق، شام، عرب اور شمالی ایران میں آباد ہوئی۔

حام کی اولاد افریقہ میں آباد ہوئی۔

اور یافث کے بیٹوں نے ترکستان، منگولیا اور روس کا رخ کیا۔ یافث کے بیٹوں کے نام تواریخ میں موجود ہیں جو، جمر، ماجوج، مادی، جاوان، توبال، مسک اور تیراس بیان کیے گئے ہیں۔

یاجوج اور ماجوج حضرت نوح علیہ اسلام کے پوتے اور ماجوج کی اولاد سے ہیں۔ مختلف حوالوں سے ان کا وجود اپنے دادا کے زمانے سے ہی ثابت ہوتا ہے لیکن دنیا ان کے ذکر سے چھٹی صدی قبل مسیح میں آگاہ ہوئی جب اسی دور میں بنی اسرائیل پر بھیجے جانے والے ایک نبی خرقی ایل یا جزقیل کی کتاب میں ان کا ذکر ہوا۔ کتاب میں ایک پیش گوئی درج ہے کہ۔

''خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جوج! اے میشک اور توبال (وحشی ترک قبائل) کے شہزادے! میں تیرا مخالف ہوں۔ میں تجھے شکست دوں گا۔ تیرے چھ آدمیوں میں سے پانچ کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ وہاں تیری کمان تیرے بائیں ہاتھ سے چھین کر پرے پھینک دوں گا اور تیرے تیر تیرے دائیں ہاتھ سے گر پڑیں گے۔ میں ماجوج نیز ان لوگوں پر جو جزائر میں آباد ہیں آگ بھیجوں گا۔''

اسی طرح کی ایک پیش گوئی مکاشفہ یوحنا میں بھی ہے جس میں ماجوج کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان پیش گوئیوں کی روشنی میں مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ یہی وحشی قبائل دراصل یاجوج، ماجوج ہیں۔ ان کا علاقہ روس اور توبل (موجودہ توبالسک) اور مسک (موجود ماسکو) بتایا گیا ہے۔ اسرائیلی مورخ یوسی فوس ان سے مراد سیتھین قوم لیتا ہے جس کا علاقہ بحیرۂ اسود کے شمال اور مشرق میں واقع ہے۔ جیروم کے بیان کے مطابق ماجوج، کاکیشیا کے شمال میں بحیرۂ خزر کے قریب آباد تھے۔

تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ یورپ اور ایشیا پر قبضہ کرنے والے وحشی حملہ آور ہمیشہ شمال کی طرف سے ہی آتے رہے جن کا تعلق یقیناً یاجوج، ماجوج سے ہی رہا ہوگا۔ منگول، سیتھین، ہن، تاتاری، وینڈل، گاتھ اور مغول ان قبائل کے مختلف نام رہے ہیں۔ وینڈل پانچویں صدی عیسوی میں جرمنی کے شمال مشرق سے اٹھ کر فرانس، اسپین اور بعد ازاں شمالی افریقہ میں لیبیا تک پہنچ گئے۔ گاتھ، بالٹک سے اٹھ کر تیسری صدی عیسوی میں فرانس، اٹلی اور اسپین پر قابض ہوئے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں تاتاریوں اور مغولوں نے ایران، عراق، شام اور نیشا پور کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ آریاؤں کے جو قافلے 2000 قبل مسیح سے ایران اور ہندوستان پہنچے وہ بھی ان ہی وحشی اقوام کے باشندے تھے۔

مختلف تواریخ میں یاجوج ماجوج کے ظہور کی مختلف تواریخ درج ہیں۔ تاہم محتاط ترین اندازے کے مطابق یاجوج، ماجوج یا ترک وحشی قبائل کی یلغار کی ابتدا 3.200 قبل مسیح کے لگ بھگ بنتی

www.pklibrary.com

ہے۔ تب یہ وحشی قبائل شمال مشرق سے وسط ایشیا کی جانب منتقل ہوئے۔ 3.000 قبل مسیح سے 1.500 قبل مسیح کے درمیان یہ قبائل وسط ایشیا سے بحیرہ اسود تک پھیل گئے۔ 1.500 اشوریوں (نینوا) پر حملے کرتے رہے۔ 630 قبل مسیح میں انہوں نے ایران کے مغربی علاقے تخت وتاراج کردیے۔

پھر سائرس اعظم کا عہد آتا ہے۔ جسے (بقول بعض مفسرین کے) قرآن مجید میں ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اسی مقام پر یاجوج ماجوج کا ذکر بھی ہے۔ قرآن مجید نے سورہ کہف کے علاوہ سورۃ الانبیاء (آیت ۹۶) میں ان کا تذکرہ کیا ہے جہاں ان کے آخری خروج (قرب قیامت) کا ذکر ہے۔ ذوالقرنین نے انہی حملہ آوروں کی روک تھام کے لیے کوہ قاف (درہ اریال) کے علاقے میں ایک دیوار تعمیر کرائی جسے سید ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

300 قبل مسیح سے 200 قبل مسیح کے درمیان منگولوں کا سیلاب چین کے شہروں پر حملے کرتا رہا جن کی روک تھام کے لیے 240 قبل مسیح میں شی ہوانگ ٹی نامی بادشاہ نے ڈیڑھ ہزار میل لمبی دیوار چین تعمیر کرائی۔ یہ حملہ آور بعد میں ہیانگ نو (Hiung-Nu) کہلاتے تھے اور پھر ہن کے نام سے مشہور ہوئے۔ تیسری صدی عیسوی میں انہوں نے رومی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور پھر تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیز خان اور اس کے جانشینوں نے دنیا میں ظلم وجبر کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔

یاجوج، ماجوج کے حوالے سے مولانا ابوالکلام آزاد نے خاصی تحقیق کی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ یاجوج، ماجوج کے لیے یورپی GOG اور MAGOG کے لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ نام سب سے پہلے توریت کے ترجمے سبعینی میں اختیار کیے گئے، قرآن سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

تاریخی قرائن شاہد ہیں کہ اس سے صرف ایک ہی قوم مراد ہوسکتی ہے یعنی شمال اور مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقت ور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی عیسوی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا اور جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سیکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی۔ ان کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں۔ ان کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے اسی قوم کی ایک شاخ تھی۔ یونانیوں نے سیتھین (seythain) کے نام سے پکارا جاتا ہے اور ان ہی کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس اعظم نے سد ذوالقرنین تعمیر کرائی۔

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے لیکن چینی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ منگولیا کا قدیم نام موگ تھا۔ یقوینا یہی وہ موک ہے جو 600 قبل مسیح میں یونانیوں میں گاک اور میگاک پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں ماجوج بنا ہوگا۔ اسی طرح چین کی تاریخ میں ایک قبیلے "یواچی" کا نام بھی ملتا ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج وتلفظ سے گزر کر ایسی شکل اختیار کرلی کہ عبرانی میں ماجوج ہوگیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے یاجوج، ماجوج، کے آخری خروج کو چنگیز خان اور ہلاکو خان کی یلغار سے سے تعبیر کیا ہے لیکن قرآن مجید کے ارشادات اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اس کی تائید نہیں کرتے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کہ مکاشفات یوحنا سے واضح ہوتا ہے کہ یاجوج، ماجوج کا آخری خروج قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا اور یہ دنیا کا آخری زمانہ ہو گا۔

www.pklibrary.com

سورۃ الکہف کی آیت 99 میں یاجوج، ماجوج کے حوالے سے اللہ تعالیٰ ارشاد ہے۔ ”او رہم ان (یاجوج، ماجوج) کو چھوڑ دیں گے کہ (روئے زمین پر پھیل کر) ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو جمع کرلیں گے۔“

چونکہ یاجوج، ماجوج کے خروج کا تذکرہ صور پھونکنے کے ساتھ ہوا ہے اس لیے اغلب خیال یہی ہے کہ یاجوج، ماجوج کا آخری خروج اور اس سے پیدا ہونے والا فتنہ، قیامت سے ذرا پہلے ہی رونما ہوگا۔

سورۃ الانبیاء کی آیات 96 اور 97 میں ہے۔ ”یہاں تک کہ یاجوج، ماجوج کھول دیے جائیں گے، سچا وعدہ قریب آجائے گا تو ناگہاں کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی (اور کہنے لگیں گے) ہائے شامت، ہم اس سے غفلت میں رہے بلکہ ہم (اپنے حق میں) ظالم تھے۔“

صحیح مسلم، کتاب الفتن کی ایک طویل حدیث کے مطابق یاجوج، ماجوج کا آخری خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے قتل کے بعد ہوگا۔

مکاشفات یوحنا (عہد نامہ جدید) کا بیان ہے۔ ”اور جب ہزار برس پورے ہوچکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج، ماجوج کو گمراہ کرکے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو نکلے گا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گی اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور آسمان پر سے آگ نازل ہوکر انہیں کھا جائے گی اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس، آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا اور وہ رات دن ابد تک عذاب میں رہیں گے۔“

یاجوج، ماجوج کے حوالے سے ایک اور دلچسپ روایت زبان زد عام ہے۔ لیکن بیشتر تاریخی کتب یا تفاسیر میں ان کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

ان روایتوں کے مطابق یاجوج اور ماجوج دو عفریتوں کا نام ہے (بعض انہیں قد کاٹھ میں بونے قرار دیتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ایک غار میں قید کر رکھے ہیں جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ یاجوج اور ماجوج، باہر نکلنے کے لیے غار کی دیوار چاٹنا شروع کردیتے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ دیوار چاٹتے چاٹتے تھک جاتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت تک دیوار بہت پتلی ہوچکی ہوتی ہے اور ذرا سی کوشش سے باقی حصہ بھی چاٹ سکتے ہیں مگر وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اب باقی دیوار کل چاٹیں گے۔ چنانچہ وہ سو جاتے ہیں لیکن جب سو کر اٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیوار کی موٹائی پھر پہلے جتنی ہوچکی ہوتی ہے لہٰذا وہ دوبارہ اسے چاٹنا شروع کردیتے ہیں اور پھر تھک کر سو جاتے ہیں۔ لیکن جب قیامت آنے والی ہوگی تو وہ دیوار مکمل طور پر چاٹ کر باہر نکلنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور ہر طرف تباہی پھیلانا شروع کردیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاجوج وماجوج کے معانی کو اور زیادہ کھول دیتا ہے جو صحیح مسلم میں حذیفہ بن السید الغفاری کی روایت سے نقل ہے کہ

”قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس علامتیں نہ دیکھ لو، یعنی دھواں، دجال، دابۃ الارض، مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، عیسیٰ ابن مریم کا نزول، یاجوج وماجوج کی یورش اور تین بڑے خسوف (زمین کا دھنسنا) یا Land Sliding ایک مشرق، دوسرا مغرب اور تیسرا جزیرۃ العرب میں، پھر سب سے آخر میں یمن سے ایک سخت آگ اٹھے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی (یعنی اس کے بعد قیامت آجائے گی)۔

www.pklibrary.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

چٹ پٹے چکن پکوڑے

اجزاء:۔

بون لیس چکن	آدھا کلو
بیسن	چار کھانے کے چمچے
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
چاول کا آٹا	دو کھانے کے چمچے
مسٹرڈ پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	دو چائے کے چمچے
اجوائن	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
چاٹ مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

چکن، لیموں کا رس، مسٹرڈ پیسٹ، کٹی لال مرچ، اجوائن، نمک اور زیرہ لگا کر تقریباً آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر مسالا لگے چکن میں بیسن اور چاول کا آٹا ڈال کر مکس کریں اور ضرورت سمجھیں تو تھوڑا سا پانی شامل کرلیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور چکن کے ٹکڑوں کو ہلکا براؤن اور کرسپی ہونے تک سنہرا کریں۔ جب کھانے کے لیے پیش کریں تو چاٹ مسالا چھڑک کر پیش کریں۔

انڈے کا میسو

ضروری اشیاء:۔

انڈے	ایک درجن
چینی	دو کپ
گھی	ایک کپ
چھوٹی الائچی	آٹھ عدد
تیل	آدھا کپ
بادام	پچاس گرام
تل	پچاس گرام

ترکیب:۔

ایک برتن میں سارے انڈے توڑ کر ڈال لیں اور پھینٹ لیں۔ گھی، چینی اور الائچی ـــــ برتن میں ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں اور چمچہ مسلسل چلاتی رہیں تاکہ انڈے بھن کر سنہرے رنگ کے اور دانے دار ہوجائیں۔

گھی الگ ہوجائے تو کٹے ہوئے بادام اور تل ملالیں۔ چولہے سے اتار کر پلیٹ یا ٹرے میں ڈال کر پھیلائیں اور بادام سے گارنش کریں۔ تھوڑا ٹھنڈا ہوجائے تو سلائس کاٹ لیں اور پیش کریں۔

ایگ چیز سینڈوچ

ضروری اشیاء:۔

ڈبل روٹی	ایک عدد
انڈے	چھ عدد
موزریلا چیز	آدھا پیکٹ
پسی سیاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
مکھن	آدھا کپ
کیچپ	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک پیالے میں انڈے اچھی طرح پھینٹ کر اس میں موزریلا چیز، پسی سیاہ مرچ اور نمک ڈال دیں، ساتھ ہی ڈبل روٹی کے کنارے کاٹ کر اس میں اچھی طرح مکس کردیں۔

ایک برتن میں تیل گرم کرکے انڈوں کے آمیزے کا آملیٹ بنالیں۔ تیار آملیٹ بریڈ میں رکھ کر سینڈوچ بنالیں اور اوپر سے کیچپ لگادیں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

☆

www.pklibrary.com

ادارہ

خوبصورت بنیے

ہیئر ماسک سے اپنے بالوں میں چمک اور دلکشی پیدا کریں

موسم سرما کا آغاز ہو چکا ہے۔ خشک ہواؤں نے جہاں جلد پر اثرات مرتب کیے ہیں، وہاں بالوں کو بھی متاثر کیا ہے، بال خشک اور اڑے اڑے سے نظر آتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جلد کے ساتھ ساتھ بالوں پر بھی توجہ دی جائے۔

سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ بالوں میں تیل لگایا جائے، سرسوں، ناریل یا زیتون کا تیل جو بھی آپ کو آسانی سے مل سکے اور آپ کے بالوں کے لیے موافق ہو، آپ اسے لگا سکتی ہیں۔ ہفتے میں دو بار تیل لگائیں اور آدھے گھنٹے تک مساج کریں۔ پھر تولیہ گرم پانی میں بھگو کر نچوڑ لیں اور اسے سر پر لپیٹ لیں اس کی حرارت سے تیل بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے گا۔

وہ خواتین جو بیوٹی پارلر نہیں جا سکتیں۔ وہ کچن میں موجود اشیاء سے ہیئر ماسک گھر میں تیار کر سکتی ہیں اور ان کے استعمال سے ان کے بالوں میں چمک اور دلکشی پیدا ہو سکتی ہے۔ مختلف اقسام کے ہیئر ماسک تیار کرنے کی تراکیب درج ذیل ہیں۔

☆ تین چائے کے چمچے شہد میں پانچ کھانے کے چمچے زیتون یا بادام کا تیل مکس کر کے اسے بالوں پر خوب اچھی طرح لگائیں اس کے بعد بالوں کا جوڑا بنا کر ایک تولیے کو گرم پانی میں بھگو کر نچوڑ لیں، اس تولیے کو بالوں پر اچھی طرح لپیٹ لیں۔ آدھا گھنٹہ کے بعد نیم گرم پانی اور کسی معیاری شیمپو سے سر دھو لیں۔

☆ دو مونہے بالوں کے علاج کے لیے پپیتے کا ہیئر ماسک بہترین ثابت ہوتا ہے، پپیتے کے دو بڑے ٹکڑے لیں، چھلکے اور بیج کو صاف کر دیں بلینڈر میں اچھی طرح بلینڈ کر لیں۔ اس میں آدھا کپ دہی مکس کر کے اس مکسچر کو اپنے سر کی جلد اور بالوں پر خوب اچھی طرح لگائیں، آدھے گھنٹے کے بعد نیم گرم پانی سے سر دھو لیں، اس ماسک میں پپیتے کی جگہ کیلے کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔

☆ خشک اور بے رونق بالوں میں جادوئی چمک اور دلکشی پیدا کرنے کے لیے مایونیز میں شہد ملا کر بالوں میں لگائیں، آدھے گھنٹے کے لیے اس مکسچر کو بالوں میں لگا رہنے دیں، اس کے بعد نیم گرم پانی سے بالوں کو دھو لیں۔

☆ پکے ہوئے کیلوں کو میش کر کے اس میں روغن بادام ملا کر پندرہ منٹ کے لیے اس ہیئر ماسک کو سر میں لگائیں اس کے بعد شیمپو کر لیں۔

☆ کیسٹر آئل میں شہد ملا کر بالوں میں اچھی طرح آدھے گھنٹے کے لیے لگائیں اس کے بعد نیم گرم پانی سے بالوں کو اچھی طرح دھو لیں۔

☆ کچے دودھ میں ایک چمچہ شہد ملا کر بالوں میں اس مکسچر سے جڑوں سے سروں تک مساج کریں اور آدھے گھنٹے کے بعد نیم گرم پانی سے سر دھو لیں۔

☆ میتھی دانے کو رات بھر پانی میں بھگو دیں، صبح ان بھیگے ہوئے میتھی دانوں کو پیس لیں اس پیسٹ سے سر پہ اچھی طرح مساج کریں۔ پندرہ منٹ کے بعد سر کو نیم گرم پانی اور شیمپو سے اچھی طرح دھو لیں۔ یہ ہیئر ماسک خشکی، سکری، پتلے اور جھڑتے ہوئے کمزور بالوں کے علاج کے سلسلے میں ایک بہترین ماسک ثابت ہوگا۔

☆ ایک کپ کالی ماش کی دال میں ایک کھانے کا چمچہ میتھی دانہ شامل کر کے باریک پیس کر پاؤڈر بنا لیں اس پاؤڈر میں آدھا کپ دہی ملا کر اس ماسک کو سر کی جلد اور بالوں پر خوب اچھی طرح لگا کر دو تین گھنٹوں کے لیے چھوڑ دیں، اس کے بعد سر کو گرم پانی سے خوب اچھی طرح دھو کر صاف کر لیں۔

☆

www.pklibrary.com

ادارہ

خوبصورت بنیے

ہیئر ماسک سے اپنے بالوں میں چمک اور دلکشی پیدا کریں

موسم سرما کا آغاز ہو چکا ہے۔ خشک ہواؤں نے جہاں جلد پر اثرات مرتب کیے ہیں، وہاں بالوں کو بھی متاثر کیا ہے، بال خشک اور اڑے اڑے سے نظر آتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جلد کے ساتھ ساتھ بالوں پر بھی توجہ دی جائے۔

سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ بالوں میں تیل لگایا جائے، سرسوں، ناریل یا زیتون کا تیل جو بھی آپ کو آسانی سے مل سکے اور آپ کے بالوں کے لیے موافق ہو، آپ اسے لگا سکتی ہیں۔ ہفتے میں دو بار تیل لگائیں اور آدھے گھنٹے تک مساج کریں۔ پھر تولیہ گرم پانی میں بھگو کر نچوڑ لیں اور اسے سر پر لپیٹ لیں اس کی حرارت سے تیل بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے گا۔

وہ خواتین جو بیوٹی پارلر نہیں جا سکتیں۔ وہ کچن میں موجود اشیاء سے ہیئر ماسک گھر میں تیار کر سکتی ہیں اور ان کے استعمال سے ان کے بالوں میں چمک اور دلکشی پیدا ہو سکتی ہے۔ مختلف اقسام کے ہیئر ماسک تیار کرنے کی تراکیب درج ذیل ہیں۔

☆ تین چائے کے چمچے شہد میں پانچ کھانے کے چمچے زیتون یا بادام کا تیل مکس کر کے اسے بالوں پر خوب اچھی طرح لگائیں اس کے بعد بالوں کا جوڑا بنا کر ایک تولیے کو گرم پانی میں بھگو کر نچوڑ لیں، اس تولیے کو بالوں پر اچھی طرح لپیٹ لیں۔ آدھا گھنٹہ کے بعد نیم گرم پانی اور کسی معیاری شیمپو سے سر دھو لیں۔

☆ دو مونہے بالوں کے علاج کے لیے پپیتے کا ہیئر ماسک بہترین ثابت ہوتا ہے، پپیتے کے دو بڑے ٹکڑے لیں، چھلکے اور بیج کو صاف کر دیں بلینڈر میں اچھی طرح بلینڈ کر لیں۔ اس میں آدھا کپ دہی مکس کر کے اس مکسچر کو اپنے سر کی جلد اور بالوں پر خوب اچھی طرح لگائیں، آدھے گھنٹے کے بعد نیم گرم پانی سے سر دھو لیں، اس ماسک میں پپیتے کی جگہ کیلے کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔

☆ خشک اور بے رونق بالوں میں جادوئی چمک اور دلکشی پیدا کرنے کے لیے مایونیز میں شہد ملا کر بالوں میں لگائیں، آدھے گھنٹے کے لیے اس مکسچر کو بالوں میں لگا رہنے دیں، اس کے بعد نیم گرم پانی سے بالوں کو دھو لیں۔

☆ پکے ہوئے کیلوں کو میش کر کے اس میں روغن بادام ملا کر پندرہ منٹ کے لیے اس ہیئر ماسک کو سر میں لگائیں اس کے بعد شیمپو کر لیں۔

☆ کیسٹر آئل میں شہد ملا کر بالوں میں اچھی طرح آدھے گھنٹے کے لیے لگائیں اس کے بعد نیم گرم پانی سے بالوں کو اچھی طرح دھو لیں۔

☆ کچے دودھ میں ایک چمچہ شہد ملا کر بالوں میں اس مکسچر سے جڑوں سے سروں تک مساج کریں اور آدھے گھنٹے کے بعد نیم گرم پانی سے سر دھو لیں۔

☆ میتھی دانے کو رات بھر پانی میں بھگو دیں، صبح ان بھیگے ہوئے میتھی دانوں کو پیس لیں اس پیسٹ سے سر پہ اچھی طرح مساج کریں۔ پندرہ منٹ کے بعد سر کو نیم گرم پانی اور شیمپو سے اچھی طرح دھو لیں۔ یہ ہیئر ماسک خشکی، سکری، پتلے اور جھڑتے ہوئے کمزور بالوں کے علاج کے سلسلے میں ایک بہترین ماسک ثابت ہوگا۔

☆ ایک کپ کالی ماش کی دال میں ایک کھانے کا چمچہ میتھی دانہ شامل کر کے باریک پیس کر پاؤڈر بنا لیں اس پاؤڈر میں آدھا کپ دہی ملا کر اس ماسک کو سر کی جلد اور بالوں پر خوب اچھی طرح لگا کر دو تین گھنٹوں کے لیے چھوڑ دیں، اس کے بعد سر کو گرم پانی سے خوب اچھی طرح دھو کر صاف کر لیں۔

☆